تاریخ قیام و

مقتل جامع سید الشہدا علیہ السلام

دوسری جلد

گروہِ محققین

زیر نگرانی: حجۃ الاسلام والمسلمین استاد مہدی پیشوائی

ترجمہ و تلخیص: غلام یٰسین

فہرست

دوسری فصل

اہل بیتؑ کوفہ میں

تیسری فصل

اہل بیت علیہم السلام شام کے راستے میں

چوتھی فصل

اہل بیت علیہم السلام، شام میں

پانچویں فصل

اہل بیت علیہم السلام مدینہ میں

چھٹی فصل

امام سجاد علیہ السلام کی امامت میں

ساتویں فصل

عاشورہ کے تکوینی نتائج وآثار

آٹھویں فصل
سید الشہداؑ کے چہلم پر تحقیق

نویں فصل

امام حسینؑ کی عزاداری کا فلسفہ

دسویں فصل

عزاداری سید الشہداؑ تاریخ کے آئینہ میں

گیارہویں فصل

واقعہ کربلا اعداد وشمار کے آئینہ میں

بارہویں فصل

شہدائے بنی ہاشم کے حالات زندگی

تیرہویں فصل

اصحاب امام حسین علیہ السلام کے حالات زندگی

سخنِ مترجم

اپنے بزرگوں کی یاد منانا اور اسے سپرد قرطاس کرنا، زندہ اور پائندہ قوموں کی علامت ہے۔ یاد منانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ یادگار لوگوں کی غفلت اور طاقِ نسیان میں چلے جانے سے محفوظ رہ سکے اور اس پر غور کرنے سے سبق حاصل کیا جاسکے۔

واقعہ کربلا کی یاد نہ صرف مسلمانوں، بلکہ ہر قوم وملت کے لیے یکساں مفید اور سبق آموز ہے۔ لہٰذا اسے بیان اور قلم کے ذریعے زندہ رکھنا ہر قوم کا فرض ہے۔

مسلمان مؤرخین اور خاص طور سے شیعیان اہل بیت اطہار علیہم السلام نے کماحقہ اس فریضے پر عمل کیا۔ جہاں یادگار کربلا کو قوم کے سامنے بیان کیا، وہاں اپنے قلم کے ذریعے اسے محفوظ کرنے کی بھی کوشش کی۔ البتہ یہ عظیم واقعہ جہالت، تعصب اور خودغرضی جیسے اسباب کی وجہ سے تحریف سے محفوظ نہ رہ سکا۔ علمائے کرام نے تاریخ کے مختلف ادوار میں تحریف زدائی کے عمل کو جاری رکھا اور کربلا کی صحیح اور حقیقی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی۔ تاہم موجودہ زمانے میں ایک جامع تحقیق کی ضرورت تھی جو واقعہ کربلا کے مختلف پہلوؤں کو مزید وضاحت اور دلائل کے ساتھ بیان کرے اور تحریفات کے بیان کے ساتھ ساتھ ان کا تجزیہ و تحلیل پیش کرے۔ کتاب **تاریخ قیام و مقتل جامع سید الشہدا** علیہ السلام کو اسی مقصد کے تحت لکھا کیا گیا، جسے تاریخ اسلام کے ماہرین کی ایک ٹیم نے مل کر تالیف کیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ شرف بخشا کہ اس گراں بہا خزانے کا ترجمہ اور تلخیص قارئین کی خدمت پیش کروں۔

۱۔ مقتل جامع کا تعارف اور اہداف

اس حوالے سے کتاب کے مقدمہ میں بیان کیے گئے اہداف کا اقتباس سادہ الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے: عرصہ دراز سے مصنف کی آرزو تھی کہ ایک ایسی جامع اور مستند مقتل لکھے جو علمی ہونے کے ساتھ ساتھ تحریف سے پاک و منزہ ہو، عصر حاضر کی ضروریات کو پورا کرسکے اور جدید طرزِ بیان کی حامل بھی۔ اگرچہ واقعہ کربلا میں ہونے والی تحریفات کے خاتمہ اور اس واقعہ کی صحیح تصویر پیش کرنے کی غرض سے چند کتابیں لکھی جاچکی ہیں؛ لیکن مقتل کی کتابوں پر تنقید کرنا اور ان کے ضعف اور تحریفات کو بیان

کافی نہیں ہے بلکہ ایک جامع مقتل کی ہمیشہ کمی محسوس ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ "امام خمینیؒ ریسرچ سنٹر" کے شعبہ تاریخ کے زیر اہتمام اس کام کے ابتدائی مراحل کا باقاعدہ آغاز ہوا اور چند سالوں میں یہ گراں بہا خزانہ قارئین کرام کے ہاتھوں تک پہنچا۔

۲۔ کتاب کی خصوصیات

اس کتاب کی چند اہم خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ یہ مستند اور جامع کتاب ہے جس میں صرف تحریفاتِ عاشورہ، قیام امام حسینؑ کا مقصد، شہدا کی شہادت کی کیفیت اور مصائب کو ہی بیان نہیں کیا گیا، بلکہ یہ مقتل کی ایک استدلالی کتاب بھی ہے جس میں واقعہ کربلا کو شروع سے آخر تک جامع اور مستند انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ ضعیف روایات کی تحقیق اور تجزیہ و تحلیل پیش کرنے کے ساتھ ساتھ، صحیح روایات کو بھی بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۔ مقتل کی دیگر کتابوں کی نسبت، اس کتاب کا منفرد کام یہ ہے کہ دوسری صدی سے اب تک لکھی جانے والی مقاتل کا تحلیلی جائزہ لیا گیا ہے اور ان میں سے صحیح اور ضعیف روایات پر مشتمل کتابوں کی طرف رہنمائی بھی کی گئی ہے۔

۳۔ یہ کتاب علما، محققین اور عوام الناس کے لیے یکساں قابل فہم اور مفید ہے، جبکہ اس کے اصلی مخاطب، نوجوان مبلغین اور خطبا ہیں۔

۴۔ یہ تاریخ نویسی کے عالمی معیاروں کے مطابق لکھی جانے والی مقتل کی پہلی کتاب ہے، جس کی تدوین میں صرف مقتل کی کتب ہی نہیں، بلکہ مختلف ابحاث کے تناسب سے دیگر کتب مثلاً: حدیث ،معاجم، ادعیہ اور زیارات، علم رجال، علم نَسب، جغرافیہ وغیرہ کی ورق گردانی بھی کی گئی ہے؛ نیز تاریخ نویسی کے مشہور اور رائج قواعد وضوابط کا لحاظ بھی رکھا گیا ہے۔

۳۔ ترجمہ کے بارے میں

یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد میں چار حصے ہیں اور ہر حصہ چند ابواب پر مشتمل ہے۔ چونکہ یہ کتاب بہت مفصل تھی یعنی دونوں جلدیں تقریباً دوہزار صفحات پر مشتمل تھیں اس لیے ہم نے ترجمے کے ساتھ تلخیص بھی کی ہے اور تلخیص میں کوشش رہی ہے کہ کتاب کے اصل مفہوم کو پوری دیانت داری کے ساتھ کماحقہ بیان کیا جائے۔

۴۔ ترجمہ کا اسلوب

کسی بھی متن کو دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کے اسلوب اور معیارات مختلف ہوتے ہیں۔ ترجمے میں سب سے اہم چیز، اس معاشرے کو مد نظر رکھنا ہے جس کے لیے ترجمہ انجام دیا جاتا ہے، تاکہ وہ معاشرہ کتاب کے مطالب کو اچھی طرح سمجھ سکے؛ لہذا اس وجہ سے ترجمے کے معیارات مختلف ہو جاتے ہیں۔

کبھی مترجم کی کوشش ہوتی ہے کہ کتاب کے مطالب کا صرف مفہوم مخاطب کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس اسلوب میں مترجم الفاظ کی قید و بند سے نکل کر ترجمہ انجام دیتا ہے اور کبھی ہر لفظ کا جدا جدا ترجمہ کیا جاتا ہے اور کبھی تلفیقی انداز سے ترجمہ ہوتا ہے؛ یعنی مترجم جہاں لفظی ترجمے کی ضرورت محسوس کرتا ہے، وہاں لفظی ترجمہ کرتا ہے، اور جہاں مفہوم پیش کرنے کی ضرورت دیکھتا ہے وہاں صرف مفہوم پیش کر دیتا ہے اور یہ تلخیص کی ایک صورت بن جاتی ہے۔ ہم نے بھی انہی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے ترجمہ و تلخیص کی ہے۔ نیز کوشش کی گئی ہے کہ عبارتیں آسان اور سلیس ہوں، تاکہ معاشرے کے ہر فرد تک مطلب پہنچایا جا سکے؛ تاہم انسان سے خطا کا امکان رہتا ہے؛ لہذا امید کرتا ہوں کہ کسی طرح کی غلطی کی صورت میں قارئین محترم رہنمائی فرمائیں گے۔

پروردگار سے دعا گو ہوں کہ بندہ ناچیز کو دین مبین اسلام کی صحیح سوجھ بوجھ، اپنی اطاعت، اسلام اور اپنی مخلوق کی خدمت کا شرف عطا فرمائے۔ آمین

الاحقر: غلام یٰسین

۱۵ شعبان المعظم، بروز اتوار، روزِ ولادت باسعادت مُنجی
بشریت حضرت بقیۃ اللہ الاعظم عجل اللہ فَرَجَہُ الشَّرِیف،
۱۴۴۰ ہجری، ۲۱ اپریل ۲۰۱۹ء

انتساب

کتاب کا مقدمہ ۱۵ شعبان المعظم ۱۴۴۰ ہجری قمری کو مکمل ہوا؛ اسی مناسبت سے یہ کتاب مُنجی کائنات حضرت بقیۃ اللہ الاعظم، امام زمانہ عجل اللہ فَرَجَہُ الشَّرِیف کی ذاتِ اقدس کی طرف منسوب کرتے ہیں؛ امید ہے کہ امام رؤوف علیہ السلام، اس حقیر ہدیہ کو قبول فرمائیں گے اور یہی ہمارے لیے باعثِ عزت و سربلندی ہے۔

پہلی فصل

شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد کے واقعات

روز عاشورہ کی آخری گھڑیوں تک امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کی شہادت پر، واقعہ کربلا ختم نہیں ہوا، بلکہ اس کے بعد بھی نہایت افسوسناک واقعات پیش آئے۔ ہم یہاں، اہل بیتؑ کی کربلا سے کوفہ روانگی کے واقعات کا تذکرہ کریں گے۔

امامؑ کے لباس اور اسلحہ کی لوٹ مار

عمر بن سعد کی فوج نے امام حسینؑ کو شہید کر کے آپ کا لباس اور اسلحہ غارت کر لیا۔ قبیلہ بنی اشہل بن دارم کے ایک شخص[1] نے آپ کی ایک تلوار اور جمیع بن خلف اودی[2] نے دوسری تلوار لوٹ لی۔ امامؑ کی شلوار (جو آپ نے بوسیدہ شلوار کے اوپر پہن رکھی تھی) بحر بن کعب تمیمی نے لوٹی۔[3] بعد میں اس ملعون کے ہاتھ گرمیوں کے موسم میں لکڑی کی طرح خشک ہو جاتے تھے اور سردیوں کے موسم میں ان سے پیپ اور خون بہتا رہتا تھا اور وہ اسی حالت میں واصل جہنم ہو گیا۔[4]

قیس بن اشعث بن قیس کندی، امام کی چادر قطیفہ (ابریشم سے بنی ہوئی ایک مخملی چادر) خیمہ سے لے گیا۔[5] اسی وجہ سے لوگ اسے "قیس قطیفہ" کہتے تھے۔[6] اسود بن خالد اودی نے نعلین اور جابر بن یزید ازدی نے عمامہ مبارک چھینا۔[7] اس نے عمامہ سر پر باندھا تو جذام کے مرض میں مبتلا ہو گیا۔[1] ایک روایت کے مطابق اس نے جونہی عمامہ سر پر باندھا، دیوانہ ہو گیا۔[2]

۱۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۹؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۵۳۔

۲۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش ۱۰، ص ۱۸۷؛ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۷۹۔

۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۵۳۔

۴۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۱۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۳۸۔

۵۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش ۱۰، ص ۱۸۷؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۹؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۵۳؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۳۸۔

۶۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش ۱۰، ص ۱۸۷؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۵۳؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۳۸۔

۷۔ ابن سعد، سابقہ حوالہ؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۱۱۹؛ خوارزمی، سابقہ حوالہ۔

سید الشہدا علیہ السلام کا پیراہن، اسحاق بن حیوہ حضرمی نے اتارا۔ اسے پیسی کا مرض لگ گیا اور اس کے بال گر گئے۔[۳] بُرنس (خُود)[۴] اور زرہ مالک بن نُسیر یا نسر کندی[۵] نے اٹھائی اور ایک چھوٹے قد کے لیے زرہ تھی جو عمر بن سعد ملعون نے لوٹی۔[۶]

بعض روایات کے مطابق، بجدل بن سلیم کعبی نے امام علیہ السلام کی انگوٹھی اتاری اور ساتھ انگلی بھی کاٹ لی؛[۷] لیکن شیخ صدوق نے محمد بن مسلم سے روایت نقل کی ہے: میں نے امام صادق علیہ السلام سے امام حسین علیہ السلام کی انگوٹھی کے بارے میں سوال کیا کہ وہ کہاں ہے؟ اور میں نے یہ بھی عرض کیا: میں نے سنا ہے کہ باقی چیزوں کی طرح انگوٹھی بھی لوٹ لی گئی اور اسے امام ۴۷۳ کی انگلی سے اتار کر لے گئے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: جیسے لوگ کہتے ہیں، ویسا نہیں ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے فرزند علی بن حسین (امام سجاد علیہ السلام) کو وصیت کی اور اپنی انگوٹھی ان کے ہاتھ میں پہنائی اور اسرار امامت ان کے سپرد کیے؛ جیسا کہ رسول خدا ﷺ نے امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ ایسا کیا، اور امیر المومنین علیہ السلام نے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے ساتھ (اور انہیں اسرارِ امامت سونپے)۔ اس کے بعد وہ انگوٹھی میرے جد (امام زین العابدین علیہ السلام) کو ملی۔ ان کے بعد میرے بابا اور پھر مجھے ملی، اور اب میرے پاس ہے۔ میں اسے روز جمعہ پہن کر نماز پڑھتا ہوں....۔[۸]

۱۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۱۹۔

۲۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۶۵۔

۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۵۴، ۴۵۵؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۱۲۔

۴۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۰۸؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۸؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۳۵؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۷۶۔

۵۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۱۹؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۳۷۔

۶۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۷۶؛ سید بن طاووس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص۱۷۹۔

۷۔ ابن نما، سابقہ حوالہ؛ سید بن طاووس، سابقہ حوالہ، ص۱۷۸۔

۸۔ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۲۹، ص۲۰۷، ۲۰۸، ح۱۳؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۶، ص۱۷۔ آیت اللہ ابو الحسن شعرانی کا نظریہ ہے کہ امام علیہ السلام کی جو انگوٹھی لوٹی گئی تھی وہ اس کے علاوہ ایک اور انگوٹھی تھی۔ امام علیہ السلام نے اسی دوسری انگوٹھی کے لوٹے جانے کی نفی کی ہے۔ (ترجمہ کتاب نفس المہموم، ص۳۲۴۔)

امامؑ کے گھوڑے کا خیام میں آنا

ابن اعثم اور خوارزمی نے اس بارے لکھا ہے:

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد امام کے گھوڑے نے خیام کا رخ کیا۔ ان کے سامنے سے گزرا تا کہ اسے نہ پکڑ سکیں۔ اپنی پیشانی خون سید الشہداؑ کے خون سے رنگین کر کے ہنہناتا اور دوڑتا ہوا خیام کی طرف آیا اور اپنا سر زمین پر مارنا شروع کر دیا۔ جب بیبیوں نے دیکھا کہ گھوڑا آیا ہے لیکن سوار نہیں آیا تو انہوں نے بین کیے۔ جناب ام کلثومؑ نے سر پر ہاتھ رکھ کر بین کیا:

وَا مُحَمَّدَاهُ، وَا جَدَّاهُ، وَا نَبِيَّاهُ، وَا اَبَا الْقَاسِمَاهُ، وَا عَلِيَّاهُ، وَا جَعْفَرَاهُ، وَا حَمْزَتَاهُ، وَا حُسَيْنَاهُ، هٰذَا حُسَيْنٌ بِالْعَرَاءِ، صَرِيْعٌ بِكَرْبَلَاء، مَحْزُوْزُ الرَّأْسِ مِنَ الْقَفَا، مَسْلُوْبُ الْعِمَامَةِ وَالرِّدَاءِ. ثُمَّ غُشِيَ عَلَيْهَا۔[1]

"ہائے نانا محمدؐ، ہائے نبیؐ، ہائے ابو القاسم، ہائے علی، ہائے جعفر، ہائے حمزہ، وا حسیناہ، یہ حسین خاک کربلا پر عریان پڑا ہے، اس کا عمامہ اور رداء چھین لی گئی ہے۔" پھر بی بی غش کر گئیں۔

کتاب الفتوح کے مترجم لکھتے ہیں: بی بی زینبؑ نوحہ کناں تھیں اور منہ پر ماتم کر کے کہتی تھیں: وا محمداہ! آپ جانتے ہیں حسین کے ساتھ کیا سلوک ہوا ہے اور اسے کس بے دردی سے قتل کیا گیا ہے۔ اس کا پیکر مطہر لق و دق صحراء میں پڑا ہوا ہے۔ وا محمداہ! تیرے اہل بیتؑ کو اسیر کر لیا گیا ہے اور تیری ذریت صحرائے کربلا میں بے آسرا ہے۔ دشمن و دوست ان پر گریہ کر رہے ہیں۔[2]

۱۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۳۷۔

۲۔ ابن اعثم کوفی، ترجمۃ الفتوح، مترجم محمد مستوفی ہروی، ص ۹۰۸۔

ایک اور روایت کے مطابق ایک کنیز خیام حسینی سے باہر آئی اور میدان جنگ کی طرف چلی؛ ایک شخص نے اسے کہا: اے کنیزِ خدا! تیرا سردار قتل ہو گیا ہے۔ کنیز نے کہا: میں دوڑتی اور گریہ کرتی ہوئی اپنی سردار بیبیوں کی طرف گئی۔ جب انہوں نے مجھے اس حالت میں دیکھا تو اٹھیں اور بین کرنے لگیں۔[1]

اہل بیت علیہم السلام کے خیام کی تاراجی

ابو مخنف اس بارے لکھتے ہیں: لوگوں نے اہل بیتِ حسینی علیہم السلام اور اموال پر دھاوا بول دیا۔ ان کے قیمتی لباس اور اونٹ لے گئے۔ اور جب ظالم لباس لوٹنے لگتے تو کبھی کبھار مخدرات کی، ان کے ساتھ کشمکش بھی ہو جاتی، لیکن فوج غالب آجاتی اور لباس لوٹ کر لے جاتی تھی۔[2]

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: زمانہ جاہلیت کے لوگ ماہ محرم میں جنگ وجدال کو حرام جانتے تھے، لیکن اس مہینے میں لوگوں نے ہمارا خون حلال سمجھا، ہماری ہتک حرمت کی اور ہمارے خاندان اور مستورات کو قیدی بنایا۔ خیام کو آگ لگائی اور اموال لوٹ لیے۔ ہمارے بارے حرمت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کا خیال نہیں رکھا۔[3]

امام سجاد علیہ السلام نے کوفیوں کے مجمع میں فرمایا:

أَنَا ابْنُ مَنِ انْهُتِكَ حَرِيْمُهُ، وَ سُلِبَ نَعِيْمُهُ، وَانْتُهِبَ مَالُه، وَ سُبِيَ عَيَالُه[4]

میں اس مظلوم کا بیٹا ہوں جس کی ہتک حرمت کی گئی، جس کی نعمتیں چھینی گئیں، جس کے اموال لوٹے گئے اور جس کی اہل بیت کو اسیر کیا گیا۔

۱۔ سید بن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۸۰۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۵۳۔

۳۔ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۲۷، ص ۱۹۰، ح ۲؛ ابن فتال نیشاپوری، روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۱۶۹؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۹۴۔

۴۔ ابن شہر آشوب، سابقہ حوالہ، ص ۱۲۴؛ طبرسی، الاحتجاج، ج ۲، ص ۱۱۷؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۸۹؛ سید بن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۹۹۔

شمر کے ساتھ کچھ سپاہی آئے اور خیام حسینی کا محاصرہ کیا۔ شمر لعین، اہل بیتؑ کی عورتوں کے خیمہ کے قریب آیا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہا: (خیام میں) گھس جاؤ اور مستورات کے زیورات چھین لو۔ انہوں نے لوٹ مار شروع کر دی، یہاں تک کہ بیبیوں کی انگلیوں سے انگوٹھیاں، کانوں سے بالیاں اور پیروں سے خلخال اتار لیے۔[1] جو کچھ خیام میں تھا وہ لے گئے۔ جناب ام کلثومؑ کے کانوں سے گوشوارے اتارے۔ بی بی کے کان زخمی ہو گئے۔[2] ابن سعد کے لشکر نے اونٹ اور باقی ساز و سامان بھی لوٹ لیا۔[3]

رُحیل بن زُہیر جُعفی، جریر بن مسعود حضرمی اور اسد بن مالک حضرمی نے سب سے زیادہ سرخ لباس اور زیورات غارت کیے۔ ابو الجنوب جعفی نے پانی لانے والا اونٹ چرایا۔[4] رُحیل بن خَیثمہ جعفی، ہانی بن شبیب حضرمی اور جریر بن مسعود حضرمی نے کمان اور زیورات لوٹے۔[5]

ابو حنیفہ دینوری نے لوٹے جانے والے ایک سرخ رنگ کے لباس (وَرس) کے بارے لکھا ہے کہ یہ وہی لباس تھا جو امام حسینؑ نے منزل تنعیم پر ایک کاروان سے لے لیا تھا، جو یزید کے لیے لے کر جا رہا تھا۔[6]

حضرت فاطمہ بنت الحسینؑ نے لوٹ مار کی تفصیل یوں بیان کی ہے:

بہت بڑا لشکر ہمارے خیام میں گھس آیا... میرے پیروں میں دو طلائی خلخال تھے۔ ایک شخص میرے پیروں سے خلخال بھی اتار رہا تھا اور رو بھی رہا تھا۔ میں نے پوچھا: اے دشمن خدا! تو روتا کیوں ہے؟ اس نے

۱۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۷۶۔
۲۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۱۲۰؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۳۷، ۳۸۔
۳۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۱۲۔
۴۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۹۔
۵۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۲۰، ۱۲۱۔
۶۔ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۸۲۔

کہا: میں کیونکر نہ روؤں، جبکہ بنت رسول کو لوٹ رہا ہوں۔ میں نے کہا: تو پھر نہ لوٹ۔ اس نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نہ لوٹوں تو کوئی اور لوٹ لے گا۔ بی بی نے فرمایا: جو کچھ خیام میں تھا، انہوں نے لوٹ لیا۔[1]

ابن طاووس نے لکھا ہے:

[سید الشہداؑ کی شہادت کے بعد] عمر سعد کے لشکر کے فوجی۔ خاندانِ رسولؐ اور نور چشم زہرائے بتول کے خیام کو لوٹنے کے لیے ایک دوسرے پر پیش قدمی کر رہے تھے۔ رسول زادیاں خیام سے باہر آ گئیں اور ان کے گریہ و بکا کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اور اپنے حامیوں اور محبوں کے غم میں بین کرنے لگیں۔[2]

سپاہِ دشمن کی ایک عورت کا اعتراض

حمید بن مسلم بیان کرتا ہے کہ قبیلہ بنی بکر بن وائل کی ایک خاتون اپنے شوہر کے ساتھ ابن سعد کے لشکر میں آئی ہوئی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ فوج اشقیا نے خیام حسینی پر دھاوا بول دیا ہے اور لوٹ مار شروع کر دی ہے تو وہ خاتون تلوار لے کر خیام کی طرف دوڑی اور کہا: اے قبیلہ بنی بکر بن وائل! رسول زادیوں کو لوٹا جا رہا ہے (اور تم دیکھ رہے ہو)؟!

لَاحُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ يَالَثَارَاتِ رَسُوْلِ اللهِ،[3] اللہ کے علاوہ کوئی حکم نہیں ہے، آؤ اور رسول خدا کے خاندان کا بدلہ لو۔

اس کا شوہر آیا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر واپس لے گیا۔

امام سجادؑ کے ساتھ دشمن کا سلوک

حمید بن مسلم کا بیان ہے: میں علی بن الحسین کی طرف گیا۔ وہ مرض کی شدت کی وجہ سے بستر پر سوئے ہوئے تھے۔ اسی اثناء میں شمر اپنے پیادہ سپاہیوں کے ہمراہ آیا اور سپاہیوں نے شمر سے کہا: اسے قتل

۱۔ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۳۱، ص ۲۲۸، ۲۲۹؛ ابن سعد، ترجمۃ الحسین و مقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش ۱۰، ص ۱۸۷؛ محمد بن ابی طالب حسینی موسوی حائری، تسلیۃ المجالس وزینۃ المجالس،، ج ۲، ص ۳۲۴۔

۲۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۷۷؛ سید بن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۸۰۔

۳۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۷۷؛ سید بن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۸۰۔

نہ کرو؟! میں نے کہا: سبحان اللہ، ہم بچوں کو قتل کریں؟! وہ بچہ ہے۔ جو شخص بھی ان پر حملہ کرنا چاہتا تھا، میں اسے روک لیتا تھا۔ یہاں تک کہ ابن سعد نے آکر کہا: کوئی خیام میں نہ گھسے اور اس بیمار جوان کو کچھ نہ کہے۔[1] اگر کسی نے اس کی کوئی چیز اٹھائی ہے تو اسے واپس کر دے۔ حمید کہتا ہے: اللہ کی قسم، کسی نے کچھ واپس نہ کیا۔[2]

معلوم ہوتا ہے کہ امام سجادؑ کو شہید نہ کرنے کی وجہ ان کا مریض ہونا ہے، کیونکہ آپؑ بیماری کی وجہ سے اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ کچھ لوگوں نے خیال کیا کہ وہ اس کمزوری اور بیماری کی وجہ سے زندہ نہیں رہ سکتے، پس انہیں قتل کرنے کی ضرورت نہیں ہے؛ لہٰذا انہیں شہید کرنے سے باز رہے۔

ابو الجارود نے امام باقرؑ سے جو حدیث نقل کی ہے اور ہم نے اسرار امامت کی سپردگی والی بحث میں اسے ذکر کیا ہے، وہ امام سجادؑ کے شدید مریض ہونے کو بیان کر رہی ہے۔

خیام کو آگ لگانا

شمر بن ذی الجوشن کے حکم سے خیام کو لوٹنے کے بعد، سپاہی خیام سے باہر آئے[3] اور خیام جلانے کا ارادہ کر لیا۔ ان کو وہ خیام کے دیکھنے سے بھی وحشت تھی جو کچھ لمحات پہلے، امامؑ اور آپ کے اصحاب کی قیام گاہ تھے۔

سید بن طاوس نے اس بارے لکھا ہے: پھر اعدا نے مخدرات عصمت و طہارت کو باہر نکال کر خیام کو آگ لگا دی۔ بیبیاں پا پیادہ آہ و نالہ کرتی ہوئی باہر آئیں۔[4] جب خیام میں آگ شعلہ ور ہوئی تو رسول زادیاں

۱۔ ابو علی مسکویہ، تجارب الامم و تعاقب الہمم، ج ۲، ص ۷۳۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۵۴؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۱۲، ۱۱۳؛ ابن فتال نیشاپوری، روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۱۸۹؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۳۸؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایۃ، ج ۸، ص ۲۰۵۔

۳۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۱۲۰۔

۴۔ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۸۰؛ محمد بن ابیطالب حسینی موسوی حائری، تسلیۃ المجالس و زینۃ المجالس، ج ۲، ص ۳۲۵۔

خیام سے باہر آئیں اور گریہ کرتی ہوئی دوڑیں اور اپنے جوانوں اور بوڑھوں پر گریہ کیا۔[1] جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ امام رضا علیہ السلام ماہ محرم کے بارے میں فرماتے ہیں: ماہِ محرم ایک ایسا مہینہ ہے، جس میں ہمارے خیام کو آگ لگائی گئی۔[2]

شیخ مفید نقل کرتے ہیں: عمر بن سعد نے اپنے فوجیوں کے ایک دستے کو خیام پر مقرر کیا اور کہا: خیال رہے کہ کہیں کوئی باہر نہ جانے پائے اور ان سے بُرا سلوک بھی نہ کرنا۔[3]

ان سب کے باوجود، ان روایات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا جن میں ذکر ہوا ہے کہ عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو اہل بیت علیہم السلام کو نقصان پہنچانے سے منع کیا ہے یا لوٹے ہوئے اموال واپس کرنے کا حکم دیا ہے؛ کیونکہ اس روایت کا راوی حمید بن مسلم، عمر بن سعد کی فوج کا آدمی ہے لگتا ہے۔ اس نے عمر بن سعد کے دامن سے کچھ دھبے دھونے کے لیے یہ روایت گھڑی ہے۔

بالفرض مان لیا جائے کہ عمر بن سعد نے یہ حکم دیا ہے تب بھی اس کا حقیقی ارادہ یہ نہ تھا، کیونکہ اگر یہ حکم سچائی پر مشتمل ہوتا تو اس کے سپاہی حکم عدولی نہ کرتے۔ نیز یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک طرف سے عمر بن سعد خیام جلانے، امام علیہ السلام کے بدن اطہر پر گھوڑے دوڑانے اور ہر قسم کے مظالم کا حکم دے اور دوسری طرف سے منع کرے، یہ (دو متضاد حکم) کیسے اکٹھے ہو سکتے ہیں؟!

دوسرا موضوع، عُقبہ بن سمعان کی ان ظالموں کے ہاتھ سے نجات ہے۔ عمر بن سعد نے رباب کے غلام، عُقبہ بن سمعان کو گرفتار کیا ہوا تھا اور اس سے پوچھا: تو کون ہے؟ عقبہ نے کہا: میں غلام ہوں۔ یہ سننا تھا کہ عمر بن سعد نے اسے چھوڑ دیا۔[4]

۱۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۷۷۔
۲۔ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۲۷، ص ۱۹۰؛ ابن فتال نیشاہوری، روضہ الواعظین، ج ۱، ص ۱۶۹؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۹۴۔
۳۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۱۳۔
۴۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۵۴۔

امام حسینؑ کی لاش کی پامالی

یزیدی فوج نے کربلا میں جو بد ترین کام کیا ہے اور جس کام سے امام حسینؑ کے ساتھ انکا بغض اور کینہ معلوم ہوتا ہے، وہ امام حسینؑ کی لاش مطہر پر گھوڑے دوڑانا ہے۔ بہت سی کتب میں ذکر ہوا ہے کہ عبید اللہ ابن زیاد (لعنۃ اللہ علیہ) کے حکم سے یہ کام کیا گیا۔ چنانچہ ابو الفرج اصفہانی نے لکھا ہے:

عبید اللہ ابن زیاد نے حکم دیا کہ امام حسینؑ کے سینہ، پشت، پہلو اور چہرے کو روند ڈالا جائے۔ پس انہوں نے گھوڑوں کو اس کام پر مامور کیا۔[1] کتب تاریخ نے اس بارے یوں لکھا ہے:

عمر بن سعد نے اپنے لشکر میں آواز دی: کون ہے جو حسین کی لاش پر گھوڑے دوڑائے؟ دس افراد نے[2] لبیک کہا۔ انہوں نے جا کر امام حسینؑ کے لاشہ اقدس کو پامال کیا۔ امامؑ کے سینے اور پشت کی ہڈیاں چور ہو گئیں۔[3]

جب ابن سعد سے اس کام کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا: یہ کام عبید اللہ ابن زیاد کے حکم سے انجام دیا گیا ہے۔[4]

ابن شہر آشوب نے ان دس افراد کے یہ نام لکھے ہیں: اسحاق بن یحییٰ حضرمی، ہانی بن شبیب حضرمی، اَدلَم بن ناعم، اسد بن مالک، حُکیم بن طفیل طائی، اخنس بن مِرثَد، عمرو بن صُبیح مذحجی، رجاء بن مُنقِذ عبدی، صالح بن وہب یزنی اور سالم بن خیثمہ جُعفی (علیہم اللعن و العذاب)۔[5]

اَخنس بن مَرثد نے اس بارے میں کہا ہے:

۱۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۱۱۹۔

۲۔ چوتھی صدی کے مورخ ابو علی بلعمی نے بیس افراد کہے ہیں (تاریخنامہ طبری، ج ۴، ص ۱۱۷)۔

۳۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۱۰؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۵۵؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۱۳؛ مسعودی، مروج الذہب و معادن الجوہر، ج ۳، ص ۷۲؛ ابن فتال نیشاپوری، روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۱۸۹؛ ابن جوزی، الرد علی المتعصن العنید، ص ۴۰؛ سبط بن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج ۲، ص ۱۷۰۔

۴۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۳۹۔

۵۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۲۱۔

نَحۡنُ رَضَضۡنَا الظَّهۡرَ بَعۡدَ الصَّدۡرِ — بِكُلِّ يَعۡبُوبٍ شَدِيدِ الۡأَسۡرِ

حَتّٰى عَصَيۡنَا اللّٰهَ رَبَّ الۡأَمۡرِ — بِصُنۡعِنَا مَعَ الۡحُسَيۡنِ الطُّهۡرِ

ہم نے سخت جان گھوڑوں کے ذریعے حسین کے سینے کی پشت کو پامال کیا ہے۔ ہم نے حسینِ طاہر کے ساتھ یہ کام کر کے خدا کی نافرمانی کی ہے۔

یہ دس افراد ابن زیاد کے پاس گئے۔ اسد بن مالک نے شعر کا پہلا بیت کہا۔ ابن زیاد نے پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: ہم وہ ہیں جنہوں نے حسین کی لاش پر گھوڑے دوڑائے ہیں۔ اس کے سینے کی ہڈیوں کو چور چور کیا گیا ہے۔[1] ابن زیاد نے ان کو معمولی سا انعام دیا۔ ابو عمر (یا عمرو) زاہد کہتا ہے: میں نے ان دس افراد کے حالات کی تحقیق کی ہے، یہ سب کے سب حرام زادے تھے۔[2]

شامِ غریباں میں اہل بیت علیہم السلام کی حالت

شام غریباں، امام عالی مقام کے اہل بیت علیہم السلام پر کیا گزری، قدیمی تاریخی کتب میں اس بارے کچھ ذکر نہیں ہوا۔ لیکن بے شک یہ سخت ترین رات تھی جو خاندان رسول پر گزری۔ اپنے عزیز و اقارب کی جدائی، خون و خاک میں لت پت امام حسین علیہ السلام اور اصحاب کے لاشوں کا زمین پر بے کفن پڑا ہونا، مخدرات عصمت و طہارت، بچوں اور امام علیہ السلام کے قریبیوں کے ساتھ یزیدی فوج کی سفاکی، اہل بیت کی غربت اور اسیری، تاریخ عاشورہ کے مسلّم واقعات ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے قدیمی شخص جنہوں نے اس بارے اظہار خیال کیا ہے، وہ سید بن طاووس ہیں؛ وہ لکھتے ہیں:

روزِ عاشورہ کا آخری وقت تھا کہ امام حسین علیہ السلام کے اہل حرم، بیٹیاں اور بچے غم و اندوہ کی حالت میں، گریہ و فغاں کے عالم میں، دشمن کے ہاتھوں قیدی بنا لیے گئے تھے۔ اور دن، رات میں بدل چکا تھا۔ میرے قلم میں ان کی شکستہ حالت کو تحریر میں لانے کی طاقت نہیں ہے۔ انہوں نے یہ رات کسی حامی و مددگار کے

۱۔ کراجکی نے لکھا ہے کہ ان میں سے کچھ گھوڑوں کو مصر لے گئے۔ وہاں ان کی نعلیں اتار کر تبرک کے طور پر گھروں میں نصب کر دی۔ اس کے بعد مصر کے لوگوں میں یہ عمل رواج پا گیا کہ لوگ اپنے گھروں پر گھوڑوں کے نعل نصب کرتے تھے۔ (محمد بن علی کراجکی، کتاب التعجب، ص ۱۱۶، ۱۱۷۔)

۲۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۷۹؛ سید ن بن طاووس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۸۳۔

بغیر، غربت کے عالم میں گزاری اور سفاک دشمنوں نے ان کی کوئی پرواہ نہ کی، تاکہ وہ بے دین عمر بن سعد اور زندیق عبید اللہ بن زیاد اور کفر والحاد کے سرغنہ یزید بن معاویہ کا قرب حاصل کر سکیں۔[1]

سید الشہدا علیہ السلام کا سَر کوفہ بھجوانا

یزیدیوں کا ایک بدترین کام، امام علیہ السلام کا سر مبارک ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیجنا، اور پھر یزید کے دربار میں شام روانہ کرنا تھا۔ عمر بن سعد نے امام حسین علیہ السلام کا سَر اطہر، خولی بن یزید اور حمید بن مسلم کے ہاتھوں ابن زیاد کے پاس بھجوایا۔[2] مفضل بن عمر نے امام صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ جب امام علیہ السلام کا سَر کوفہ لے جا رہے تھے تو راستے میں انہوں نے سَر مبارک کو ایک بلند مقام پر رکھا۔ ایک دن امام جعفر صادق علیہ السلام نجف کے راستے سے عبور کر رہے تھے۔ جب ایک ناہموار اور ڈھلوان جگہ پر پہنچے تو دو رکعت نماز پڑھی۔ امام علیہ السلام سے پوچھا گیا: یہ کون سی نماز تھی؟ فرمایا: یہ وہ مقام ہے جہاں میرے جد امجد حسین بن علی صلوات اللہ علیہ کا سَر مبارک، کوفہ لے جاتے ہوئے رکھا گیا تھا اور پھر عبید اللہ ابن زیاد لعنۃ اللہ علیہ کے پاس لے گئے تھے۔[3]

شہدا کے سرہائے مبارک کو قبائل میں تقسیم کرنا

عمر بن سعد نے حکم دیا کہ دوسرے شہدا کے سروں کو بھی ساتھ لے جائیں اور پھر قبائل میں تقسیم کر دیں تاکہ وہ، اس طرح ابن زیاد اور یزید کا قرب حاصل کر سکیں۔[4] انہوں بقیہ بہتر (۷۲) شہدا کے سر قلم

۱۔ سید بن طاووس، اقبال الاعمال، ج ۳، ص ۸۹۔

۲۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۱۱؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۶۵؛ سید بن طاووس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۸۹۔

۳۔ محمد بن مکی عاملی شہید اول، المزار، ص ۳۲، ۳۳۔

۴۔ سید بن طاووس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۹۰۔

کیے اور شمر بن ذی الجوشن، قیس بن اشعث، عمرو بن حجاج اور عزرہ بن قیس بن کے ذریعے ابن زیاد کے پاس بھجوادیئے۔[۱]گیارہ محرم کو شہدا کے سر کوفہ بھیجے گئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ روایت میں صرف ان لوگوں کے نام ذکر کیے گئے ہیں جن کی کمان میں شہدا کے سر کوفہ بھیجے گئے تھے؛ پس یہ روایت بعد والی روایت کے منافی نہیں ہے جس میں سروں کی قبائل میں تقسیم کے بارے بات کی گئی ہے۔ اس روایت کے مطابق سرہائے شہدا کو مندرجہ ذیل ترتیب کے ساتھ قبائل میں تقسیم کیا گیا:

قبیلہ کندہ نے قیس بن اشعث کی سرپرستی میں تیرہ سَر؛قبیلہ ہوازِن نے شمر کی سرپرستی میں بیس سَر؛ قبیلہ بنی تمیم نے سترہ سَر؛ قبیلہ بنی اسد نے چھ سَر؛ قبیلہ مَذحِج نے سات سَر؛ اور باقی فوج نے سات سَر اٹھائے ہوئے تھے۔[۲]

لیکن ابو حنیفہ دینوری نے سروں کی تعداد اور قبائل میں تقسیم کی کیفیت یوں بیان کی ہے:

قبیلہ ہوازِن نے ۲۲ سر؛ تمیم نے حصین بن نمیر کی سرپرستی میں سترہ سر؛ قبیلہ کندہ نے قیس بن اشعث کی سرپرستی میں تیرہ سَر؛ بنی اسد نے ہلال اعور کی سرپرستی میں چھ سَر؛ قبیلہ ازد نے عَیہمہ بن زُھیر کی سرپرستی میں پانچ سَر؛ قبیلہ ثقیف نے ولید بن عمرو کی سرپرستی میں بارہ سَر اٹھائے۔ یہ کل ۷۵ سَر بنتے ہیں۔[۳]

سید بن طاووس نے اس بارے لکھا ہے:

۱۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۱۲؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۵۶؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۱۱۳؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۳۹؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۸۴؛ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۱۸۹۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵ ص ۴۶۸۔

۳۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۸۳۔

قبیلہ کندہ نے قیس بن اشعث کی سرپرستی میں تیرہ سَر؛ ہوازن نے شمر کی سرپرستی میں بارہ سَر؛ بنی تمیم نے سترہ؛ بنی اسد نے سولہ؛ مذحج نے سات اور باقی سپاہیوں نے تیرہ سَر اٹھائے ہوئے تھے۔ یہ سب ۷۸ سَر بنتے ہیں۔[۱]

سَرہائے شہدا کو کوفہ بھجوانا

شہدائے کربلا کے سَر، کب ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیجے گئے؟ اس میں مورخین اور مقتل لکھنے والوں میں اختلاف ہے۔ بلاذری، دینوری، طبری اور خوارزمی کا خیال ہے کہ شہدا کے سَر گیارہ محرم کو اسیرانِ اہل بیت علیہم السلام کے ہمراہ کوفہ بھیجے گئے۔[۲] شیخ مفید اور طبرسی کہتے ہیں کہ دیگر شہدا کے سَر، روز عاشورہ کو ہی کوفہ بھیج دیئے گئے تھے۔[۳]

چونکہ عمر بن سعد اپنی کامیابی کو چار چاند لگانا چاہتا تھا، لہذا یہ بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اس نے شہدا کے سَروں کو اسیرانِ اہل بیت علیہم السلام اور اپنی فوج کے ہمراہ کوفہ بھجوایا ہو۔

خاندانِ امام حسین علیہ السلام قتل گاہ میں

روز عاشورہ کا ایک دل خراش واقعہ، خاندانِ عصمت و طہارت کا قتل گاہ سے گزرنا اور امام حسین علیہ السلام اور شہدا کے پارہ پارہ لاشوں کو دیکھنا تھا۔ مقاتل میں لکھا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام نے بڑے اصرار کے ساتھ دشمن کو کہا کہ انہیں قتل گاہ لے جایا جائے۔[۴]

۱۔ سید بن طاووس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۹۰؛ محمد بن ابی طالب حسینی موسوی حائری، تسلیۃ المُجالس وزینۃ المَجالس، ج ۲، ص ۳۳۱، ۳۳۲۔

۲۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۱۱، ۴۱۲؛ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۸۳؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۴۵، ۴۴۶؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۳۹۔

۳۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۱۳؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص ۲۴۶۔

۴۔ سید بن طاووس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۸۰۔

جونہی سید زادیوں کی نگاہ شہدا پڑی تو انہوں نے دردناک بین کیے اور منہ پر ماتم کرنے لگیں۔ راوی کہتا ہے: اللہ کی قسم، میں نہیں بھولتا کہ جناب زینب عالیہ علیہا السلام نے امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرتے ہوئے غم انگیز اور دردناک مرثیہ پڑھا:

وَا مُحَمَّدَاه، صَلّٰی عَلَيْكَ مَلِيْكُ السَّمَاءِ، هٰذَا حُسَيْنٌ بِالْعَرَاءِ، مَرَمَّلٌ بِالدِّمَاءِ، مُقَطَّعُ الْاَعْضَاءِ وَاثُكْلَاه وَبَنَاتُكَ سَبَايَا، اِلَى اللهِ الْمُشْتَكٰى وَاِلٰى مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰى وَاِلٰى عَلِيٍّ الْمُرْتَضٰى وَاِلٰى فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ وَاِلٰى حَمْزَةَ سَيِّدِ الشُّهَدَاءِ. وَا مُحَمَّدَاه، وَهٰذَا حُسَيْنٌ بِالْعَرَاءِ تَسْفِيْ عَلَيْهِ رِيْحُ الصَّبَاءِ، قَتِيْلُ اَوْلَادِ الْبَغَايَا. وَا حُزْنَاه، وَا كُرْبَاه عَلَيْكَ يَا اَبَا عَبْدِ اللهِ، اَلْيَوْمَ مَاتَ جَدِّيْ رَسُوْلُ اللهِ. يَا اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ، هٰؤُلَاءِ ذُرِّيَّةُ الْمُصْطَفٰى يُسَاقُوْنَ سَوْقَ السَّبَايَا[1]

ہائے محمد! آپ پر آسمان کے ملائکہ درود بھیجیں، یہ حسین ہیں جو صحرائے کربلا کی خاک پر خون میں غلطاں پڑے ہیں، اور ان کے اعضائے بدن، جدا ہو چکے ہیں۔ ہائے مصیبت، آپ کی بیٹیاں قید ہو چکی ہیں۔ میں اللہ، محمد مصطفی، فاطمہ زہراء اور حمزہ سید الشہدا کی بارگاہ میں شکایت کروں گی۔ وا محمداہ! حسین خاک کربلا پر عریان پڑے ہیں اور اس بیابان کی خاک نے ان کے بدن کو ڈھانپ رکھا ہے۔ یہ حسین، ان حرام زادوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے ہیں۔ ہائے اباعبد اللہ! تیری شہادت کا غم کتنا عظیم ہے! گویا نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ دنیا سے آج رخصت ہوئے ہیں۔ اے اصحاب محمد! یہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ کی ذریت ہے جنہیں قیدی بنا کر لے جا رہے ہیں۔

اس مرثیہ نے پتھروں اور پہاڑوں کی مانند سخت دلوں کو پانی پانی کر دیا۔[2] راوی کہتا ہے: اللہ کی قسم؛ جناب زینب علیہا السلام کے گریہ نے، دوست و دشمن سب کو رونے پر مجبور کر دیا۔ روایت میں ہے کہ حضرت

۱۔ سید بن طاووس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۸۰، ۱۸۱۔

۲۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۷۷۔

سکینہ علیہا السلام نے اپنے بابا کے بدن اطہر کو گود میں لیا۔ کچھ سنگ دل بے رحم ظالموں نے بی بی کو بدن اطہر سے جدا کر دیا۔[1]

شہدا کی تدفین

عمر بن سعد نے لشکر کے ہمراہ اپنے مُردوں کو دفن کیا اور کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ غاضریہ کے رہائشی قبیلہ بنی اسد والے، امام علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کی شہادت کے ایک دن بعد کربلا آئے اور امام اور اصحاب پر نماز جنازہ پڑھی اور انہیں دفن کیا۔ شہدا کو دفن کرنے کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

جب عمر بن سعد کربلا سے چلا گیا تو بنی اسد کا قبیلہ جو غاضریہ میں ساکن تھا، آیا اور امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب پر نماز جنازہ پڑھی اور امام حسین علیہ السلام کے جسد پاک کو اسی جگہ دفن کیا جہاں آج قبر ہے۔ آپ کے فرزند ارجمند حضرت علی اکبر علیہ السلام کو آپ کے پیروں کی جانب سپرد خاک کیا۔[2] شہدائے اہل بیت علیہم السلام اور اصحاب کو، جن کے جنازے امام علیہ السلام کے ارد گرد پڑے تھے، ایک گڑھے میں اکھٹا دفن کر دیا۔ حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کو وہاں دفن کیا، جہاں وہ شہید ہوئے تھے؛ یعنی غاضریہ کے راستے پر، اور جہاں آج قبر موجود ہے۔[3] عماد الدین طبری کہتے ہیں: بنی اسد، عرب قبائل پر فخر کرتے تھے کہ ہم نے حسین علیہ السلام پر نماز جنازہ پڑھی اور انہیں اصحاب سمیت دفن کیا۔[4]

۱۔ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۸۱۔

۲۔ ابن قولویہ نے حضرت علی اکبر کی زیادت میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے: ثم صر الی قبر علی بن الحسین فھو عند رجلَی الحسین بن علی... (کامل الزیارات، ص ۴۱۵)

۳۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۱۴؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص ۲۴۶؛ عماد الدین طبری، کامل بہائی، ج ۲، ص ۲۸۷۔

۴۔ عماد الدین طبری، کامل بہائی، ج ۲، ص ۲۸۷، ۲۸۸۔

سبط بن جوزی لکھتے ہیں: [امام علیہ السلام کو دفن کرتے وقت] لوگوں نے دیکھا کہ امام علیہ السلام کی پشت پر کالے داغ تھے؛ اس کی وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ امام علیہ السلام، رات کے وقت اپنی پشت پر طعام اٹھا کر فقرائے مدینہ تک پہنچاتے تھے۔[1]

شیخ مفید نے مزید لکھا ہے:

تمام شہداء، امام حسین علیہ السلام کے پیروں کی جانب دفن ہیں۔ ان کے لیے ایک گڑھا (بڑی قبر) کھودی گئی اور ان سب کو اس میں دفن کر دیا، سوائے حضرت عباس علیہ السلام کے، ان کو ان کی قتل گاہ میں ایک بلند مقام پر غاضریہ کے راستے میں دفن کیا اور آپ علیہ السلام کی قبر واضح ہے۔ ان کے بھائیوں اور خاندان جن کے ہم نے نام ذکر کیے ہیں، کی قبروں کا کوئی نام ونشان نہیں ہے... کہا جاتا ہے کہ حضرت علی اکبر علیہ السلام کا مدفن، امام حسین علیہ السلام کے قریب ہے؛ لیکن امام حسین علیہ السلام کے رکاب میں شہید ہونے والے اصحاب، آپ کے ارد گرد دفن ہیں اور ان کی قبریں تفصیل کے ساتھ معلوم نہیں ہیں، البتہ اس میں شک نہیں ہے کہ اصحاب، حائر حسینی میں ہی دفن ہیں۔

بعض روایات بتاتی ہیں کہ دفن کے وقت امام حسین علیہ السلام کے جسد اطہر کو ایک بوریا کے اوپر رکھا گیا، جیسا کہ متوکل کے زمانے میں امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک کو ویران کرنے کی ذمہ داری نبھانے والے شخص "ابراہیم دیزج" کا کہنا ہے: جب ہم نے نبش قبر کی تو دیکھا کہ ایک تر و تازہ بوریا کے اوپر امام علیہ السلام کا بدن مبارک موجود ہے۔[2] اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا بدن، تیروں، تلواروں، نیزوں، اور سُم اسپاں کے ساتھ پامال ہونے کے بعد اٹھانے کے قابل نہ تھا۔

۱۔ تذکرۃ الخواص، ج ۲، ص ۱۷۰؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۷۳۔

۲۔ شیخ طوسی، الامالی، ص ۳۲۶، ح ۶۵۳۔

روایات میں واضح طور پر آیا ہے کہ امام کے غسل، کفن اور دفن کے امور صرف امام ہی انجام دیتا ہے۔[1] اس بنا پر امام سجادؑ نے اپنے والد بزرگوار کو خود دفن کیا ہے، جیسا کہ علامہ مجلسی، شیخ مفید سے راویت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ظاہری طور پر یہی تھا، لیکن حقیقت میں امام کو، امام کے علاوہ کوئی اور دفن نہیں کرتا۔ امام زین العابدینؑ اعجازِ امامت کے ساتھ آئے اور امام حسینؑ کے جسد اطہر، بلکہ دوسرے شہدا کو بھی دفن کیا۔[2] جیسا کہ امام رضاؑ نے طوس (مشہد) میں جام شہادت نوش فرمایا اور امام محمد تقیؑ قدرتِ الٰہی کے ذریعہ مدینہ سے طوس تشریف لائے اور امام رضاؑ کو خود غسل و کفن دیا۔[3]

البتہ کسی معتبر روایت میں موجود نہیں ہے کہ دوسرے شہدا کو امام سجادؑ نے دفن کیا ہو۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ بعض روایات کی بنا پر صرف امام حسینؑ کو امام سجادؑ نے دفن کیا ہے۔

حُر بن یزید کی قبر

مرحوم شہید اول، زیارتِ امام حسینؑ کے ثواب کے ضمن میں لکھتے ہیں: جب امام حسینؑ کی زیارت کرو تو ان کے فرزند حضرت علی اکبرؑ، شہدا، آپ کے بھائی حضرت عباسؑ اور حر بن یزید کی زیارت بھی کرو۔[4]

شہید اول نے حُر کا تذکرہ الگ سے حضرت عباسؑ کے ساتھ کیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ آٹھویں صدی میں قبر حُر کے نام سے ایک مقام موجود تھا اور شہید اول نے اس بات کو قبول کیا ہے۔[5]

۱۔ علی بن حسن مسعودی، اثبات الوصیۃ، ص ۲۰۷، ۲۰۸؛ شیخ طوسی، اختیار معرفۃ الرجال، ج ۲، ص ۴۶۴، ۴۶۳؛ شیخ صدوق، عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۲۷۶؛ طبری، دلائل الامامۃ، ص ۱۶۳؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۲۷، ص ۲۸۸ تا ۲۹۱۔

۲۔ مجلسی، جلاء العیون، ص ۳۸۰۔

۳۔ علی بن عیسی اربلی، کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ، ج ۳، ص ۱۶۸۔

۴۔ شمس الدین محمد بن مکی عاملی (شہید اول)، الدروس الشرعیہ فی فقہ الامامیہ، ج ۲، ص ۱۱۔

۵۔ محدث نوری نے بھی شہید اول کی بات اعتماد کرتے ہوئے حُر کی جداگانہ قبر کو قبول کیا ہے۔ (لؤلؤ و مرجان، ص ۱۰۲)۔

تکمیل ترجمہ و تلخیص جلد اول:

جمعۃ المبارک، ۱۵ جمادی الثانی، ۱۴۳۷ ہجری، ۲۵ مارچ ۲۰۱۶ عیسوی ۱۰:۲۹ بجے صبح

بمقام: قم المقدس

دوسری فصل

اہل بیت علیہم السلام کوفہ میں

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ سعد بن ابی وقاص نے دوسرے خلیفہ عمر بن خطاب کے حکم سے سترہ ہجری میں کوفہ کی بنیاد رکھی۔ اس علاقہ کو شروع میں اسلامی مملکت کے مشرقی خطے یعنی ایران کو کنٹرول کرنے کی غرض سے فوجی چھاونی کے طور پر بنایا گیا۔[1] آہستہ آہستہ یہ ایک شہر کی شکل اختیار کر گیا جہاں اسلامی لشکر رہنے لگا اور یہاں سے تیار ہو کر جنگ کے لیے جاتا تھا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی خلافت کے آغاز میں، جنگ جمل کے بعد سیاسی اور فوجی مسائل کی وجہ سے اسلامی مملکت کا دار لخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل کر دیا اور خود بھی آخری عمر تک یہاں رہے۔ ان چار سال اور چند ماہ میں کوفہ کے لوگ امیر المومنین علیہ السلام کے خاندان کی خوشی اور غمی میں شریک رہتے اور ان کو اچھی طرح پہچانتے تھے۔ اسی لیے جب اکسٹھ ہجری کو اہل بیت علیہم السلام اسیر ہو کر اس شہر میں داخل ہوئے تو اُس وقت جن لوگوں کی عمر تیس سال تھی، ممکن ہے انہوں نے پوچھا ہو کہ رسول خدا کے برحق جانشین کے خاندان کے ساتھ یہ ظالمانہ سلوک کیوں ہوا؟ جس کے بابا علی ہمارے خلیفہ اور عدالت اور تقوی کا مظہر تھے؛ کیونکہ ابھی تک امیر المومنین کی حکومت کو بیس سال سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اور لوگوں کے ذہنوں میں وہ حسین لمحات موجود تھے۔ البتہ ایسا ہی ہوا؛ چنانچہ جب اہل بیت علیہم السلام کا قیدی قافلہ کوفہ میں داخل ہوا تو کوفیوں نے ان کی مظلومیت پر گریہ وزاری کی، اور دل خراش فریادیں کیں۔

ہم اس فصل میں قدیمی اور بنیادی کتب پر بھروسہ کرتے ہوئے، اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ کوفہ میں پیش آنے والے واقعات کا تذکرہ کریں گے تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ اہل بیت علیہم السلام نے امام حسین علیہ السلام کے مشن کو کس طرح آگے بڑھایا۔

---

[1] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۴، ص ۴۰، ۴۱۔

امام حسینؑ کا سر خولی کے گھر میں

واقعہ عاشورہ کے بعد سب سے پہلے امام حسینؑ کا سر کوفہ لایا گیا۔ عاشورہ کی عصر کو عمر سعد نے اپنے دو افراد خَولی اور حُمَید بن مسلم ازدی کی ذمہ داری لگائی کہ امامؑ کا سر کوفہ لے جائیں۔ جب وہ، سر مبارک لے کر کوفہ میں ابن زیاد کے قصر پہنچے تو قصر کا دروازہ بند تھا۔ لہٰذا خولی، امام کے سر کو اپنے گھر لے گیا اور ایک دیگ کے نیچے چھپا دیا۔ اس کی دو بیویاں تھی، ایک قبیلہ بنی اسد اور دوسری حضرمی یعنی یمنی تھی جس کا نام نَوّار بنت مالک بن بہار بن عقرب حضرمی تھا، اور خولی اس رات نَوّار کے گھر میں ہی تھا۔

نوار کہتی ہے:

خولی نے سر مبارک کو دیگ کے نیچے رکھا اور سونے کے لیے گھر کے اندر داخل ہوا۔ میں نے اسے کہا: کیا ہوا؟ کہا: تیرے لیے ایک ایسی چیز لے آیا ہوں جس سے تو دنیا کی ہر شئ سے بے نیاز ہو جائے گی۔ ہمارے گھر میں حسین کا سر ہے۔ میں نے کہا: افسوس ہو تجھ پر لوگ سفر پر جاتے ہیں تو سونا اور چاندی لے کر آتے اور تو فرزند رسول کا سر لے آیا ہے ؟! اللہ کی قسم؛ آج کے بعد تمہارے ساتھ ایک بستر پر نہیں رہوں گی۔ نوار کہتی ہے: پھر میں دوسری بیوی کے پاس چلی گئی۔ اس کو بھی سر مبارک کے پاس بلا لائی اور ہم وہاں بیٹھ گئیں۔ ہم نے دیکھا کہ سر سے نور کا ایک مینار بلند ہو رہا ہے جو آسمان کی طرف جا رہا ہے او رسفید پرندے سر کے ارد گرد گھوم رہے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو خولی، سر کو ابن زیاد کے پاس لے گیا۔[1]

اسیرانِ کربلا کی کوفہ کی طرف روانگی

گیارہ محرم کو عمر بن سعد کے لشکر نے اپنے لاشوں کو دفن کیا۔ اسی دن ظہر کے بعد اہل بیتؑ کے باقی ماندہ افراد کو قیدی کیا۔ اہل بیت کے لیے اپنے عزیزوں کے لاشوں کو کربلا کی خاک پر بکھرا ہوا چھوڑ کر

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۵۵؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۱۰۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۱۱؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۶۷۔

جانا بہت مشکل تھا اور اس سے زیادہ ثانی زہراء حضرت زینب علیہا السلام کے لیے اُس کوفہ میں جانا مشکل تھا جہاں آپ کے بابا حاکم اور آپ شہزادی تھیں اور جہاں آپ نے اپنے بابا کے خطبے سنے تھے۔

پھر عمر بن سعد نے حُمید بن بکیر کو حکم دیا کہ لشکر میں کوچ کا نقارہ بجایا جائے۔ وہ خاندانِ حسین علیہ السلام کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گئے۔ اس وقت امام سجاد علیہ السلام مریض تھے۔[1]

دشمن کا ایک سپاہی قُرّہ بن قیس تمیمی کہتا ہے:

میں نے دیکھا کہ (اہل بیت کی) خواتین، امام حسین علیہ السلام، آپ کے بیٹوں اور اصحاب کے جنازوں کے پاس سے گزر رہی تھیں۔ ان کی فریادیں بلند ہو رہی تھیں اور وہ اپنے منہ پر ماتم کر رہی تھیں۔ میں جتنی کوشش کروں زینب بنت فاطمہ کے یہ بین نہیں بھلا سکتا، جب اپنے بھائی حسین کے لاشے سے گزری تو فریاد کر رہی تھی:

يَامُحَمَّدَاهُ، يَامُحَمَّدَاهُ ، صَلّٰى عَلَيْكَ مَلَائِكَةُ السَّمَاءِ، هٰذَا الْحُسَيْنُ مُرَمَّل بِالدِّمَاءِ، مُقَطَّعُ الْاَعْضَاءِ، يَامُحَمَّدَاهُ ، وَ بَنَاتُكَ سَبَايَا وَ ذُرِيَّتُكَ مَقَتَّلَةٌ تَسْفِيْ عَلَيْهَا الصَّبَا۔

ہائے محمد! ہائے محمد! آپ پر آسمان کے ملائکہ کا درود ہو۔ یہ حسین خون میں لت پت ہے، اس کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ آپ کی بیٹیاں قیدی ہو گئی ہیں اور بیٹے شہید ہو گئے ہیں۔ بادِ صبا ان پر خاک ڈال رہی ہے۔

اللہ کی قسم! زینب نے دوست و دشمن کو رونے پر مجبور کر دیا۔[2]

---

[1] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۵۵؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۱۴۔

[2] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۵۵، ۴۵۶؛ ابن جوزی، الرد علی المتعصب العنید، تحقیق محمد کاظم محمودی، ص ۴۰؛ سبط جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۲۵۶؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۸، ص ۲۱۰۔

قیدیوں کے ساتھ دشمن کا سلوک

اگرچہ کسی تاریخی کتاب میں تفصیل کے ساتھ ذکر نہیں ہوا کہ عمر بن سعد کے فوجیوں نے اسیرانِ اہل بیت کے ساتھ کیا سلوک کیا؛ لیکن اجمالی اور مختصر طور پر ضرور بیان ہوا ہے، جس سے بنی امیہ کی بنی ہاشم کے ساتھ دشمنی واضح ہوتی ہے۔

روایت کے مطابق رسول خداؐ کے پردہ داروں کو بے پلان اونٹوں پر سوار کر کے کوفہ لایا گیا۔ لوگ ان کو دیکھ کر گریہ کرتے تھے۔ امام سجادؑ اس وقت مریض تھے، طوق اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے اور اونٹ پر سوار تھے اور بیماری کی وجہ سے نڈھال تھے۔[1]

حذلم بن سُتَیر کہتا ہے: میں اکسٹھ ہجری کو کوفہ میں تھا۔ میں دیکھا کہ قیدیوں کو بے پلان اونٹوں پر سوار کر کے شہر میں لایا گیا۔ ان کے ارد گرد ابن زیاد کے سپاہی چل رہے تھے۔ ان کو دیکھنے کے لیے لوگ گھروں سے نکلے۔ کوفی عورتیں ان پر گریہ کر رہی تھیں۔ علی بن حسین کی گردن میں طوق[2] تھا اور آپ کے ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔[3]

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ اہل بیت کی مستورات برہنہ اونٹوں پر سوار تھیں۔[4]

ان روایات کے مقابلے میں کچھ مؤرخین نے لکھا ہے کہ سپاہیوں نے اہل بیت کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔ چنانچہ بلاذری اور طبری کہتے ہیں: حسین بن علی کی مخدرات اور بیٹیوں کے ساتھ ابن زیاد نے بہترین سلوک کیا اور حکم دیا کہ ان کو علیحدہ مکان میں ٹھہرایا جائے، ان کے لیے کھانے اور لباس کا انتظام کیا جائے

---

[1]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۱۲۰، ۱۲۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۴۰۔

[2]۔ کتاب میں "غُل جامعہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہ ایسا طوق اور زنجیر ہوتا ہے جس کے ساتھ گردن، ہاتھ اور دونوں پاؤں باندھے جاتے ہیں۔ (علی اکبر دہخدا، لغت نامہ، ج ۱۰، ص ۱۴۷۹۴)

[3]۔ شیخ مفید، الامالی، ص ۳۲۱، مجلس ۳۸؛ شیخ طوسی، الامالی، ص ۹۱۔

[4]۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج ۱۵، ص ۲۳۶۔

اور انہیں خرچ دیا جائے۔[1] ابن کثیر نے لکھا ہے: قیدی جب کوفہ میں داخل ہوئے تو ابن زیاد نے ان کا استقبال کیا اور حکم دیا کہ ان کو خرچ، لباس وغیرہ دیئے جائیں۔[2]

ان روایات کو کسی صورت میں قبول نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ سب سے پہلے تو یہ روایات کم اور ان کے مقابلے میں دوسری روایات زیادہ ہیں۔ دوسرے یہ ممکن نہیں ہے کہ جن خونخواروں نے میدانِ کربلا میں امام حسینؑ کے خاندان اور اصحاب پر ظلم ڈھائے اور اہل بیتؑ کے خیام جلا دیے اور قیمتی سامان اور لباس لوٹ لیے، اب وہ کوفہ میں اہل بیت کا احترام کریں؟!

اسیروں کا کوفہ میں داخلہ

تاریخ میں واضح طور پر ذکر نہیں ہوا کہ اسیرانِ اہل بیتؑ کوفہ میں کب داخل ہوئے۔ صرف اتنا ملتا ہے کہ عمر سعد، اسیرانِ اہل بیت کا قافلہ لے کر، گیارہ محرم کو ظہر کے بعد، کربلا سے کوفہ روانہ ہوا۔[3] ایک جانب کربلا سے کوفہ کا فاصلہ اسی کلومیٹر ہے، کاروان کی رفتار کم تھی اور راستے میں رات بھی ہو چکی تھی اور دوسری طرف ابن زیاد چاہتا تھا کہ اپنی کامیابی کے مناظر لوگوں کو دکھائے، لہٰذا قافلے نے راستے میں رات گزاری اور بارہ محرم کی صبح کو کوفہ میں داخل ہوا۔

اسیرانِ اہل بیتؑ کو دیکھ کر کوفیوں کا ردعمل

کوفہ شہر کئی مہینوں سے سیاسی مسائل کا شکار تھا۔ ابھی تک حضرت مسلم کے قیام اور امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا؛ اب کوفیوں کو خبر ملی کہ اس جنگ میں یزید کو فتح حاصل ہوئی اور اس کے فوجی، قیدیوں کو لے کر کوفہ آ رہے ہیں۔ لوگوں نے انہیں دیکھنے کے لیے شہر کے دروازوں پر ہجوم کر رکھا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ خاندانِ رسالت کی حالت اتنی ناگوار تھی کہ کوفہ کی ایک عورت نے حیران ہو

---

[1] ۔ طبری تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۹۳؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۲۴۔

[2] ۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۸، ص۲۱۰۔

[3] ۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۱۴؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۱۱؛ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۸۳؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۳۹۔

کر پوچھا کہ تم کون سے قیدی ہو؟ قیدیوں نے جواب دیا: ہم حضرت محمد ﷺ کے خاندان سے ہیں۔ وہ چھت سے نیچے اتری اور کچھ مناسب لباس لے آئی اور انہیں دیے۔[1]

قیدیوں کو دیکھنے کے لیے کوفی جمع ہوئے اور وہ رو رہے تھے۔ امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: تم کیوں روتے ہو؟ پس ہمیں کس نے شہید کیا ہے؟[2]

کوفہ میں اہل بیت علیہم السلام کے خطبے

امویوں کے ناپاک کردار کو ظاہر کرنے اور کوفیوں کے سوئے ہوئے ضمیروں کو جگانے کے لیے اہل بیت علیہم السلام نے خطبے دیئے۔ ان خطبوں نے ایسا اثر دیکھایا کہ اسی مجمع، میں لوگوں نے اپنے برے فعل پر پشیمانی کا اظہار کیا اور امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت پر رونے لگے۔

حضرت زینب کبریٰ علیہا السلام کا خطبہ

اگرچہ حضرت زینب علیہا السلام کے لیے ایسے حالات میں خطبہ دینا بہت مشکل تھا جب آپ اپنے خاندان پر ڈھائے جانے والے مظالم کو دیکھ چکی تھیں، سفر کی تھکن آپ پر طاری تھی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اُن نامحرموں کا مجمع تھا جنھوں نے آپ کے بھائی اور رشتہ داروں کے خون کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو رنگین کیا تھا؛ لیکن اس کے باوجود بی بی نے اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے خطبے دیے۔ اگر آپ خطبے نہ دیتیں تو بھائی حسین کے قیام کا مقصد چھپ جاتا۔ بی بی نے ان خطبات کے ذریعہ لوگوں کو قیام حسینی کے مقصد سے آگاہ اور حکومتِ یزید کے مظالم کو فاش کیا۔

ابن ابی طیفور نے حَذلَم سے نقل کیا ہے:

[1] ۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۸۵؛ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۹۰۔

[2] ۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، ش ۲، ۱۴۰۶ ہجری، ص ۱۵۷۔

اس دن میں نے زینب بنت علیؑ کو دیکھا۔ میں نے آپ سے بڑھ کر کوئی فصیح عورت نہیں دیکھی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے امیر المومنین علیؑ خطبہ دے رہے ہوں۔ آپ نے لوگوں کو خاموش کرنے کے لیے اشارہ کیا۔ اچانک آوازیں بند ہو گئیں اور اونٹوں کے گلے کی گھنٹیاں رک گئیں۔ پھر آپ نے خطبہ دیا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ صَلَوَاتُه عَلىٰ أَبِى مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللهِ وَ عَلىٰ آلِهِ الطَّاهِرِينَ الأَخْيَارِ، أَمَّا بَعْدُ، يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ يَا أَهْلَ الْخَتْلِ وَالْغَدْرِ وَالْخَذْلِ أَلَا فَلَا رَقَأَتِ الْعَبْرَةُ وَلَا هَدَأَتِ الزَّفْرَةُ إِنَّمَا مَثَلُكُمْ "**كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ**"[1] هَلْ فِيكُمْ إِلَّا الصَّلَفُ وَالْعُجْبُ وَالشَّنَفُ وَالْكَذِبُ وَمَلَقُ الْإِمَاءِ وَغَمْزُ الْأَعْدَاءِ أَوْ كَمَرْعًى عَلَى دِمْنَةٍ أَوْ كَفِضَّةٍ عَلَى مَلْحُودَةٍ أَلَا بِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَنْ سَخِطَ اللهُ عَلَيْكُمْ وَفِي الْعَذَابِ أَنْتُمْ خَالِدُونَ أَتَبْكُونَ أَخِي! أَجَلْ، وَاللهِ فَابْكُوا فَإِنَّكُمْ أَحْرَى بِالْبُكَاءِ فَابْكُوا كَثِيراً وَاضْحَكُوا قَلِيلًا فَقَدْ أَبْلَيْتُمْ بِعَارِهَا وَمَنَيْتُمْ بِشَنَارِهَا وَلَنْ تَرْحَضُوهَا أَبَداً وَأَنَّى تَرْحَضُونَ قَتْلَ سَلِيلِ خَاتَمِ النُّبُوَّةِ وَمَعْدِنِ الرِّسَالَةِ وَسَيِّدُ شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَلَاذُ حَرْبِكُمْ وَمَعَاذُ حِزْبِكُمْ وَمَقَرُّ سِلْمِكُمْ وَآسِى كَلْمِكُمْ وَمَفْزَعُ نَازِلَتِكُمْ وَالْمَرْجِعُ إِلَيْهِ عِنْدَ مُقَاتَلَتِكُمْ۔ وَمَدَرَةُ حُجَجِكُمْ وَمَنَارُ مَحَجَّتِكُمْ أَلَا سَاءَ مَا قَدَّمَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ وَسَاءَ مَا تَزِرُونَ لِيَوْمِ بَعْثِكُمْ فَتَعْساً تَعْساً وَنَكْساً نُكْساً لَقَدْ خَابَ السَّعْيُ وَتَبَّتِ الْأَيْدِي وَخَسِرَتِ الصَّفْقَةُ وَبُؤْتُمْ بِغَضَبٍ مِنَ اللهِ ﴿**وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ**﴾[2] أَتَدْرُونَ وَيْلَكُمْ أَيَّ كَبِدٍ لِمُحَمَّدٍ ص فَرَثْتُمْ وَأَيَّ عَهْدٍ نَكَثْتُمْ وَأَيَّ كَرِيمَةٍ لَهُ أَبْرَزْتُمْ وَأَيَّ حُرْمَةٍ لَهُ هَتَكْتُمْ وَأَيَّ دَمٍ لَهُ سَفَكْتُمْ ﴿**لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئاً إِدًّا۔ تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَ**

---

[1] نحل، ۹۲۔

[2] بقرہ، ۶۱۔

تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدّاً[1] ﴾ لقد جئتم بها شوهاء صلعاء عنقاء سوداء فقماء خرقاء كطلاع الأرض أو ملء السماء أَفَعَجِبْتُمْ أَنْ تُمْطِرَ السَّمَاءُ دَماً ﴿وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَى وَهُمْ لَا يُنْصَرُونَ[2] ﴾ فَلَا يَسْتَخِفَّنَّكُمُ الْمَهَلُ فَإِنَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَحْفِزُهُ الْبِدَارُ وَلَا يُخْشَى عَلَيْهِ فَوْتُ النَّارِ كَلَّا إِنَّ رَبَّكَ لَنَا وَلَهُمْ لَبِالْمِرْصَادِ۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ میرے نانا رسول خدا محمدؐ اور ان کی آل پاک پر درود و سلام ہو۔

اما بعد! اے اہل کوفہ، اے دھوکہ باز، اے بے وفاء، تمہارے آنسوں کبھی خشک نہیں ہوں گے اور تمہارا گریہ کبھی رکے گا نہیں۔ تم " اس عورت کے مانند نہ ہو جاؤ جس نے اپنے دھاگہ کو مضبوط کاتنے کے بعد پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ کیا تم اپنے معاہدے کو اس چالاکی کا ذریعہ بناتے ہو کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرے "خبر دار! تمہارے اندر تکبر، کینہ، کنیزوں جیسی چاپلوسی اور دشمنوں جیسی طعنہ بازی کے سوا کچھ نہیں۔ تمہاری مثال گندگی کے ڈھیر پر اُگی ہوئی گھاس اور دفن شدہ عورتوں کی قبروں پر رکھی ہوئی چاندی جیسی ہے۔ تم نے کیسا بُرا عمل آگے بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر غضبناک ہو گیا ہے اور تم ہمیشہ کے لیے عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ کیا اب تم روتے ہو؟! اللہ کی قسم! گریہ کرو؛ اللہ کی قسم! تم رونے کے لائق ہو۔ ہاں زیادہ گریہ کرو اور کم ہنسو، کیونکہ تم ننگ و عار سے آلودہ ہو جو کبھی تمہارے دامن سے صاف نہیں ہوگا۔ کیسے اس ننگ و عار کو دھویا جا سکتا ہے کہ تم نے فرزند رسول، معدن رسالت،

---

[1] مریم، ۸۹، ۹۰۔

[2] فصلت، ۱۶۔

جوانان جنت کے سردار، مشکلات میں اپنی پناہ گاہ، چراغ ہدایت اور برہان محکم کو شہید کیا ہے؟! ہلاکت ہو تمہارے لیے۔ تمہاری کوشش ناکام اور معاملے میں خسارہ ہوا ہے۔ تم نے اللہ کا تعالیٰ کا غضب پایا ہے اور ذلت تمہارے لیے لکھ دی گئی ہے۔ "یقیناً تم لوگوں نے بڑی سخت بات کہی ہے۔ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ پڑے اور زمین شگافتہ ہو جائے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں" کیا تم جانتے ہو کہ تم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے کس جگر کو پارہ پارہ کیا ہے اور کس پردہ دار کی حرمت پامال کی ہے اور کون سا خون بہایا ہے؟! تم نے بدکار، نادان اور اس حریص عورت جیسا کام کیا ہے جس نے زمین و آسمان کی برائیاں اکھٹی کر رکھی ہیں۔ کیا تم اس بات پر حیران ہو کہ آسمان نے خون کی بارش کیوں برسائی ہے؟" اور آخرت کا عذاب تو زیادہ رسوا کن ہے اور وہاں ان کی کوئی مدد بھی نہیں کی جائے گی" اللہ تعالیٰ کی مہلت تمہیں غفلت میں نہ ڈال دے، کیونکہ تمہارا آگے بڑھنا اللہ تعالیٰ کو برانگیختہ نہیں کر سکتا اور اللہ تعالیٰ کو انتقام لینے سے کوئی خوف نہیں۔ تمہارا پروردگار ہماری اور تمہاری تاک میں ہے"

پھر بی بی نے یہ اشعار پڑھے:

مَا ذَا تَقُولُونَ إِذْ قَالَ النَّبِيّ لَكُمْ ... مَا ذَا صَنَعْتُمْ وَ أَنْتُمْ آخِرَ الْأُمَمِ

کیا جواب دو گے جب پیغمبر علیہما السلام تمہیں کہیں ... تم نے کیا کیا ہے حالانکہ تم آخری امت ہو

بِأَهْلِ بَيْتِي وَ أَوْلَادِي وَ تَكْرِمَتِي ... مِنْهُمْ أُسَارَى وَ مِنْهُمْ ضُرِّجُوا بِدَمِ

میرے اہل بیت، اولاد اور میرے عزیزوں کے ساتھ ... ان میں کچھ قیدی اور کچھ خون میں غلطاں ہوئے

مَا كَانَ ذَاكَ جَزَائِي إِذْ نَصَحْتُ لَكُمْ ... أَنْ تَخْلُفُونِي بِسُوءٍ فِي ذَوِي رَحِمِي

میں نے جو تمہیں نصیحت کی ہے اس کا اجر یہ نہیں تھا ... کہ تم میری ذریت کے ساتھ برا سلوک کرو

إِنِّي لَأَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ يَحُلَّ ... مِثْلُ الْعَذَابِ الَّذِي أَوْدَى

بکُم　　　　علی　　　　إرَمِ

مجھے ڈر ہے کہ تمہیں گھیرلے　　عذاب جیسے قوم عاد پر نازل ہوا تھا

پھر بی بی نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ حَذلم کہتا ہے: میں نے دیکھا کہ لوگ حیران و پریشان تھے۔ انہوں نے اپنی انگلیاں منہ میں دبائی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا اس کی داڑھی پر آنسو جاری تھے اور کہہ رہا تھا:

كُهُولُكُم خَيرُ الكُهُولِ وَ نَسلُكُم　　إذَا عُدَّ نَسلٌ لَا يَبُورُ وَ لَا يَخزى

تمہارے بزرگ سب سے نیک اور تمہاری نسل　　کبھی ہلاک اور ذلیل ہونے والی نہیں

پھر امام سجادؑ نے فرمایا:

يَا عَمَّةُ اُسكُتِي فَفِي الْبَاقِي مِنَ الْمَاضِي اِعْتِبَار وَ أَنْتَ بِحَمْدِ اللهِ عَالِمَةٌ غَيْرُ مُعَلَّمَةٍ فَهِمَةٌ غَيْرُ مُفْهِمَةٍ۔ إِنَّ الْبُكَاءَ وَ الْحَنِينَ لَا يُرَدَّانِ مَنْ قَدْ أَبَادَهُ الدَّهْرُ فَسَكَتَتْ۔[1]

پھوپھی اماں! خاموش ہو جائیں۔ پسماندگان کو مر جانے والوں سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ آپ عالمہ غیر معلمہ اور بغیر پڑھائے سمجھدار ہیں۔ گریہ و بکا چلے جانے والوں کو واپس نہیں پلٹا سکتا۔ پھر حضرت زینبؑ خاموش ہو گئیں۔

حضرت فاطمہ کبریٰؑ کا خطبہ

زید بن موسیٰ بن جعفر اپنے آباؤ اجداد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ (کبریٰ) بنت الحسینؑ کو جب کوفہ لایا گیا تو آپ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

---

[1] الاحتجاج ج: ۲ ص: ۳۰۵

الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَدَدَ الرَّمْلِ والْحَصَى وزِنَةَ الْعَرْشِ إِلَى الثَّرَى. أَحْمَدُهُ، وأُؤْمِنُ بِهِ، وأَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ ورَسُولُهُ (ص)، وأَنَّ أَولادَهُ ذُبِحُوا بِشَطِّ الْفُرَاتِ مِنْ غَيْرِ ذَحْلٍ ولَا تِرَاتٍ. اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَفْتَرِيَ عَلَيْكَ الْكَذِبَ وأَنْ أَقُولَ خِلافَ مَا أَنْزَلْتَ عَلَيْهِ مِنْ أَخْذِ الْعُهُودِ لِوَصِيِّهِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ الْمَسْلُوبِ حَقُّهُ، الْمَقْتُولِ مِنْ غَيْرِ ذَنْبٍ، كَمَا قُتِلَ وَلَدُهُ بِالْأَمْسِ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللهِ، وَبِهَا مَعْشَرٌ مُسْلِمَةٌ بِأَلْسِنَتِهِمْ، تَعْساً لِرُؤُوسِهِمْ، مَا دَفَعَتْ عَنْهُ ضَيْماً فِي حَيَاتِهِ ولَا عِنْدَ مَمَاتِهِ، حَتَّى قَبَضْتَهُ إِلَيْكَ مَحْمُودَ النَّقِيبَةِ، طَيِّبَ الضَّرِيبَةِ، مَعْرُوفَ الْمَنَاقِبِ، مَشْهُورَ الْمَذَاهِبِ، لَمْ تَأْخُذْهُ فِيكَ لَوْمَةُ لَائِمٍ، ولَا عَذْلُ عَاذِلٍ، هَدَيْتَهُ. يَا رَبِّ. لِلْإِسْلَامِ صَغِيراً، وحَمِدْتَ مَنَاقِبَهُ كَبِيراً، ولَمْ يَزَلْ نَاصِحاً لَكَ ولِرَسُولِكَ صَلَوَاتُكَ عَلَيْهِ وآلِهِ حَتَّى قَبَضْتَهُ إِلَيْكَ، زَاهِداً فِي الدُّنْيَا غَيْرَ حَرِيصٍ عَلَيْهَا، رَاغِباً فِي الْآخِرَةِ، مُجَاهِداً لَكَ فِي سَبِيلِكَ، رَضِيْتَهُ فَاخْتَرْتَهُ، وهَدَيْتَهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔

أَمَّا بَعْدُ!

يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ! يَا أَهْلَ الْمَكْرِ والْغَدْرِ والْخُيَلَاءِ! إِنَّا أَهْلُ بَيْتٍ ابْتَلَانَا اللهُ بِكُمْ وابْتَلَاكُمْ بِنَا، فَجَعَلَ بَلَاءَنَا حَسَناً، وجَعَلَ عِلْمَهُ عِنْدَنَا، وفَهْمَهُ لَدَيْنَا؛ فَنَحْنُ عَيْبَةُ عِلْمِهِ ووِعَاءُ فَهْمِهِ وحِكْمَتِهِ وحُجَّتُهُ فِي الْأَرْضِ فِي بِلَادِهِ لِعِبَادِهِ، أَكْرَمَنَا اللهُ بِكَرَامَتِهِ، وفَضَّلَنَا بِنَبِيِّهِ (ص) عَلَى كَثِيرٍ مِنْ خَلْقِهِ تَفْضِيلًا، فَكَذَّبْتُمُونَا، وكَفَّرْتُمُونَا، ورَأَيْتُمْ قِتَالَنَا حَلَالًا، وأَمْوَالَنَا نَهْباً، كَأَنَّا أَوْلَادُ تُرْكٍ أَوْ كَابُلٍ، كَمَا قَتَلْتُمْ جَدَّنَا بِالْأَمْسِ، وسُيُوفُكُمْ تَقْطُرُ مِنْ دِمَائِنَا أَهْلَ الْبَيْتِ لِحِقْدٍ مُتَقَدِّمٍ، قَرَّتْ بِذَلِكَ عُيُونُكُمْ، وفَرِحَتْ قُلُوبُكُمْ، اجْتِرَاءً مِنْكُمْ عَلَى اللهِ، ومَكْراً مَكَرْتُمْ واللهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ، فَلَا تَدْعُوَنَّكُمْ

أَنْفُسُكُمْ إِلَى الْجَذَلِ بِمَا أَصَبْتُمْ مِنْ دِمَائِنَا، وَنَالَتْ أَيْدِيكُمْ مِنْ أَمْوَالِنَا؛ فَإِنَّ مَا أَصَابَنَا مِنَ الْمَصَائِبِ الْجَلِيلَةِ وَالرَّزَايَا الْعَظِيمَةِ، فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ، **"لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ"** تَبّاً لَكُمْ، فَانْتَظِرُوا اللَّعْنَةَ وَالْعَذَابَ، فَكَأَنْ قَدْ حَلَّتْ بِكُمْ، وَتَوَاتَرَتْ مِنَ السَّمَاءِ نَقِمَاتٌ، فَيُسْحِتَكُمْ بِمَا كَسَبْتُمْ، **"وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ"** ثُمَّ تُخَلَّدُونَ فِي الْعَذَابِ الْأَلِيمِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَا ظَلَمْتُمُونَا، **"أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظَّالِمِينَ"** وَيْلَكُمْ! أَتَدْرُونَ أَيَّةَ يَدٍ طَاعَنَتْنَا مِنْكُمْ؟! أَوَأَيَّةَ نَفْسٍ نَزَعَتْ إِلَى قِتَالِنَا؟! أَمْ بِأَيَّةِ رِجْلٍ مَشَيْتُمْ إِلَيْنَا تَبْغُونَ مُحَارَبَتَنَا؟! قَسَتْ قُلُوبُكُمْ، وَغَلُظَتْ أَكْبَادُكُمْ، وَطُبِعَ عَلَى أَفْئِدَتِكُمْ، وَخُتِمَ عَلَى سَمْعِكُمْ وَبَصَرِكُمْ، وَسَوَّلَ لَكُمُ الشَّيْطَانُ وَأَمْلَى لَكُمْ، وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِكُمْ غِشَاوَةً، فَأَنْتُمْ لَا تَهْتَدُونَ۔

تَبّاً لَكُمْ، يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ! كَمْ تِرَاتٍ لِرَسُولِ اللّٰهِ قِبَلَكُمْ وَذُحُولٍ لَهُ لَدَيْكُمْ، ثُمَّ غَدَرْتُمْ بِأَخِيهِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍؑ جَدِّي وَبَنِيهِ عِتْرَةِ النَّبِيِّ الطَّيِّبِينَ الْأَخْيَارِ؟ وَافْتَخَرَ بِذٰلِكَ مُفْتَخِرٌ، فَقَالَ:

نَحْنُ قَتَلْنَا عَلِيّاً وَبَنِي عَلِيٍّ ... بِسُيُوفٍ هِنْدِيَّةٍ وَرِمَاحٍ
وَسَبَيْنَا نِسَاءَهُمْ سَبْيَ تُرْكٍ ... وَنَطَحْنَاهُمْ، فَأَيَّ نِطَاحٍ!

بِفِيكَ أَيُّهَا الْقَائِلُ الْكَثْكَثُ، وَلَكَ الْأَثْلَبُ، اِفْتَخَرْتَ بِقَتْلِ قَوْمٍ زَكَّاهُمُ اللّٰهُ، وَطَهَّرَهُمْ، وَأَذْهَبَ عَنْهُمُ الرِّجْسَ، فَاكْظِمْ، وَأَقْعِ كَمَا أَقْعَى أَبُوكَ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ، حَسَدْتُمُونَا -وَيْلٌ لَكُمْ- عَلَى مَا فَضَّلَنَا اللّٰهُ۔

فَمَا ذَنْبُنَا أَنْ جَاشَ دَهْراً وَ بَحْرُكَ سَاجٍ لَا يُوَارِي بُحُورُنَا الدَّعَامِصَا[1]

"ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ" وَ مَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُوراً فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ[2]

اے اہل کوفہ ! اے اہل غدر و مکر اور تکبر، خداوند عالم نے ہمارا تمہارے ذریعہ اور تمہارا ہمارے ذریعہ امتحان لیا ہے۔ پھر ہماری آزمائش کو اچھا بنایا ہے اور ہمیں اپنے علم و فہم اور حکمت کا گنجینہ قرار دیا ہے اور ہمیں زمین میں اپنے بندوں پر اپنی حجت قرار دیا ہے۔ خداوند عالم نے ہمیں اپنی مخصوص عزت و کرامت سے نوازا ہے اور ہمیں اپنے پیغمبر حضرت محمد علیہ السلام کی وجہ سے اپنی تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے؛ لیکن تم نے ہماری تکذیب کی اور ہمارے (احسانات کا) انکار کیا اور ہمارے ساتھ قتل و غارت کرنے اور ہمارے مال و منال کے لوٹنے کو جائز سمجھا ہے، جیسے ہم (معاذ اللہ) ترک و کابل کے (غیر مسلمان) لوگ ہیں۔ تم نے کل (ماضی قریب میں) سابقہ کینوں کی بنا پر ہمارے جد امجد کو شہید کیا۔ تمہاری تلواروں سے اب بھی ہمارا خون بہہ رہا ہے۔ مگر (ایسے سنگین جرائم کے باوجود) تمہارے دل شاد کام اور آنکھیں روشن ہیں۔ یہ سب کچھ تم نے خدا پر تہمتیں باندھنے اور مکر و فریب کا مظاہرہ کرتے ہوئے کیا ہے۔ خدا تمہیں تمہارے مکر و فریب کی ضرور سزا دے گا۔ تم نے جو ہمارے خون بہائے ہیں اور مال و اسباب لوٹے ہیں، اس سے تم خوش و خرم نہ ہو کیونکہ ہم پر جو سخت مصائب و آلام نازل ہوئے ہیں وہ خلقت سے پہلے کتاب میں لکھے ہوئے تھے اور یہ بات خدا پر آسان ہے تا کہ دنیوی مال کے ضیاع سے ملول نہ ہو اور اس کی فراوانی پر مسرور و شاد کام نہ ہو۔ خدا تکبر اور فخر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اے کوفہ والو ! تمہارے لیے ہلاکت ہو، اب لعنت و عذاب کا انتظار کرو جو گویا تم پر نازل ہو گیا ہے اور

---

[1]۔ الاحتجاج ج: ۲ ص: ۳۰۳، ۳۰۴۔

۲۔ طبرسی، الاحتجاج، ۱۴۱۶ق، ج ۲، ص ۱۰۸-۱۰۴۔

تم پر آسمان سے مسلسل عذاب نازل ہو رہا ہے جو تمہیں نیست و نابود کر کے رکھ دے گا اور خدا ایک دوسرے کے ہاتھوں تم سے انتقام لے گا؛ پھر تم نے ہم پر جو ظلم و ستم کیا ہے اس کی پاداش میں ہمیشہ عذاب جہنم میں مبتلا رہو گے۔ ظالموں پر خدا کی لعنت ہو! وائے ہو تم اے اہل کوفہ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے کس ہاتھ سے ہم پر ظلم و زیادتی کی ہے؟ اور کن لوگوں کے ساتھ ہم سے جنگ و جدال کیا ہے؟ اور کن پاؤں سے چل کر ہم سے لڑنے کے لیے آئے ہو؟ خدا کی قسم؛ تمہارے دل سخت اور جگر درشت ہو گئے ہیں اور تمہارے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہریں لگ چکی ہیں۔ شیطان نے تمہیں فریب دیا ہے اور تمہاری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے اس لیے تم ہدایت حاصل نہیں کر سکتے! اے اہل کوفہ! ہلاکت ہو تمہارے لیے، تم نے جناب رسول خدا ؐ سے کونسا بدلہ اور انتقام لینا تھا کہ ان کے بھائی اور میرے جد علی بن ابی طالبؑ اور ان کی عترت طاہرہ کے ساتھ تم نے مکر و دھوکا کیا؟۔ چنانچہ تمہارے بعض فخر کرنے والوں نے کہا:

ہم نے علی اور اولاد علیؑ کو ہندی تلواروں اور نیزوں کے ساتھ قتل کیا ہے اور ان کی مستورات کو ترک و دیلم کی باندیوں کی طرح قید کیا ہے اور ان کو خوب لتاڑا ہے۔

اے کہنے والے! تیرے منہ میں خاک و پتھر۔ تو ان لوگوں کے قتل پر فخر و مباہات کر رہا ہے جن کو خداوند عالم نے طہارت و پاکیزگی عطا فرمائی ہے اور ان سے ہر قسم کے رجس و ناپاکی کو دور رکھا ہے۔ اپنے غصہ کو پی اور اپنے باپ کی مانند کتے کی طرح بیٹھ۔ ہر آدمی کو وہی کچھ ملے گا، جو کچھ اس نے آگے بھیجا ہو گا۔ تم ہمارے ساتھ اس لیے حسد کرتے ہو کہ خدا نے ہم کو فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اس میں ہمارا کیا قصور ہے کہ ہمارے (کمالات کا) سمندر ہر زمانے پر محیط ہے اور تمہارا سمندر ساکن و مختصر ہے۔ یہ خدا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے، کیونکہ وہ فضلِ عظیم کا

مالک ہے اور جسے خدا اپنے نور کا حصہ نہ دے اس کے لیے تاریکی سے نکلنے کے لیے کوئی نور نہیں ہے۔[1]

حضرت ام کلثوم علیہا السلام کا خطبہ

یَا اَھْلَ الْکُوفَةِ! سُوْئَةً لَکُمْ مَالَکُمْ خَذَلْتُمْ حُسَیْناً وَقَتَلْتُمُوْهُ وَانْتَهَبْتُمْ أَمْوَالَهُ وَوَرِثْتُمُوْهُ وَسَبَبْتُمْ نِسَائَهُ وَبَکَیْتُمُوْهُ فَتَبّاً لَّکُمْ وَسُحْقاً وَیْلَکُمْ أَتَدْرُوْنَ أَیَّ دَوَاهٍ دَهَتْکُمْ وَأَیَّ وِزْرٍ عَلٰی ظُهُوْرِکُمْ حَمَلْتُمْ وَأَیَّ دِمَاءٍ سَفَکْتُمُوْهَا وَأَیَّ کَرِیْمَةٍ أَصَبْتُمُوْهَا وَأَیَّ صِبْیَةٍ سَلَبْتُمُوْهَا وَأَیَّ أَمْوَالٍ انْتَهَبْتُمُوْهَا قَتَلْتُمْ خَیْرَ رِجَالَاتٍ بَعْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَنُزِعَتِ الرَّحْمَةُ مِنْ قُلُوْبِکُمْ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْفَائِزُوْنَ وَحِزْبَ الشَّیْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ۔

اے اہل کوفہ! بُرائی ہو تمہارے لیے، تم نے کیوں حسین کی نصرت نہ کی اور ان کو شہید کیا اور ان کے مال و اسباب کو لاٹا اور اپنا ورثہ بنایا۔ اور ان کے اہل و عیال کو قید کیا۔ تمہارے لیے ہلاکت اور رحمتِ الٰہی سے دوری ہو۔ افسوس ہے تمہاری حالت پر! کیا کچھ معلوم بھی ہے کہ تم کن مصائب میں مبتلا ہوئے اور کیا بوجھ اپنی پشتوں پر اٹھایا؟! اور تم نے کیسے خون بہائے اور کن اہل حرم کو تکلیفیں پہنچائیں اور کن لڑکیوں کو لوٹا اور کن اموال پر ناجائز قبضہ کیا۔ تم نے ایسے شخص (امام حسین) کو شہید کیا جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد تمام لوگوں سے افضل تھا۔ رحم کو تمہارے دلوں سے اٹھا لیا گیا۔ یقیناً خدا کا گروہ ہی کامران ہوتا ہے اور شیطانی گروہ نامراد اور نقصان میں ہوتا ہے۔

پھر حزن و ملال میں ڈوبے ہوئے یہ اشعار پڑھے:

قَتَلْتُمْ أَخِي صَبْرًا فَوَيْلٌ ... سَتُجْزَوْنَ نَارًا حَرُّهَا يَتَوَقَّدُ

---

[1] ترجمہ متن عربی: نجفی، شیخ محمد حسین، سعادت الدارین فی مقتل الحسین، ص ۳۶۰۔

لِأُمِّكُم

وائے ہو تم پر، تم نے بلا قصور میرے بھائی کو شہید کیا — اس کی سزا تمہیں جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں دی جائے گی

سَفَكتُم دِمَاءً حَرَّمَ اللهُ وَ حَرَّمَهَا الْقُرآنُ ثُمَّ مَحَمَّدُ سَفَكُهَا

تم نے وہ خون بہائے جن کے بہانے کو — خدا، قرآن اور رسول نے حرام قرار دیا تھا

أَلَا فَأَبشِرُوا بِالنَّارِ أِنَّكُم غَدًا لَفِي سَقَرٍ حَقًّا يَقِينًا تَخلُدُوا

تمہیں آتش کی بشارت ہو — جس میں ہمیشہ معذب رہو گے

وَ إِنِّي لَأَبكِي فِي حَيَاتِي عَلَى أَخِي عَلَى خَيرِ مَن بَعدَ النَّبِيِّ سَيُولَدُ

میں اپنے اس بھائی پر جو بعد از رسول — سب لوگوں سے افضل تھا، زندگی بھر روتی رہوں گی

بدمعِ غزيرٍ مُستهلٍّ مُكفكفٍ على الخدِّ منّي ذائبٌ ليس يَجمدُ[1]

اور کبھی بہاتی رہوں

نہ خشک گی[2]

ہونے والا

اشکوں کا

سیلاب

راوی کہتا ہے: لوگوں آہ وزاری کی آوازیں بلند ہوئیں، عورتوں نے اپنے بال کھولے، سر میں خاک ڈالی، اپنا چہرہ نوچنا شروع کیا اور بلند آواز سے رونے لگیں۔ مرد بھی رونے لگے اور اپنی داڑھیوں کو نوچنے لگے۔ اس دن کی طرح لوگوں نے کبھی گریہ نہیں کیا تھا۔[3]

امام زین العابدین علیہ السلام کا خطبہ

امام سجاد علیہ السلام آگے تشریف لائے اور اشارے کر کے لوگوں کو خاموش ہونے کا حکم دیا۔ سب لوگ خاموش ہو گئے۔ امام علیہ السلام نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ پر درود و سلام بھیجا اور پھر فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ عَرَفَنِیْ فَقَدْ عَرَفَنِیْ وَ مَنْ لَمْ يَعْرِفْنِیْ فَأَنَا عَلِیُّ بْنُ الْحُسَيْنِ الْمَذْبُوحِ بِشَطِّ الْفُرَاتِ مِنْ غَيْرِ ذَحْلٍ وَلَا تِرَاتٍ، أَنَا ابْنُ مَنِ انْتُهِكَ حَرِيْمُهُ وَ سُلِبَ نَعِيمُهُ وَ انْتُهِبَ مَالُهُ وَ سُبِيَ عِيَالُهُ، اَنَا ابْنُ مَنْ قُتِلَ صَبْراً، فَكَفٰى بِذٰلِكَ فَخْراً. اَيُّهَا النَّاسُ! نَاشَدْتُكُمْ بِاللّٰهِ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّكُمْ كَتَبْتُمْ اِلٰى اَبِیْ وَ خَدَعْتُمُوْهُ، وَ اَعْطَيْتُمُوْهُ مِنْ اَنْفُسِكُمُ الْعَهْدَ وَ

۱۔ مثیر الأحزان ص: ۸۹۔

۲۔ عربی متن کا ترجمہ: نجفی، شیخ محمد حسین، سعادت الدارین فی مقتل الحسین، ص۴۶۰۔

۳۔ سید ابن طاؤوس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص۱۹۸،۱۹۹۔

الْمِيثاقَ وَ الْبَيْعَةَ ثُمَّ قاتَلْتُمُوهُ وَ خَذَلْتُمُوهُ؟ فَتَبّاً لَكُمْ ما قَدَّمْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ وَ سَوْأَةً لِرَأْيِكُمْ، بِأَيَّةِ عَيْنٍ تَنْظُرُونَ إِلى رَسُولِ اللهِ يَقُولُ لَكُمْ: قَتَلْتُمْ عِتْرَتِي وَ انْتَهَكْتُمْ حُرْمَتِي فَلَسْتُمْ مِنْ أُمَّتِي؟

ایہاالناس! جو شخص مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا میں اسے اپنا تعارف کروائے دیتا ہوں، میں علی بن الحسین ہوں، وہ حسین جو بلا جرم و قصور نہر فرات کے کنارے ذبح کیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کی ہتک حرمت کی گئی، جس کے مال و منال کو لوٹا گیا اور جس کے اہل و عیال کو قید کیا گیا۔ میں اس کا پسر ہوں جسے ظلم و جور سے شہید کیا گیا اور یہ بات ہمارے فخر کے لیے کافی ہے۔ اے لوگو! میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا تم نے میرے پدر کو خطوط لکھ کر نہیں بلایا تھا؟ اور ان کی نصرت و مدد کے عہد و پیمان نہیں کیے تھے؟ اور جب وہ تمہاری دعوت پر لبیک کہتے ہوئے تشریف لائے تو تم نے مکر و فریب کا مظاہرہ کیا اور ان کی نصرت و یاری سے پیچھے ہٹ گئے؛ بلکہ ان کے ساتھ جنگ کر کے انہیں قتل کر دیا۔ ہلاکت ہو تمہارے لیے کہ تم نے بہت بُرا ذخیرہ اعمال جمع کیا ہے اور برائی ہو تمہاری رائے و تدبر کے لیے! بھلا تم کن آنکھوں سے اس وقت جناب رسول خداؐ کی طرف دیکھو گے، جب وہ تم سے فرمائیں گے کہ تم نے میری عترت اہل بیت کو قتل کیا اور میری ہتکِ حرمت کی، اس لیے تم میری امت سے نہیں ہو۔

راوی کہتا ہے کہ لوگوں کے رونے کی صدائیں بلند ہوئیں۔ وہ ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگے اور کہنے لگے: تم نابود ہو گئے ہو، جبکہ تمہیں خبر تک نہ تھی!

پھر امام سجادؑ نے فرمایا:

رَحِمَ اللّٰهُ امْرَءًا قَبِلَ نَصِيحَتِي وَحَفِظَ وَصِيَّتِي فِي اللّٰهِ وَفِي رَسُولِهِ وَفِي أَهْلِ بَيْتِهِ، فَإِنَّ لَنَا "فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"۔

خدا اس بندے پر رحم کرے جو میری نصیحت قبول کرے اور خدا، رسول اور اہل بیتِ رسول علیہم السلام کے بارے میں میری وصیت یاد رکھے، کیونکہ ہمارے لیے رسول خدا علیہ السلام کی ذات میں اعلیٰ نمونہ موجود ہے۔

فَقَالُوا بِأَجْمَعِهِمْ نَحْنُ كُلُّنَا، يَابْنَ رَسُولِ اللّٰهِ! سَامِعُونَ مُطِيعُونَ حَافِظُونَ لِذِمَامِكَ، غَيْرُ زَاهِدِينَ فِيكَ وَ لَا رَاغِبِينَ عَنْكَ فَمُرْنَا بِأَمْرِكَ، رَحِمَكَ اللّٰهُ فَإِنَّا حَرْبٌ لِحَرْبِكَ وَسِلْمٌ لِسِلْمِكَ لَنَأْخُذَنَّ تِرَتَكَ وَتِرَتَنَا مِمَّنْ ظَلَمَكَ وَ ظَلَمَنَا.

سب حاضرین نے کہا: یابن رسول اللہ! ہم سب آپ کے فرمان کے مطیع، فرمانبر دار اور آپ کے حکم کے پابند ہیں۔ آپ سے منہ موڑنے والے نہیں اور نہ ہی آپ سے روگردانی کرنے والے ہیں۔ ہمیں جو چاہیں حکم دیں۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، ہم آپ کے لیے جنگ اور صلح کرنے والے ہیں، جنہوں نے آپ اور ہم پر ظلم کیا ہے، ان سے انتقام لیں گے۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

هَيْهَاتَ! أَيُّهَا الْغَدَرَةُ الْمَكَرَةُ! حِيلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ شَهَوَاتِ أَنْفُسِكُمْ، أَتُرِيدُونَ أَنْ تَأْتُوا إِلَيَّ كَمَا أَتَيْتُمْ إِلَى آبَائِي مِنْ قَبْلُ؟ كَلَّا وَ رَبِّ الرَّاقِصَاتِ إِلَى مِنًى، فَإِنَّ الْجُرْحَ لَمَّا يَنْدَمِلْ، قُتِلَ أَبِي بِالْأَمْسِ وَ أَهْلُ بَيْتِهِ مَعَهُ، فَلَمْ يُنْسِنِي ثُكْلُ رَسُولِ اللّٰهِ وَثُكْلُ أَبِي وَ بَنِي أَبِي وَ جَدِّي، شَقَّ لَهَازِمِي وَ مَرَارَتُهُ بَيْنَ حَنَاجِرِي وَ حَلْقِي، وَ غُصَصُهُ تَجْرِي فِي فِرَاشِ صَدْرِي، وَ مَسْأَلَتِي أَنْ لَا تَكُونُوا لَنَا وَ لَا عَلَيْنَا.

ہیہات اے دھوکہ باز اور فریب کار لوگو! اب تمہای یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔ اب تم چاہتے ہو کہ میرے ساتھ بھی وہی سلوک کرو جو اس سے پہلے میرے باپ اور دادا کے ساتھ کر چکے ہو؟ خبر دار، ایسا ہر گز نہیں ہو سکتا۔ خدا کی قسم؛ ابھی تک تو سابقہ زخم بھی مندمل نہیں ہوئے۔ کل تو میرے باپ کو ان کے اہل بیت سمیت قتل کیا گیا، ابھی تک تو مجھے باپ دادا اور بھائیوں کی شہادت کا صدمہ فراموش نہیں ہوا، بلکہ ان مصائب کے غم والم (کی تلخی) میرے حلق میں موجود ہے اور غم وغصہ کے گھونٹ میرے سینہ کی ہڈیوں میں گردش کر رہے ہیں۔ ہاں تم سے صرف اس قدر خواہش ہے کہ نہ ہماری طرفداری کرو اور نہ مخالفت۔

پھر یہ اشعار پڑھے:

لَا غَرْوَ اِنْ قُتِلَ الْحُسَیْنُ وَ شَیْخُهُ قَدْ كَانَ خَیْراً مِنْ حُسَیْنٍ وَ اَكْرَمَا

حرج نہیں اگر حسین قتل ہوئے جبکہ آپ کے بابا آپ سے بہتر اور زیادہ قابل احترام تھے

فَلَا تَفْرَحُوا یَا اَهْلَ كُوفَ بِالَّذِی اُصِیبَ حُسَیْنٌ كَانَ ذٰلِكَ اَعْظَمَا

اے اہل کوفہ! خوش نہ ہو اس مصیبت پر جو حسین کو پیش آئی کہ یہ بہت بڑی مصیبت تھی

قَتِیلٌ بِشَطِّ النَّهْرِ نَفْسِی جَزَاءُ الَّذِی اَرْدَاهُ نَارُ جَهَنَّمَا

فِدَاوُہُ

فرات کے کنارے شہید ہونے والے پر میری جان قربان

آپ کے
قاتلوں کا انجام
آتش جہنم ہے[1]

پھر فرمایا:

رَضِینَا مِنکُمْ رَأْساً بِرَأْسٍ، فَلَا یَوْمَ لَنَا وَلَا عَلَیْنَا[2]

ہم سر کے بدلے سر دینے پر خوش ہیں، کوئی دن نہ ہمارے نفع میں ہے اور نہ نقصان میں۔

دربار میں امام حسین علیہ السلام کے سر سے ابن زیاد کی گستاخی

جب خولی، امام حسین علیہ السلام کا مقدس سر اقدس، ابن زیاد کے پاس لے گیا تو اس نے دیکھتے ہی اپنے کینے اور دشمنی کا اظہار کیا اور سر مقدس کے ساتھ گستاخی کی۔ دربار میں موجود بعض اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ اور شہر کے بزرگوں نے یہ منظر دیکھ کر اعتراض کیا۔

کچھ مسلمانوں کا ابن زیاد کی گستاخی پر اعتراض

۱۔ زید بن ارقم کا اعتراض

ابو مِخنف نے حُمید بن مسلم سے نقل کیا ہے:

عمر بن سعد نے مجھے بھیجا کہ اس کے خاندان کو اس کامیابی کی خبر دوں۔ میں اس کے گھر گیا، انہیں خبر دی اور پھر ابن زیاد کے پاس آیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ دربار میں لوگوں کے ساتھ ملاقات کر رہا تھا۔ میں بھی لوگوں کے ساتھ دربار میں داخل ہوا۔ میں نے دیکھا

۱۔ عربی متن کا ترجمہ: نجفی، شیخ محمد حسین، سعادت الدارین فی مقتل الحسین، ص ۴۶۳۔

۲۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۹۰؛ سید ابن طاؤوس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص ۲۰۰۔

کہ حسین (علیہ السلام) کا سر اس کے سامنے رکھا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، جو آپ کے دندان مبارک پر مار رہا تھا۔ جب زید بن ارقم نے دیکھا کہ ابن زیاد گستاخی سے باز نہیں آرہا تو اس نے کہا: ان دانتوں سے چھڑی اٹھالے۔ اللہ وحدہ لاشریک کی قسم، میں نے رسول خداؐ کے لبوں کو ان لبوں کا بوسہ لیتے دیکھا ہے، پھر رونے لگا۔ ابن زیاد نے کہا: خدا تیری آنکھوں کو رلائے، اللہ کی قسم! اگر بڑھاپے کی وجہ سے تیری عقل ختم نہ ہو گئی ہوتی تو میں تیری گردن کاٹ دیتا۔ زید بن ارقم اٹھ کر چلا گیا۔

میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا: اللہ کی قسم! اگر ابن زیاد، زید بن ارقم کی باتیں سن لیتا تو اسے قتل کر دیتا۔ میں نے کہا: اس نے کیا کہا ہے؟ انہوں نے کہا: جب وہ ہمارے پاس سے گزر رہا تھا تو کہہ رہا تھا، غلام نے غلام کو تختِ حکومت پر بٹھا دیا ہے اور اس نے لوگوں کو اپنا غلام بنا لیا ہے۔ اے اہل عرب! اس کے بعد تم ہمیشہ غلامی کی زندگی گزارو گے کیونکہ تم نے فاطمہ زہراؑ کے فرزند کو شہید کیا اور ابن مرجانہ کی حکومت کو قبول کیا۔ وہ تمہارے نیکوں کو قتل کرے گا اور بدکاروں کو غلام بنائے گا۔ تم نے اپنے آپ کو رسوا کر دیا ہے۔ اس شخص سے اللہ کی رحمت سے دور ہو، جو ذلت کو قبول کرے۔[1]

بعض مؤرخین نے اس واقعے کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ تمیمی مغربی نے کہا ہے کہ زید بن ارقم نے کہا:

مجھے اجازت ہو تو تجھے ایک حدیث سناؤں۔ میں نے رسول خداؐ کو دیکھا کہ حسن کو دائیں زانو پر بٹھایا ہوا تھا اور اپنا دایاں ہاتھ ان کے سر پر رکھا ہوا تھا، جبکہ حسین کو بائیں زانو پر بٹھایا ہوا تھا اور بایاں ہاتھ ان کے سر پر رکھا ہوا تھا اور فرما رہے تھے: اے اللہ! ان

۱۔ طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج۵، ص ۴۵۶؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۴۵، ۴۶؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۱۲، ۴۱۳؛ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۸۴؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۱۱۴، ۱۱۵؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدیٰ، ۲۴۶، ۲۴۷؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ۲۵۷؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج۱۹، ذ۳۰۷۔

دونوں کو اور مومنین کو تیرے حوالے کرتا ہوں۔ اے ابن زیاد! اگر تم مومن ہو تو رسول خداؐ کی امانت کی حفظ کیوں نہیں کی؟[1]

ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ زید بن ارقم نے کہا:

جب حسین بن علی کا سر لایا گیا تو میں ابن زیاد کے پاس تھا۔ سر کو اس کے سامنے طشت میں رکھا گیا۔ اس نے چھڑی اٹھائی اور حسین کے لبوں اور دندان مبارک پر مارنے لگا... میں بے ساختہ رونے لگا۔ اس نے کہا: اے بوڑھے آدمی! کیوں روتے ہو؟ میں نے کہا: مجھے رسول خداؐ کی سیرت رلا رہی ہے، میں دیکھا کہ رسول خداؐ ان ہونٹوں کو چوستے اور بوسہ دیتے تھے اور فرماتے تھے: اے اللہ! میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں۔[2]

شیخ صدوق اور محمد بن فتال نیشاپوری نے ابن زیاد کے ایک دربان سے نقل کیا ہے:

جب حسین بن علی کا سر لایا گیا تو ابن زیاد نے حکم دیا کہ اسے سونے کے طشت میں رکھا جائے۔ اس کے ہاتھ میں چھڑی تھی، آپ کے دانتوں کو مارتا اور کہتا: اے اباعبد اللہ! بہت جلدی بوڑھے ہو گئے ہو۔ دربار میں موجود لوگوں میں سے کسی نے کہا: چھڑی نہ مار، میں نے رسول خداؐ کو دیکھا ہے، وہ اس جگہ کو چومتے تھے جہاں تو چھڑی مار رہا ہے۔ ابن زیاد نے کہا: یہ بدر کے دن کا بدلہ ہے۔[3]

۱۔ تمیمی مغربی، شر الاخبار فی فضائل الائمۃ الاطہار، ج۳، ص۱۷۰؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۹۲؛ سبط بن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص۲۵۷۔

۲۔ ابن عساکر، ترجمۃ الحسین، من تاریخ مدینۃ دمشق، ص۲۵۹۔

۳۔ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۳۱، ص۲۲۹، ح۳؛ ابن فتال نیشاپوری، روضۃ الواعظین، ص۱۹۰۔

٢۔ انس بن مالک کا اعتراض

ایک روایت کے مطابق جب ابن زیاد، امام حسین علیہ السلام کے دندان مبارک پر چھڑی مار کر کہہ رہا تھا: کتنے خوبصورت دانت ہیں!؛ انس بن مالک نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم! مجھے تیرا یہ کام پسند نہیں۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کو اس جگہ کا بوسہ لیتے دیکھا تھا، جہاں تو چھڑی مار رہا ہے۔[1]

٣۔ قیس بن عُبّادہ کا اعتراض

قیس بن عبادہ بھی ابن زیاد کی محفل میں موجود تھے۔ ابن زیاد نے انہیں کہا: میرے اور حسین کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ کہا: مجھے معاف رکھو۔ ابن زیاد نے کہا: ضرور بولنا پڑے گا۔ قیس نے کہا: جب روز قیامت ہو گا، حسین کے نانا، بابا اور مادر گرامی آپ علیہ السلام کے شفیع ہوں گے، جبکہ تیری شفاعت تیرے دادا، باپ اور ماں کریں گے۔ ابن زیاد نے غصے میں آکر اسے محفل سے نکال دیا۔[2]

٤۔ جابر وائلی کا اعتراض

سبط ابن جوزی نے لکھا ہے: قبیلہ بکر بن وائل کا ایک شخص جس نام جابر (یا جبیر) تھا، ابن زیاد کی محفل میں موجود تھا۔ جب اس نے امام حسین علیہ السلام کے سر کے ساتھ ابن زیاد کی گستاخی دیکھی تو اپنے ساتھ عہد کیا کہ ابن زیاد کے خلاف دس لوگوں نے بھی قیام کیا تو میں ان کے ساتھ ہو جاؤں گا۔ جب جناب مختار نے قیام کیا تو وہ ان کے ساتھیوں میں شامل تھا۔[3]

١۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش ١٠، ص ١٨٩؛ طبرانی، المعجم الکبیر، ج ٣، ص ١٢٥؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج ٣، ص ٤٢١؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ٢، ص ٤٥؛ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، ص ٢٥٧؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ٩١، ٩٢۔

٢۔ ابن قتیبہ، عیون الاخبار، ج ٢، ص ١٩٧؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ٢٥٧۔

٣۔ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ٢٥٧، ٢٥٨۔

اہل بیتؑ، ابن زیاد کے دربار میں

ابن زیاد اپنے آپ کو جنگ کربلا کا فاتح سمجھتا تھا اور غرور و تکبر کے نشہ میں بدمست ہو کر تخت نشین تھا۔ اس نے تبلیغاتی اور نفسیاتی جنگ شروع کر رکھی تھی۔ اپنی جھوٹی قدرت و طاقت کا اظہار کرنے کے لیے خاندان نبوت کو اسیر کر کے دربار میں لایا۔ بد کلامی اور گالم گلوچ کے ذریعہ اہل بیتؑ کے زخموں پر نمک چھڑکنے لگا؛ لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ خاندان رسالت کس شجاعت اور شہامت کا مالک ہے۔ جب حضرت زینب کبریٰؑ نے اپنی فصیح اور حقیقت سے لبریز گفتگو کے ذریعہ اسے لاجواب کیا تو ملعون نے بی بی پر شاعر ہونے کی تہمت لگائی اور امام سجادؑ کو قتل کی دھمکی دی؛ لیکن بالآخر اہل بیتؑ کی منطقی گفتگو کے سامنے شکست کھائی۔

حضرت زینبؑ کی ابن زیاد سے گفتگو

جب امام حسینؑ کا سر، بچوں، بہنوں اور مخدراتِ عصمت و طہارت کے ہمراہ ابن زیاد کے دربار لایا گیا تو حضرت زینبؑ پرانے اور خستہ لباس میں قصر میں داخل ہوئیں۔ کنیزوں نے آپ کے گرد گھیرا ڈالا ہوا تھا۔ بی بی ایک کونے میں بیٹھ گئیں۔ ابن زیاد ملعون نے تین مرتبہ پوچھا: یہ عورت کون ہے؟ بی بی زینبؑ نے کوئی جواب نہ دیا۔ بالآخر ایک کنیز نے کہا: یہ زینب بنت فاطمہ زہراؑ ہیں۔[1]

ابن زیاد نے کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَحَکُمْ وَ قَتَلَکُمْ وَ اَکْذَبَ اُحْدُوْثَتَکُمْ

حمد ہے اس خدا کی، جس نے تمہیں رسوا کیا، قتل کیا اور تمہارے جھوٹ کو آشکار کیا۔

بنت علیؑ نے اسے جواب دیا:

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۵۷؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۱۵؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدیٰ، ص۲۴۷۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَکْرَمَنَا بِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ و طَهَّرَنَا تَطْهِیْرًا، لَا کَمَا تَقُوْلُ أَنْت، اِنَّمَا یَفْتَضِحُ الْفَاسِقُ، وَیَکْذِبُ الْفَاجِرُ وَ هُوَ غَیْرُنَا۔

حمد ہے اس خدا کی، جس نے ہمیں (نانا) محمد کے ذریعہ عزت بخشی اور پاک و پاکیزہ بنایا۔ ایسا نہیں ہے جو تو کہہ رہا ہے۔ ذلیل ورسوا صرف فاسق ہوتا ہے اور جھوٹ صرف فاجر بولتا ہے اور وہ ہمارا غیر ہے۔

ابن زیاد نے پوچھا:

کَیْفَ رَاَیْتِ صُنْعَ اللّٰهِ بِاَخِیْكِ وَ اَهْلِ بَیْتِكِ؟

تم نے اپنے بھائی اور خاندان کے ساتھ خدا کا سلوک کیسا دیکھا؟

حضرت زینب علیہا السلام نے فرمایا:

مَا رَاَیْتُ اِلَّا جَمِیْلًا، هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ کَتَبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمُ الْقَتْلَ فَبَرَزُوا اِلٰی مَضَاجِعِهِمْ، وَ سَیَجْمَعُ اللّٰهُ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهُمْ، فَتُحَاجُّ وَ تُخَاصَمُ، فَانْظُرْ لِمَنِ الْفَلْجُ یَوْمَئِذٍ، ثَکَلَتْكَ اُمُّكَ یَا ابْنَ مَرْجَانَةَ۔

میں نے اللہ کے نیک سلوک کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے درجہ شہادت لکھ دیا تھا، لہٰذا وہ اپنی مقتل گاہ کی طرف چلے گئے ہیں۔ عنقریب اللہ تمہیں اور انہیں ایک جگہ (محشر میں) جمع کرے گا اور وہ عدالتِ الٰہی میں مقدمہ پیش کریں گے، پس دیکھنا اس وقت کون کامیاب ہوگا؟ اے ابن مرجانہ! تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے!

یہ سن کر ابن زیاد آگ بگولہ ہو گیا اور کہا:

اللہ نے تیرے طاغوت اور تیرے خاندان کے سرکش لوگوں سے مجھے شفا بخشی۔

حضرت زینب علیہا السلام آبدیدہ ہوئیں اور فرمایا:

لَعَمْرِیْ لَقَدْ قَتَلْتَ کَھْلِیْ، وَ اَبَرْتَ اَھْلِیْ، وَ قَطَعْتَ فَرْعِیْ، وَ اجْتَثَثْتَ اَصْلِیْ، فَاِنْ کَانَ ھٰذَا شِفَاؤُکَ فَقَدِ اشْتَفَیْتَ۔

مجھے اپنی جان کی قسم؛ تم نے میرے بزرگوں کو قتل کیا، میرے اہل وعیال کو تباہ کیا، میری شاخیں قطع کیں اور میری جڑیں کاٹی ہیں ، اگر اس میں تیری شفا ہے تو یقیناً تو نے شفا حاصل کر لی ہے۔

ابن زیاد نے کہا:

ھٰذِہٖ سَجَّاعَۃٌ وَلَعَمْرِیْ لَقَدْ کَانَ اَبُوْھَا سَجَّاعًا شَاعِرًا

یہ عورت تو قافیہ باز (شاعر) ہے۔ مجھے اپنی جان کی قسم! اس کا باپ بھی قافیہ باز اور شاعر تھا۔

بی بی نے فرمایا:

مَا لِلْمَرْاَۃِ وَ السَّجَّاعَۃ؟ اِنَّ لِیْ عَنِ السَّجَّاعَۃِ لَشُغْلًا وَ لٰکِنْ صَدْرِیْ نَفَثَ بِمَا قُلْتُ۔

عورت کا قافیہ بازی (شاعری) سے کیا تعلق ہے؟! مجھے قافیہ بازی کا خیال کہاں ہے ۔ یہ تو میری دل کی آواز ہے جو میں نے کہی ہے۔[1]

امام سجادؑ کی ابن زیاد کے ساتھ گفتگو

پھر ابن زیاد نے امام زین العابدینؑ کی طرف رُخ پھیرا اور پوچھا:

تیرا نام کیا ہے؟

امام نے فرمایا: میں علی بن حسین ہوں۔

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۵۷؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۱۲۲، ۱۲۳؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۱۵، ۱۱۶؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الھدا، ص۲۴۷؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۴۲۔

ابن زیاد نے کہا: علی بن حسینؑ کو تو اللہ نے قتل نہیں کر دیا؟!

امام زین العابدینؑ خاموش رہے۔

ابن زیاد نے کہا: کیا ہو گیا ہے؟ بولتے کیوں نہیں؟

امامؑ نے فرمایا: میرے بڑے بھائی جن کا نام علی تھا ان کو لوگوں نے قتل کیا ہے۔[1]

ابن زیاد نے کہا: ہاں، اللہ نے اسے قتل کیا ہے۔

امامؑ خاموش رہے۔

ابن زیاد نے کہا: بات کیوں نہیں کرتے ہو؟

امام زین العابدینؑ نے فرمایا:

اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا[2]۔

اللہ ہی ہے جو روحوں کو موت کے وقت اپنی طرف بلا لیتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ[3]

کوئی نفس بھی اذنِ پروردگار کے بغیر نہیں مر سکتا ہے۔

ابن زیاد آگ بگولہ ہو گیا اور کہا: تجھ میں مجھے جواب دینے کی ہمت کہاں سے آئی، تو میری باتوں کو رد کر رہا ہے؟! اس کو لے جاؤ اور اس کی گردن کاٹ دو۔[4]

حضرت زینبؑ، امام سجادؑ کے گلے سے لپٹ گئیں اور فرمایا:

يَا بْنَ زِيَاد، حَسْبُكَ مِنَّا مَا رَوَيْتَ مِنْ دِمَائِنَا! وَهَلْ اَبْقَيْتَ مِنَّا أَحَداً فَإِنْ كُنْتَ عَزَمْتَ عَلَى قَتْلِهِ فَاقْتُلْنِي مَعَه۔

۱۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۲۳؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۴۲۔

۲۔ زمر، ۴۲۔

۳۔ آل عمران، ۱۴۵۔

۴۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۱۶؛ طبرسی، اعلام الوری، ص۲۴۷، ۲۴۸؛ اربلی، کشف الغمہ، ج۲، ص۲۷۸۔

اے ابن زیاد! بس تیرے لیے یہی کافی جو ہمارا خون بہا چکا ہے، کیا تو نے ہمارا کوئی شخص زندہ چھوڑا ہے؟ اگر تو اسے قتل کرنا چاہتا ہے، تو مجھے بھی اس کے ساتھ قتل کر۔

امام سجادؑ نے فرمایا:

أُسْكُتِيْ حَتّٰى أُكَلِّمَهُ

پھوپھی اماں! خاموش ہو جائیں، میں اس کے ساتھ کلام کرتا ہوں۔

پھر امامؑ نے ابن زیاد کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

أَبِالْقَتْلِ تُهَدِّدُنِيْ يَابْنَ زِيَادٍ؟! أَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْقَتْلَ لَنَا عَادَةٌ وَكَرَامَتَنَا شَهَادَةٌ

اے ابن زیاد! تو مجھے قتل سے ڈراتا ہے؟ تجھے نہیں معلوم کہ قتل ہونا ہماری عادت اور شہید ہونا ہماری فضیلت و کرامت ہے۔[1]

پھر امام حسینؑ کی زوجہ محترمہ حضرت رباب بنت امرؤالقیس نے امام حسینؑ کا سر مبارک گود میں لیا اور بوسہ دے کر فرمایا:

وَا حُسَيْنَا فَلَا نَسِيْتُ حُسَيْناً ‏ أَقْصَدَتْهُ أَسِنَّةُ الْأَعْدَاءُ

ہائے حسین، میں حسین کو نہیں بھولی ‏ دشمنوں کے نیزوں نے اسے ہدف بنایا ہے

غَادَرُوْهُ بِكَرْبَلَاءَ صَرِيْعاً ‏ لَا سَقَى اللّٰهُ جَانِبَيْ كَرْبَلَاءَ[2]

اس کے پیکر کو کربلا کی خاک پر چھوڑ دیا ‏ خدا سرزمین کربلا کو سیراب نہ کرے

---

[1] ۔ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۲۳؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۴۳؛ سید ابن طاؤوس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۲۰۲۔

۲۔ سبط بن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص۲۶۰۔

عبد اللہ بن عفیف کا ابن زیاد کے ساتھ مکالمہ

جب ابن زیاد اہل بیتؑ کے استدلال اور گفتگو کے مقابلے میں شکست سے دچار ہو کر لوگوں کے سامنے رسوا ہوا تو اس نے شرمندگی کو دور کرنے کے لیے ایک اور راستہ اپنایا؛ لیکن اس مرتبہ بھی ایک محب علیؑ کے سامنے رسوا ہوا؛ اور وہ محبِ علیؑ، عبد اللہ بن عفیف ازدی تھا جس نے اسے مسجد کوفہ میں رسوا کیا۔ عبد اللہ بن عفیف ازدی، اہل بیتؑ کے ماننے والوں میں سے تھا، جس کی ایک آنکھ جنگ جمل اور دوسری جنگ صفین میں نابینا ہو گئی تھی اور وہ اس وجہ سے میدان کربلا میں نہ جا سکا تھا، لیکن اس کے باوجود اُس نے پوری شجاعت کے ساتھ مشنِ حسین کا دفاع کیا۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ لوگوں کو مسجد کوفہ میں جمع کیا جائے۔ لوگ جمع ہو گئے۔ ابن زیاد منبر پر گیا اور کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَظْهَرَ الْحَقَّ وَ أَهْلَهُ وَ نَصَرَ أَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ أَشْیَاعَهُ وَ قَتَلَ الْكَذَّابَ ابْنَ الْكَذَّابِ۔

سب تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے حق اور حق والوں کو فتح دی اور امیر المومنین (یزید) اور اس کے پیروکاروں کی نصرت کی اور جھوٹے کے بیٹے جھوٹے (یعنی نعوذ باللہ، امام حسین) کو قتل کیا۔

اس کی بات ابھی یہاں تک پہنچی ہی تھی کہ عبد اللہ بن عفیف نے کھڑے ہو کر کہا:

یَا ابْنَ مَرْجَانَةَ، اِنَّ الْكَذَّابَ ابْنَ الْكَذَّابِ أَنْتَ وَ اَبُوْكَ وَ الَّذِیْ وَلَّاكَ وَ أَبُوْهُ، یَا ابْنَ مَرْجَانَةَ، أَتَقْتُلُوْنَ أَبْنَاءَ النَّبِیِّیْنَ وَ تُكَلِّمُوْنَ بِكَلَامِ الصِّدِّیْقِیْنَ

اے مرجانہ کے بیٹے! جھوٹا تو اور تیرا باپ ہے، اور وہ ہے جس نے تجھے اور تیرے باپ کو حاکم بنایا ہے۔ اے اللہ اور اس کے رسول کے دشمن! تو انبیاء کی اولاد قتل کرتا ہے اور صدیقین جیسی باتیں کرتا ہے۔

ابن زیاد غصہ ہو گیا اور کہا: یہ کون ہے جو اس طرح کلام کر رہا ہے؟

عبد اللہ بن عفیف نے کہا: میں ہوں، اے دشمن خدا! کیا تو اولاد رسول کو قتل کرتا ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے پاک و پاکیزہ بنایا ہے اور پھر خود کو مسلمان سمجھتا ہے؟ مہاجرین و انصار کی اولاد کہاں ہیں جو اس سرکش لعین بن لعین سے انتقام لیں، جس پر اللہ نے لعنت کی ہے؟!۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ اسے پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔ سپاہیوں نے اسے گھیرے میں لے کر پکڑ لیا۔ اس نے اپنے قبیلے اَزد کو پکارا اور کہا: یا مَبرُور، (یعنی اے نیک انسان)؛ سات سو جنگجو[1] کھڑے ہو گئے اور عبد اللہ کو ان کے چنگل سے چھڑا کے گھر لے گئے۔

ابن زیاد منبر سے اتر کر قصر میں چلا گیا۔ کوفہ کے اشراف کو بلایا اور کہا: تم نے دیکھا کہ اس قوم نے کیا کیا ہے؟ وہ کہنے لگے: ہاں ہم نے دیکھا ہے، خدا، امیر کا کام آسان کرے، قبیلہ ازد نے ایسا کیا ہے؛ اس کے سرداروں کو ہرگز معاف نہ کرو، کیونکہ وہ تیرے ہاتھ سے اسے آزاد کرا کے لے گئے ہیں۔

ابن زیاد نے ایک گروہ کو عبد الرحمٰن بن مخنف ازدی کی طرف بھیجا اور اسے ساتھیوں سمیت گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا۔ ابن زیاد نے ان سے کہا: جب تک عبد اللہ بن عفیف کو میرے حوالے نہیں کرو گے، اس وقت تک میرے ہاتھ سے نجات نہیں پاؤ گے۔ پھر اس نے عمرو بن حجاج زبیدی، محمد بن اشعث ،شبث ربعی اور اپنے دوستوں کی ایک جماعت کو بلایا اور کہا: جاؤ اور اس اندھے کو میرے پاس لے آؤ، خدا نے اس کے دل کو بھی آنکھوں کی طرح اندھا کر دیا ہے۔ جب یہ خبر ازد قبیلہ تک پہنچی تو وہ سب جمع ہو گئے اور ان کے ساتھ یمنی قبائل بھی شامل ہو کر عبد اللہ بن عفیف کے دفاع کے لیے آئے۔ جب ابن زیاد کو خبر ملی تو اس نے مُضر قبیلہ کو جمع کیا اور ان کو محمد بن اشعث کے ہمراہ عبد اللہ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بھیجا۔

شدید لڑائی ہوئی اور اس کی خبر ابن زیاد کو ملی۔ اس نے قاصد بھیجا اور اپنے فوجیوں کی کمزوری پر ان کی مذمت کی۔ عمرو بن حجاج نے ابن زیاد کے پاس قاصد بھیج کر اسے خبر دی کہ یمنی قبائل، قبیلہ ازد کے ساتھ

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۵۸، ۴۵۹؛ سید بن طاووس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص۲۰۴۔

شامل ہو گئے ہیں۔ شبث بن ربعی نے بھی ابن زیاد کو پیغام بھجوایا کہ اے امیر! تو نے ہمیں شیر دل بہادروں کے ساتھ جنگ لڑنے بھیجا ہے، اب جلدی نہ کرو۔ ان کے درمیان اتنی شدید جنگ ہوئی کہ کئی لوگ مارے گئے اور بالآخر ابن زیاد کے سپاہیوں نے عبد اللہ بن عفیف کے گھر کا دروازہ توڑا اور اس پر حملہ کیا۔ عبد اللہ کی بیٹی نے آواز دی: دشمن آ گئے۔ اس کے باپ نے کہا: کوئی حرج نہیں، مجھے تلوار دو۔ بیٹی نے باپ کو تلوار دی۔

عبد اللہ بن عفیف یہ رجز پڑھ کر اپنا دفاع کرنے لگا:

أَنَا ابْنُ ذِيْ الْفَضْلِ الْعَفِيْفِ الطَّاهِرِ　　عَفِيْفٌ شَيْخِيْ وَ ابْنُ أُمِّ عَامِرِ

میں صاحب فضل، پاک و پاکدامن کا فرزند ہوں　　میرے بابا عفیف اور میں ام عامر کا بیٹا ہوں

كَمْ دَارِعٍ مِنْ جَمْعِكُمْ وَ حَاسِرٍ　　وَ بَطَلٍ جَدَّلْته مُغَاوِرِ

میں نے بہت سے تمہارے ذرہ پوشوں　　اور غیر ذرہ پوشوں کو زمین پر گرایا ہے

اس کی بیٹی نے کہا: بابا! کاش میں مرد ہوتی تو تیرے دفاع کے لیے عترت طاہرہ کے قاتلوں کے ساتھ جنگ کرتی۔ دشمن چاروں طرف سے عبد اللہ پر حملہ کرتے تھے اور عبد اللہ تلوار کے ساتھ اپنا دفاع کرتے تھے، کسی میں عبد اللہ کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ تھی۔ ان کی بیٹی بتاتی تھی کہ اب دشمن فلاں طرف سے آ رہا ہے۔ بالآخر دشمن نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ اس کی بیٹی نے کہا: ہائے افسوس، میرے بابا محاصرے میں آ گئے اور ان کی مدد کرنے والا بھی کوئی نہیں۔ عبد اللہ بن عفیف اپنی تلوار گھما رہے تھے اور یہ شعر پڑھ رہے تھے:

وَ اللهِ لَوْ يُكْشَفُ لِيْ عَنْ بَصَرِيْ صَاقِ عَلَيْكُمْ مَوْرِدِيْ وَ مَصْدَرِيْ[۱]

اللہ کی قسم! اگر میری آنکھیں ہوتیں تو تم پر تمہاری زندگی تنگ کردیتا

آخر کار، ابن زیاد کے سپاہی، عبد اللہ بن عفیف کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لے گئے۔

عبد اللہ بن عفیف اور ابن زیاد کے درمیان مکالمہ

ابن زیاد نے عبد اللہ بن عفیف کو دیکھ کر کہا: شکر ہے اس خدا کا جس نے تجھے ذلیل کیا ہے۔

عبد اللہ بن عفیف: اے دشمن خدا! مجھے خدا نے کیوں ذلیل کیا ہے؟! اللہ کی قسم! اگر میری آنکھیں ہوتیں تو میں تمہارے اوپر زندگی تنگ کر دیتا۔

ابن زیاد: عثمان کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟

عبد اللہ بن عفیف: اے مرجانہ کے بیٹے! اے سمیہ کے بیٹے! اے بنی علاج کے غلام! تجھے عثمان کی نیکی اور برائی سے کیا واسطہ؟ اللہ خود اپنے بندوں کے بارے میں حق کے ساتھ عدالت کرے گا، البتہ تم مجھ سے اپنے اور اپنے باپ؛ یزید اور اس کے باپ کے بارے میں پوچھو۔

ابن زیاد: اللہ کی قسم! میں تجھ سے کوئی بات نہیں پوچھوں گا، یہاں تک کہ تو موت کا ذائقہ چکھے۔

عبد اللہ بن عفیف: سب تعریفیں رب العالمین کے لیے ہیں۔ جب تیری ماں مرجانہ نے تجھے جنم بھی نہیں دیا تھا، اُس وقت میں نے اللہ سے شہادت مانگی تھی اور دعا کی تھی: اے اللہ! مجھے سب سے بڑے لعین اور بدکار شخص کے ہاتھوں شہادت نصیب فرما۔ جب نابینا ہوا تو شہادت کی امید ختم ہو گئی تھی۔ اب اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ناامیدی کے باوجود، اللہ نے مجھے شہادت نصیب کی ہے اور میری دیرینہ خواہش پوری کر دی ہے۔

۱۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۵۴۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ اس کی گردن کاٹ دی جائے اور اس کے جسد خاکی کو ویرانے میں سولی پر لٹکا دیا جائے۔[۲]

جُندب بن عبد اللہ ازدی کا ابن زیاد کے ساتھ مکالمہ

جب ابن زیاد کی فوج نے عبد اللہ بن عفیف کے گھر پر حملہ کیا تو جندب بن عبد اللہ نے عبد اللہ عفیف کا دفاع کیا۔ دشمن کی فوج نے اسے بھی گرفتار لیا تھا۔ عبد اللہ بن عفیف کی شہادت کے بعد ابن زیاد نے اسے دربار میں حاضر کیا اور کہا: اے دشمن خدا! کیا تو جنگ صفین میں علیؑ کے اصحاب میں شامل نہیں تھا؟

جندب: ہاں، اے پسر زیاد! میں علیؑ کا صحابی تھا اور اب بھی ان کے دوستوں میں شامل ہوں اور کبھی ان سے بیزاری اختیار نہیں کروں گا۔

ابن زیاد: میں تیرا خون بہا کر خدا کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

جندب: میرا خون تجھے اللہ کے قریب نہیں، بلکہ اس سے دور کرے گا۔ میری زندگی زیادہ باقی نہیں رہی اور مجھے برا نہیں لگتا کہ اللہ تعالیٰ تجھے ذلیل کر کے مجھے عزت بخشے۔

یہ سن کر ابن زیاد ڈر گیا کہ کہیں قبیلہ ازد بغاوت نہ کر دے، لہٰذا اس نے جندب کو قتل نہیں کیا بلکہ یہ کہہ کر اپنی محفل سے نکال دیا کہ یہ زبان دراز اور بے عقل آدمی ہے۔[۳]

۱۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۱۴؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۵۸، ۴۵۹؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۱۱۷؛ ابن نماز، مثیر الاحزان، ص ۹۴؛ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۲۰۷۔

۲۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۵۵۔

۳۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ص ۱۲۶؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۵۵؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۹۴۔

شہدائے کربلا کے سر کوفہ میں پھیرانا

ابن زیاد نے کوفیوں کو اپنی فتح دکھانے اور حکومت کے مخالفین کو بغاوت سے روکنے کے ارادے سے حکم دیا کہ امام حسین علیہ السلام کا سر کوفہ کی گلیوں میں پھیرایا جائے۔ ابومخنف کہتے ہیں کہ ابن زیاد نے صبح کے وقت امام حسین علیہ السلام کا سر بھیجا تا کہ کوفہ کی گلیوں اور قبائل میں پھیرایا جائے۔[1]

عمادالدین طبری نے لکھا ہے کہ دوسرے دن ابن زیاد کے حکم سے امام حسین علیہ السلام کے سر کو نیزے پر سوار کر کے گلیوں اور قبائل میں پھیرایا گیا اور لاکھوں لوگوں نے سر اقدس کا نظارہ کیا۔[2]

امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کا قرآن کی تلاوت کرنا

زید بن ارقم کا بیان ہے: میں ایک کمرے میں تھا کہ نیزے پر سوار، امام حسین علیہ السلام کا سر میرے سامنے سے گزرا۔ جب میرے سامنے آیا تو میں نے سنا کہ سرِ مبارک یہ آیت تلاوت کر رہا تھا:

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ ءَايَاتِنَا عَجَبًا[3]

کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ کہف ورقیم والے ہماری نشانیوں میں سے کوئی تعجب خیز نشانی تھے۔

اللہ کی قسم! میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور میں نے آواز دی: اے فرزند رسولِ خدا علیہ السلام، اللہ کی قسم! تیرا سر بہت تعجب انگیز ہے۔[4]

ابن شہر آشوب لکھتے ہیں: امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک کوفہ میں زرگروں کے بازار میں نیزے پر بلند تھا۔ جب میرے سامنے آیا تو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا:

إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ ءَامَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى[1]

---

[1]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۱۷؛ اربلی، کشف الغمہ، ج۲، ص۲۷۹۔

[2]۔ عمادالدین طبری، کامل بہائی، ج۲، ص۲۹۰۔

[3]۔ کہف، ۹۔

[4]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۱۷؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص۲۴۸؛ اربلی، کشف الغمہ، ج۲، ص۲۷۹۔

یہ چند جوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا تھا۔[1]

جب سر کو ایک درخت پر لٹکایا گیا تو سر سے یہ آیت سنائی دی:

وَ سَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ[2]

اور عنقریب ظالمین کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس جگہ پلٹا دیئے جائیں گے۔[3]

عبید اللہ بن حُر جعفی کا ابن زیاد کے پاس جانے سے انکار

طبری لکھتے ہیں:

ابن زیاد نے امام حسینؑ کی شہادت کے بعد کوفہ کے اشراف کو بلایا لیکن عبید اللہ بن حُر جعفی کو نہ پایا۔ وہ چند دن بعد ابن زیاد کے پاس گیا۔ ابن زیاد نے پوچھا: تم کہاں تھے؟ کہا: میں بیمار تھا۔ اس نے پوچھا: تیرا جسم بیمار تھا یا روح؟ عبید اللہ نے کہا: میری روح مریض نہیں تھی اور الحمد للہ جسم بھی سالم ہے۔ ابن زیاد نے کہا: تو جھوٹ بولتا ہے، تو ہمارے دشمنوں کے پاس تھا۔ اس نے کہا: اگر میں تیرے دشمنوں کے پاس ہوتا تو میری جگہ معلوم ہوتی کیونکہ میری جگہ کہیں پنہاں نہیں ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے ابن زیاد کی توجہ اس سے ہٹی تو وہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جلدی سے باہر چلا گیا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ ابن زیاد نے کہا: عبید اللہ کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا: ابھی یہاں سے گیا ہے۔ ابن زیاد نے کہا: جاؤ اسے میرے پاس لے آؤ۔ فوجی اس کے پاس گئے اور کہا: امیر تجھے بلا رہا ہے۔ اس نے گھوڑا آگے بڑھاتے ہوئے کہا: اسے کہو کہ میں آج کے بعد اپنی مرضی

۱۔ کہف، ۱۳۔

۲۔ شعراء، ۲۲۷۔

۳۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۶۸۔

سے تیرے پاس نہیں آؤں گا۔ پھر وہاں سے نکلا اور احمر بن طائی کے گھر پہنچ گیا۔ اس کے ساتھی اس کے پاس جمع ہوئے اور پھر اکٹھے کربلا کی طرف چلے گئے۔ جب امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کی قتل گاہ کو دیکھا تو ان کے لیے مغفرت طلب کی۔

پھر اس نے امام حسین علیہ السلام کے غم میں شعر کہے اور آپ کی مدد نہ کرنے پر پشیمانی کا اظہار کیا۔[1]

ابن زیاد کا حاکم مدینہ کو شہادتِ امام حسین علیہ السلام کی خبر دینا

جب امام حسین علیہ السلام کا سر ابن زیاد کے پاس آیا تو اس نے عبد الملک بن ابی الحارث سلمی کو حکم دیا کہ جاؤ اور حاکم مدینہ عمرو بن سعید بن عاص اموی کو حسین علیہ السلام کے قتل کی خوشخبری دو۔ عبد الملک کہتا ہے جب میں مدینہ پہنچا تو مجھے ایک قریشی نے دیکھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا خبر لائے ہو؟ میں نے کہا امیر کے پاس خبر ہے، ابھی سن لوگے۔ اس نے کہا: کیا حسین بن علی شہید ہو گئے ہیں؟

عبد الملک کہتا ہے: میں آگے بڑھ گیا اور عمرو بن سعید کے پاس پہنچا۔ اس نے پوچھا: کیا خبر ہے؟ میں نے کہا: امیر کے لیے خوشی کی خبر ہے؛ حسین بن علی قتل ہو گئے ہیں۔ اس نے کہا: جا کر لوگوں میں اعلان کر دو۔ میں گیا اور اعلان کیا۔ اللہ کی قسم! میں نے اُس وقت تک اس طرح گریہ کی آواز نہیں سنی تھی، جیسا بنی ہاشم کے گھروں سے حسین کے غم میں مستورات کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پھر میں عمرو بن سعید کے پاس لوٹ گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر ہنسنے لگا اور اس نے عمرو بن معدی کرب کے یہ شعر پڑھے:

عَجَّتْ نِسَاءُ بَنِیْ زِیَادٍ عَجَّةً	كَعَجِیجِ نِسوَتِنَا غَدَاةَ الارنَبِ
بنی زیاد کی عورتوں نے ایسے گریہ کیا جیسے	ہماری عورتوں نے جنگ ارنب میں کیا تھا

پھر کہا: عزاداری کی یہ آواز عثمان بن عفان کا بدلہ ہے! پھر منبر پر گیا اور حسین بن علی علیہ السلام کے قتل کی لوگوں کو خبر دی اور یزید کے لیے دعا کی اور نیچے اتر آیا۔[1]

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۶۹، ۴۷۰؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۳، ص۲۵، ۳۰۔

ابن ابی الحدید نے نقل کیا ہے کہ عمرو بن سعید نے منبر پر جا کر لوگوں کو امام حسینؑ کی شہادت کی خبر دی، کچھ اشعار پڑھے اور پھر پیغمبر اکرمؐ کی قبر مبارک کی طرف اشارہ کر کے کہا: آج یہ، جنگ بدر کا بدلہ ہے۔[۲]

۱۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۲۳؛ تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۶۵، ۴۶۶۔

۲۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج۴، ص۷۱، ۷۲۔

تیسری فصل

اہل بیت علیہم السلام شام کے راستے میں

قیدیوں اور سروں کی شام روانگی

قدیمی کتب میں اہل بیت علیہم السلام کے کوفہ میں ٹھہرنے کی مدت کے بارے میں واضح بیان نہیں ملتا۔ شیخ مفیدؒ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن سعد بارہ محرم الحرام کو اسیروں کا قافلہ لے کر کوفہ میں داخل ہوا اور اسی دن ابن زیاد نے قافلہ کو دربار میں بلایا اور حضرت زینب اور امام سجاد علیہما السلام نے خطبے دیے۔ دوسرے دن تیرہ محرم الحرام کو ابن زیاد نے حکم دیا کہ امام حسین علیہ السلام کے سر کو کوفہ کی گلیوں میں پھیرایا جائے۔ پھر اس نے شہدائے کربلا کے سر، شام لے جانے کے لیے زَحر بن قیس کو دیئے۔ ابوبُردہ بن عوف ازدی، طارق بن ابی ظبیان اور کوفیوں کا ایک گروہ اس کے ساتھ روانہ کیا۔ پھر حکم دیا کہ امام سجاد علیہ السلام کی گردن میں طوق ڈالا جائے اور عورتوں اور بچوں کو تیار کیا جائے۔ پھر ان کو شمر بن ذی الجوشن اور مُحَفَّر بن ثعلبہ عائذی کے ہمراہ شام بھیجا اور یہ لوگ راستے میں سروں کے ساتھ مل گئے۔[1]

اسی طرح سبط ابن جوزی نے لکھا ہے کہ قیدیوں کے کوفہ میں داخل ہونے کے دوسرے دن ابن زیاد نے انہیں شام بھیج دیا۔[2]

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ابن زیاد اور یزید کے درمیان خط و کتابت ہوئی جس کا ذکر ابن سعد اور طبری نے کیا ہے:

وہ کہتے ہیں کہ جب حسین بن علی علیہ السلام شہید ہو گئے تو ابن زیاد نے زَحر بن قیس کو یزید کے پاس بھیجا اور اسے آپ علیہ السلام کی شہادت اور خاندانِ اہل بیت علیہم السلام کی اسیری کی خبر دی[3] اور اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داری

۱۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۱۴تا۱۱۸۔

۲۔ سبط بن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص۲۶۰۔

۳۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش۱۰، ص۱۹۰۔

پوچھی۔ یزید نے اسیروں کو شام بھیجنے کا حکم دیا۔[1] اس خط و کتابت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کے قیدی قافلے نے کوفہ میں کچھ دن گزارے۔

بہت سے مؤرخین نے شہدائے کربلا کے سر، شام بھجوائے جانے کے بارے میں لکھا ہے؛ لیکن کیا قیدیوں کو بھی سروں کے ساتھ بھیجا گیا یا علیحدہ؟ اس بارے میں چند اقوال:

الف) مشہور قول یہ ہے کہ پہلے سر بھیجے گئے، پھر ان کے پیچھے قیدیوں کو شام روانہ کیا گیا۔

ب) بعض نے کہا ہے: ابن زیاد نے شہدا کے سر، زحر بن قیس کو دے یزید کے پاس بھیجا اور اس کے ساتھ ابو بردہ بن عوف زادی، طارق بن ابی ظبیان ازدی اور کوفیوں کا ایک گروہ روانہ کیا۔[2]

ج) کچھ نے لکھا ہے: ابن زیاد نے اسیروں کو محفر بن ثعلبہ اور شمر بن ذی الجوشن کے ساتھ شام بھیجا اور وہ راستے میں سروں کے قافلے کے ساتھ جا ملے۔[3]

د) زحر بن قیس کو ابن زیاد نے یزید کے پاس بھیجا اور محفر بن ثعلبہ کو امام علیہ السلام کا سر دیا۔[4]

و) زحر بن قیس، محفر بن ثعلبہ عائذی اور شمر بن ذی الجوشن قیدیوں کو شام لے گئے اور یہ سب امام حسین علیہ السلام کے سر ساتھ یزید کے دربار میں داخل ہوئے۔[5]

ہ) محفر بن ثعلبہ کو سر اور قیدیوں کے ہمراہ شام بھیجا گیا۔[6]

مشہور قول یعنی پہلے سروں کو بھیجنا اور پھر ان کے پیچھے قیدیوں کو بھیجنا، زیادہ قرینِ عقل محسوس ہوتا ہے؛ کیونکہ دشمن کی خواہش تھی جتنا جلد ممکن ہو، یزید کو اپنی کامیابی سے آگاہ کیا جائے۔

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۶۳؛ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۲۰۷، ۲۰۸۔

[2] ۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۱۵؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۵۹؛ شیخ مفید، الاشاد، ج۲، ص۱۱۸؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص۲۴۸؛ ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق الکبیر، ج۲۰، ص۳۲۴؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص۲۰۸۔

[3] ۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۱۹؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص۲۴۸۔

[4] ۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش۱۰، ص۱۹۱؛ بلاذری انساب الاشراف، ج۳، ص۴۱۶۔

[5] ۔ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۸۴، ۳۸۵۔

[6] ۔ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۲۰۸۔

یزید کی فوج نے اہل بیتؑ کے ساتھ ہر قسم کی سختی اور ظلم و ستم روا رکھا۔ چنانچہ جب ابن زیاد کوفہ میں اہل بیتؑ کے دلیرانہ خطبات کی وجہ سے ذلیل و رسوا ہوا، تو اس نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کو اسی ناگفتہ بہ حالت میں جلدی شام روانہ کیا جائے۔ اسی لیے امام سجاد اور اہل بیتؑ کو شمر بن ذی الجوشن اور محفر بن ثعلبہ کی نگرانی میں شام بھیجا۔ امام زین العابدینؑ بھاری طوق اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور آپ کے ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔[1]

آپؑ راستے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف رہے اور اپنے اہل و عیال کے علاوہ کسی کے ساتھ بات نہیں کرتے تھے۔[2]

اس بارے میں امام سجادؑ فرماتے ہیں:

مجھے ایک لاغر اونٹ پر سوار کیا گیا جس پر لکڑی کا پلان تھا اور اس کے نیچے کپڑا بھی نہیں تھا۔ امام حسینؑ کا سر نیزے پر سوار تھا۔ میرے پیچھے ہماری مخدرات لاغر اونٹوں پر سوار تھیں جن کی ہڈیاں نظر آرہی تھیں۔ ہمارے پیچھے ہمارے بچے اور ارگرد نیزے تھے۔ اگر کسی کی آنکھ میں آنسو آجاتے تو اس کے سر پر نیزہ مارتے تھے۔ اسی حالت میں ہم شام میں داخل ہوئے۔

پھر فرمایا:

حَتّٰى اِذَا دَخَلْنَا الدِّمِشْقَ صَاحَ صَائِحٌ: يَا اَهْلَ الشَّام! هٰؤُلَاءِ سَبَايَا اَهْلِ الْبَيْتِ الْمَلْعُوْنَ۔[3]

۱۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۷۶۔

۲۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ج ۶۰، ص ۱۰۳؛ عماد الدین طبری، کامل بہائی، ج ۲، ص ۲۹۱۔

۳۔ سید بن طاووس، الاقبال بالاعمال الحسنہ فی مایعمل مرة فی السنة، ج ۳، ص ۸۹۔

جب ہم دمشق میں داخل ہوئے تو منادی نے ندا دی: اے اہل شام! یہ قیدی، خدا کی رحمت سے دور اہل بیت ہیں۔

ابن اعثم کوفی اور خوارزمی نے نقل کیا ہے کہ ابن زیاد کے سپاہی، رسول خداؐ کے حرم کو کوفہ سے شام تک بے پردہ محملوں پر سوار کر کے ایک شہر سے دوسرے شہر لے گئے جیسے ترک اور دیلم کے قیدیوں کو لے جاتے تھے۔[1] سید بن طاووس نے بھی کہا ہے کہ کوفہ سے شام تک اہل بیتؑ کے چہرے کھلے تھے۔[2]

اس کی واضح دلیل حضرت زینبؑ کا یزید کے سامنے اعتراض ہے:

أَمِنَ الْعَدْلِ یَابْنَ الطُّلَقَاءِ تَخْدِیْرُکَ حَرَائِرَکَ وَإِمَائَکَ وَسَوْقُکَ بَنَاتِ رَسُوْلِ اللهِؐ سَبَایَا قَدْ هُتِکَتْ سُتُوْرُهُنَّ وَ أُبْدِیَتْ وُجُوْهُهُنَّ تَحْدُوْا بِهِنَّ الْأَعْدَاءُ مِنْ بَلَدٍ إِلٰی بَلَدٍ وَ یَسْتَشْرِفُهُنَّ أَهْلُ الْمَنَاقِلِ۔[3]

اے آزاد کردہ غلاموں کی اولاد! کیا یہ عدل ہے کہ تم نے اپنی عورتوں اور کنیزوں کو پردے میں بٹھایا ہوا ہے اور رسول زادیوں کو قیدی کیا ہے؟ ان کے پردوں کی توہین کی گئی، ان کے چہروں کو کھلا رکھا گیا، تاکہ دشمن ان کو شہر شہر پھرائیں اور لوگ ان کا تماشا دیکھیں۔

ان روایات سے یزیدی فوج کے غیر انسانی سلوک کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اے کاش! اموی حکومت اجازت دیتی تو تاریخ نویس ان کے سارے مظالم بیان کرتے۔

۱۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۲۷؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۵۶، ۵۵۔

۲۔ سید بن طاووس، الطرائف فی معرفۃ مذاہب الطوائف، ص۱۶۶۔

۳۔ الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۲۱۵، ۲۱۶؛ طبرسی، الاحتجاج، ج۲، ص۱۲۵؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۶۴؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۱۳۴، ۱۵۸؛ ابن طیفور، بلاغات النساء، ص۲۱۔

کوفہ اور شام کے درمیان منازل

مؤرخین نے کاروان حسینیؑ کی مکہ سے کربلا تک کی منازل کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور راستے میں پیش آنے والے بہت سے واقعات بھی ذکر کیے ہیں؛ لیکن کوفہ سے شام کے راستے میں اہل بیتؑ کے ساتھ پیش آنے والے حالات کے بارے میں خاموش ہیں اور کوئی ایسی مرتب اور منظم تحریر موجود نہیں ہے جس میں راستے کی منازل، آبادیوں اور پیش آنے والے واقعات کا تفصیلی تذکرہ ہو۔ صرف چند گنے چنے واقعات کا تذکرہ ملتا ہے۔ چنانچہ محدث قمیؒ فرماتے ہیں: اہل بیتؑ کے کوفہ سے شام جانے کے بارے میں معتبر اور مشہور علما نے چند واقعات کے علاوہ کوئی منظم اور مرتب تاریخ نہیں لکھی۔[1]

اس کے بارے میں سب سے قدیمی تاریخ عماد الدین طبری کی روایت ہے جو کامل بہائی میں نقل ہوئی ہے۔ یہ کتاب متعدد تاریخی اور جغرافیائی اشکالات کی وجہ سے قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ اس نے دو صفحات پر مشتمل تحریر میں کوئی حوالہ ذکر کیے بغیر، کوفہ سے شام تک شہروں اور آبادیوں کے نام ذکر کیے ہیں جن کی تائید جغرافیا کی کتب سے نہیں ملتی اور اسی طرح قیدیوں کے متعلق بھی کچھ واقعات ذکر کیے ہیں جبکہ ان واقعات کی بھی تاریخ سے تائید نہیں ملتی؛ مثلاً: اس نے شہروں میں "مُرزین" اور "بعلبک" کا نام ذکر کیا ہے، جو قدیمی کتب کے مطابق کاروانِ اہل بیتؑ کے راستے میں نہیں تھے، کیونکہ مُرزین، اسلامی حکومت کے مشرق یعنی بخارا میں واقع تھا[2] اور قدیم جغرافیادانوں نے شام کے راستے میں اس نام سے کوئی شہر ذکر نہیں کیا۔ بعض محققین[3] نے کہا ہے کہ بعلبک، کوفہ سے شام کے راستے میں موجود نہیں ہے اور ان شہروں سے کاروان لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے شام جانے کے لیے جان بوجھ طولانی راستے اختیار کیے، حالانکہ انہیں شام پہنچنے کی جلدی تھی اور ان کے لیے کوئی رکاوٹ بھی نہ تھی۔

۱۔ شیخ عباس قمی، منتہی الآمال، ج ۲، ص ۹۶۱۔

۲۔ عبد الکریم سمعانی، الانساب، ج ۵، ص ۲۵۷؛ جلال الدین سیوطی، لب اللباب فی تحریر الانساب، ص ۲۴۱۔

۳۔ سید جعفر شہیدی، زندگانی علی بن الحسین، ص ۶۲، حاشیہ نمبر ۹۔

عماد الدین کا یہ کہنا یقینی طور پر صحیح نہیں ہے کہ یہ شہر کوفہ سے شام کے راستے میں سب سے پہلا اور مُرزین اور مَیَّافارِقین سے پہلے واقع ہے ؛ نیز اُس نے تاریخی لحاظ سے گمنام لوگوں کو ان شہروں کا حاکم بتایا ہے مثلاً قسم بن ربیع، نصر بن عتبہ اور منصور بن الیاس، جو تاریخ میں بالکل موجود ہی نہیں ہیں۔ اسی طرح اس نے شام جانے کے لیے عمر بن سعد کو کاروان کا لیڈر کہا ہے جس کی قدیمی کتب سے تائید نہیں ملتی۔ پس اس نے جو کچھ کہا ہے وہ قابلِ اعتماد نہیں۔

اس دور میں عراق سے شام جانے کے لیے تین راستے تھے:

۱۔ طریق سلطانی: یہ آباد راستہ تھا اور بعض شہروں سے گزرتا تھا۔

۲۔ کوفہ سے ایک سیدھا راستہ جو بادیۃ الشام کے علاقے سے گزرتا تھا اور یہ صحرائی راستہ تھا۔

۳۔ کوفہ اور شام کے درمیان ایک روایتی راستہ، جو دریائے فرات کے مغربی ساحل، انبار، ہِیت، قِرقیسیا، رقّہ اور صفین کے شہروں سے گزرتا تھا۔

شام کے راستے میں کرامات کا ظہور

بعض مؤرخین اور مقتل نگاروں نے لکھا ہے کہ جب ابن زیاد کے فوجی، سروں اور قیدیوں کو شام لے جا رہے تھے، تو کچھ شہروں اور آبادیوں میں آرام کرتے تھے۔ کبھی ان مقامات پر غیر معمولی واقعات پیش آتے، جو بعض لوگوں کے خوابِ غفلت سے بیدار ہونے کا سبب بنتے تھے۔ ہم مندرجہ ذیل چند واقعات بیان کرتے ہیں جو تاریخ میں ذکر ہوئے ہیں:

۱۔ راہب کا اسلام قبول کرنا

بعض علمائے تاریخ، حدیث اور مقتل لکھنے والوں نے کرامت ذکر کی ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے ایک راہب نے سرِ مبارک سے گفتگو کی اور مسلمان ہو گیا۔ پھر راہب نے سر کے بدلے میں سپاہیوں کو سونے اور چاندی کے جو سکے دیئے تھے، مٹی میں بدل گئے۔ راوندی نے سلیمان بن مہران اعمش سے اس کی تفصیل یوں نقل کی ہے:

میں حج کے موسم میں طواف کر رہا تھا۔ طواف کے دوران ایک شخص کو یوں دعا مانگتے دیکھا:

اے اللہ! مجھے بخش دے، اگرچہ میں جانتا ہوں کہ تو مجھے ہر گز نہیں بخشے گا!

یہ سن کر مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ میں نے اس سے پوچھا: اے بندہ خدا! تم خدا اور رسول کے حرم میں کھڑے ہو۔ یہ احترام کے دن ہیں، عظیم مہینہ ہے، تم اللہ تعالیٰ کی بخشش سے ناامید کیوں ہو؟

اس نے کہا: میرا گناہ بہت بڑا ہے۔

میں نے کہا: کوہِ تہامہ سے بھی بڑا ہے؟

اس نے کہا: ہاں۔

میں نے کہا: اتنا بڑا گناہ ہے کہ محکم پہاڑوں کا مقابلہ کرتا ہے؟

اس نے کہا: ہاں، اگر تم چاہو تو تجھے بتا دیتا ہوں۔

میں نے کہا: بولو۔

کہنے لگا: حرم سے باہر جا کر بتاتا ہوں۔

ہم حرم سے باہر چلے گئے۔ اس نے کہا: میں ابن سعد لعین کی فوج کا ایک بدبخت سپاہی تھا۔ جب حسینؑ شہید ہو گئے تو میں ان چالیس افراد میں شامل تھا جو آپ کے سر مبارک کو کوفہ سے شام لے گئے۔ ہم شام جاتے ہوئے راستے میں عیسائیوں کے دیر (بستی) میں ٹھہرے۔[1] امامؑ کا سر نیزے پر تھا اور اس کے ساتھ پہرہ دار بھی تھے۔ جب ہم کھانا کھانے بیٹھے تو اچانک دیکھا کہ دیر (عیسائیوں کی بستی) کی دیوار پر ایک ہاتھ یہ کلمات لکھ رہا تھا:

أَتَرْجُوا أُمَّةٌ قَتَلَتْ حُسَيْنًا شَفَاعَةَ جَدِّهِ يَوْمَ الْحِسَابِ

کیا وہ امت امید | روز قیامت اس

ا۔ ابن شہر آشوب نے اس جگہ کا نام "قِنسرین" لکھا ہے (ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۶۷)

رکھتی ہے — کے نانا کی

جس نے — شفاعت کی

حسین کو

قتل کیا،

ہم یہ دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے۔ ہم میں سے کچھ لوگوں نے اٹھ کر اسے پکڑنے کوشش کی لیکن وہ ہاتھ غیب ہو گیا اور میرے ساتھی واپس دستر خوان پر لوٹ آئے۔ پھر دیکھا کہ ہاتھ دوبارہ ظاہر ہو کر لکھنے لگا:

فَلَاوَاللهِ لَيْسَ لَهُمْ شَفِيعٌ — وَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الْعَذَابِ

نہیں ، — وہ روز

اللہ کی قسم! — قیامت

ان کا کوئی — عذاب میں

شفاعت — ہوں گے

کرنے والا

نہیں

میرے کچھ ساتھی اسے پکڑنے کے لیے اٹھے، لیکن وہ پھر غائب ہو گیا۔ وہ واپس آ کر بیٹھ گئے۔ ہاتھ تیسری مرتبہ ظاہر ہوا اور یہ لکھا:

وَقَدْ قَتَلُوا الْحُسَيْنَ بِحُكْمِ جَوْرٍ — وَخَالَفَ حُكْمُهُمْ حُكْمَ الْكِتَابِ

انہوں — اور اس

نے ظالم — کا حکم قرآن

کے حکم — کے حکم کے

سے حسین — خلاف تھا

کو قتل کیا

میں نے کھانا چھوڑ دیا، جیسے مجھے بھوک ہی نہ ہو۔ ایک راہب دَیر سے ہمیں دیکھ رہا تھا کہ سر سے ایک نور بلند ہو رہا ہے۔ اس نے جا کر پہرہ داروں سے پوچھا: تم کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم عراق سے آئے ہیں۔ ہم نے حسین سے جنگ کی ہے۔ راہب نے پوچھا: حسین بن فاطمہ، تمہارے نبی اور نبی کے چچازاد (علی بن ابی طالب) کا بیٹا؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ راہب نے کہا: تم پر لعنت ہو! اللہ کی قسم!، اگر عیسی بن مریم کا بیٹا ہوتا تو ہم اسے اپنی آنکھوں میں جگہ دیتے۔ میری ایک درخواست ہے۔ انہوں نے کہا: کون سی؟ راہب نے کہا: اپنے سردار سے کہو، میرے پاس بارہ ہزار دینار ہیں جو میں نے اپنے اجداد سے میراث پائی ہے وہ تجھے دیتا ہوں اور جب تک تم یہاں ٹھہرے ہو، یہ سر مجھے دے دو۔ جب جاؤ گے تو تجھے واپس کر دوں گا۔

سپاہیوں نے عمر سعد کو بتایا: اس نے کہا دینار لے لو اور ہماری روانگی تک سر اسے دے دو۔ انہوں نے راہب سے کہا: دینار لے آؤ، ہم تجھے سر دیتے ہیں۔ راہب نے پانچ ہزار دینار پر مشتمل دو تھیلیاں ان کو دیں۔ عمر بن سعد نے حکم دیا کہ ان کا وزن کر کے چیک کیا جائے۔ پھر اس نے تمام رقم اپنی کنیز کے حوالے کی اور حکم دیا کہ سر، راہب کو دے دو۔

راہب نے سر لیا، اسے غسل دیا، صاف کیا اور مشک اور کافور کے ساتھ معطر کیا، ریشمی کپڑے میں لپیٹا اور اپنی گود میں رکھ کر مسلسل گریہ کرنے لگا اور اشک بہانے لگا، یہاں تک کہ اس کے رونے کی آواز بلند ہوئی۔ سپاہیوں نے سر واپس مانگ لیا۔ اس نے سر مبارک کو مخاطب کر کے کہا: اے سر! مجھے اپنے علاوہ پر کسی پر قدرت حاصل نہیں ہے۔ قیامت کے دن اپنے نانا کے سامنے گواہی دینا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے عبد اور اس کے رسول ہیں۔ میں تیرے ذریعے مسلمان ہوا ہوں اور تیرا غلام ہوں۔ پھر پہرہ داروں سے کہا: میں تمہارے سردار سے بات کرنا چاہتا ہوں اور بعد میں سر تمہیں دوں گا۔ عمر بن سعد قریب آیا۔ راہب نے کہا: میں تجھے اللہ اور محمدؐ کی قسم دیتا ہوں کہ اب کے بعد اس سر کے ساتھ یہ سلوک نہ کرنا۔ اس کو صندوق سے باہر نہ نکالنا۔

عمر سعد نے کہا: ایسا ہی کروں گا۔ پھر راہب نے سر واپس دے دیا اور دَیر (بستی) سے نکل کر پہاڑوں کی طرف چلا گیا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگا۔ عمر سعد بھی چل پڑا لیکن سر کے ساتھ پہلے جیسا سلوک ہی کیا۔ جب وہ (سپاہی) دمشق کے قریب پہنچے تو عمر سعد نے اپنے سپاہیوں کو اترنے کا حکم دیا۔ پھر اپنی کنیز سے کہا: دیناروں والی تھیلیاں لے آؤ۔ وہ لے آئی اور اس عمر سعد کے سامنے رکھ دیں۔ عمر سعد نے ان کی مہر کو دیکھا اور کھولنے کا حکم دیا۔ دیکھا کہ دینار مٹی کی ٹھیکریاں بن چکے تھے اور ان کی ایک طرف لکھا ہوا تھا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غٰفِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ[1]

"اور خبردار! خدا کو ظالمین کے اعمال سے غافل نہ سمجھ لینا"

دوسری طرف لکھا تھا:

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْ[2]

"اور ظلم سہنے کے بعد اس کا انتقام لیا اور عنقریب ظالمین کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس جگہ پلٹا دیئے جائیں گے"

عمر سعد نے کہا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، میں نے اپنی دنیا اور آخرت خراب کر دی۔ پھر اپنے غلام سے کہا: ان کو نہر میں پھینک دو۔[3] وہ دوسرے دن دمشق میں داخل ہوا اور سر مبارک، یزید کو دیا۔[4]

دوسرے مؤرخین نے اس روایت کو تھوڑے سے فرق کے ساتھ ذکر کیا ہے۔[5]

---

[1]۔ ابراہیم (۱۴) ۴۲۔

[2]۔ شعراء (۲۶) ۲۲۷۔

[3]۔ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۲۶۴۔

[4]۔ قطب الدین راوندی، الخرائج والجرائح، ج ۲، ص ۵۷۸ تا ۵۸۰۔

۵۔ رجوع کریں: ابن حبان، کتاب الثقات، ج ۲، ص ۳۱۳؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۱۰۳؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۶۸۔

۲۔ امام حسین علیہ السلام کے سر مقدس کا قرآن پڑھنا

امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک نے کئی مقامات پر قرآنی آیات کی تلاوت کی۔ طبری نے حارث بن وُکیدہ سے کوفہ اور شام کے راستے میں امام حسین علیہ السلام کے سر اقدس کے قرآن پڑھنے کے بارے میں یوں نقل کیا ہے:

> میں بھی حسین کا سر اٹھانے والوں میں شامل تھا۔ میں نے سنا کہ آپ کا سر سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا۔ میں نے سمجھا کہ اباعبداللہ کی آواز سن رہا ہوں۔ سر نے مجھ سے کہا: اے وُکیدہ کے بیٹے! کیا تو جانتا ہے کہ ہم سارے ائمہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے ہاں سے رزق کھاتے ہیں؟
>
> میں نے سوچا کہ سر مبارک کو چرا لوں؛ سر نے کہا: اے وُکیدہ کے بیٹے! تو یہ کام نہیں کر سکتا۔ میرا خون بہانا، میرا سر اٹھانے سے بڑا گناہ ہے۔ مجھے رہنے دو۔ جب ان کی گردن میں طوق اور زنجیر ہوں گے اور منہ کے بل جہنم کی طرف گھسیٹے جائیں گے تو جان لیں گے۔[۱]

۳۔ جنوں کا امام حسین علیہ السلام پر گریہ

بعض کتب تاریخ میں ذکر ہوا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر جنوں نے بھی گریہ کیا۔ شیخ صدوق رحمہ اللہ نے فرمایا:

امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک شام لے جانے والے لوگ کہتے ہیں کہ ہم راتوں کو صبح تک جنوں کے نوحے سنتے تھے۔[۲]

۱۔ طبری امامی، دلائل الامامۃ، ص۸۷؛ طبری امامی، نوادر المعجزات، ص ۱۱۰، ۱۱۱۔

۲۔ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۳۱، ص ۲۳۰، ح۳؛ ابن فتال نیشاپوری، روضۃ الواعظین، ص ۱۹۰۔

راستے میں زیارتیں

امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک اٹھانے والے سپاہیوں سے نقل ہوا ہے کہ ہم راستے میں کچھ شہروں اور آبادیوں میں آرام کرتے تھے۔ علاقے کے لوگ امام علیہ السلام کے سر کا اتنا احترام کرتے تھے کہ جہاں پر سر سے خون کا قطرہ گرتا وہاں زیارتگاہ بن جاتی اور بعد میں لوگ اس کے اوپر گنبد بنا لیتے۔ وہاں سے کرامات بھی ظاہر ہوتیں۔ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے مناقب میں سے ایک منقبت، وہ کرامات اور معجزات ہیں جو کربلا سے عسقلان اور موصل، نصیبین، حماۃ، حِمص، دمشق اور دوسرے مقامات پر موجود زیارتگاہوں سے ظاہر ہوئے، جنہیں مشہد الرأس کہا جاتا ہے۔[1]

ہم یہاں، مذکورہ مقامات پر پیش آنے والے واقعات کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

۱۔ نصیبین میں مشہد النقطہ

ابو الحسن ہروی نے لکھا ہے: شہر نصیبین میں "مشہد النقطہ" موجود ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہاں امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کا خون ہے۔ تیر گروں کے بازار میں "مشہد الرأس" ہے، جب شام جاتے اسیروں کو یہاں سے گزارا گیا تو امام علیہ السلام کا سر یہاں لٹکایا گیا تھا۔[2]

۲۔ حلب میں مشہد النقطہ

حلب کے مشہور شیعہ مصنف ابن ابی طیؒ لکھتے ہیں کہ "مشہد النقطہ" اور "مشہد الدکہ" کے بارے میں ابن شداد کے ذریعہ ہم تک خبر پہنچی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "مشہد حسین" حلب کے آثار قدیمہ میں سے ہے جو "کوہِ جوشن" کے دامن میں واقع ہے۔

---

[1]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۸۹، ۹۰۔

[2]۔ ابو الحسن ہروی، الاشارات لی معرفۃ الزیارات من صحیح الروایات، ص۶۰۔

غزی حلبی نے لکھا ہے: یزید کے سپاہیوں نے امام حسینؑ کے سر کو حلب سے گزارا۔ وہ ایک پہاڑ کے قریب رکے اور سر کو ایک پتھر کے اوپر رکھا۔ سر سے خون کا ایک قطرہ ٹپکا۔ پھر اس پر مشہد النقطہ کے نام سے زیارت گاہ بن گئی۔[1]

کہا جاتا ہے کہ عبد الملک بن مروان کے زمانے تک یہ پتھر اپنی جگہ پر موجود تھا، لیکن اس نے حکم دیا کہ اس کو کسی نامعلوم جگہ پر منتقل کر دیا جائے۔ لوگوں نے اس پتھر کی جگہ مزار بنا دیا اور کا نام نقطہ یا مشہد النقطہ رکھا۔

۳۔ حلب میں مشہد السقط

یاقوت حموی نے لکھا ہے: حلب کے مغرب میں کوہِ جوشن کے دامن میں محسن بن الحسین کی قبر ہے۔ (حلب کے لوگ) کہتے ہیں: جب قیدیوں کو عراق سے شام لے جا رہے تھے تو بچہ سقط ہوا تھا یا حلب میں ان کے ساتھ ایک بچہ تھا جو یہاں دفن ہوا ہے۔[2]

بابِ دمشق کے قریب

سید بن طاووس لکھتے ہیں:

امام حسینؑ کے سر کو عورتوں اور قیدیوں کے ہمراہ روانہ کیا گیا۔ جب دمشق کے قریب پہنچے تو حضرت ام کلثومؑ شمر کے پاس گئیں اور اس سے کہا: میری ایک درخواست ہے۔ اس نے کہا: کون سی؟ بی بی نے فرمایا: ہمیں اس دروازے سے شہر میں لے جانا، جہاں تماشائی کم ہوں اور حکم دے کہ سروں کو محملوں سے دور لے جائیں۔ لوگ ہمیں اس حال میں دیکھیں گے اور ہم شرمسار ہوں گے۔

۱۔ غزی بالی حلبی، نہر الذہب فی تاریخ حلب، ج۳، ص۲۵، ۲۴۔

۲۔ یاقوت حموی، معجم البلدان، ج۲، ص۳۲۷۔

شمر نے حکم دیا کہ نیزوں پر سوار سروں کو محملوں کے درمیان لایا جائے اور ان کو تماشائیوں کے درمیان سے گزارا جائے۔ وہ اسی حالت میں دمشق کے دروازے پر پہنچے اور ان کو جامع مسجد میں وہاں ٹھہرایا گیا جہاں قیدیوں کو رکھا جاتا تھا۔[1]

[1]۔ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۲۱۰؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۹۷۔

چوتھی فصل

اہل بیت علیہم السلام، شام میں

مقدمہ

شام میں اسیرانِ اہل بیت علیہم السلام کے واقعات ذکر کرنے سے پہلے، ہم اس شہر میں بنی امیہ کے اثر و رسوخ کے بارے میں بیان کریں گے، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اہل بیت علیہم السلام کو جس شہر میں لایا گیا وہاں بنی امیہ کی محبت اور علیو اولادِ علی علیہ السلام کا بغض کس حد تک پایا جاتا تھا جس نے اسیر انِ اہل بیت علیہم السلام کے زخموں پر نمک چھڑکنے کا کام کیا۔ دمشق اور کوفہ میں بہت زیادہ فرق تھا کیونکہ کوفہ میں شیعیان اہل بیت علیہم السلام رہتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اسیروں کی آمد کے وقت ان دونوں شہروں کے لوگوں کا ردعمل بہت مختلف تھا۔

خلیفہ اول نے اپنے دورِ خلافت میں پہلی مرتبہ یزید بن ابی سفیان (معاویہ کے بھائی) کو لشکر کا کمانڈر بنا کر شام بھیجا۔[1] دوسرے خلیفہ نے یزید بن ابی سفیان کو دمشق کی فتح کے بعد دمشق کا حکمران بنادیا۔[2] سترہ ہجری کو یزید بن ابی سفیان طاعون کے مرض کی وجہ سے مر گیا۔ عمر بن خطاب نے اس کے بھائی معاویہ بن ابی سفیان کو دمشق اور اردن کا حاکم بنادیا۔[3] جناب عمر کی وفات تک معاویہ بن ابی سفیان اپنے منصب پر باقی رہا۔[4] اس دوران معاویہ نے فرصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی حکومت کو بہت زیادہ مضبوط کر لیا تھا۔

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۳، ص ۴۲۷؛ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج۲، ص ۱۳۳۔

۲۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۵، ص ۱۷؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۴، ص ۲۸۹۔

۳۔ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج۲، ص ۱۵۰؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۴، ص ۲۸۹۔

۴۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۴، ص ۲۸۹؛ ابن سعد، الطبقات الکبری، ج۷ م ص ۴۰۶۔

عثمان بن عفان نے اپنی خلافت کے زمانے میں معاویہ کا دائرہ قدرت اور بڑھا دیا، جس کے بعد وہ دمشق اور اردن کے ساتھ ساتھ حمص، فلسطین اور قنسرین کا بھی حاکم بن گیا[1] جس کی وجہ سے اسے اپنا نفوذ اور تسلط بڑھانے کا موقع مل گیا۔

معاویہ نے سنہ ۳۵ ہجری خلیفہ سوم کے قتل تک، سترہ سال شام پر حکومت کی اور تام الاختیار حاکم کے طور پر ان علاقوں پر مسلط رہا۔ اس عرصے میں اس نے شام کے لوگوں میں پوری طرح اپنے افکار اور نظریات رائج کیے۔ وہ شام کے لوگوں میں بنی امیہ کی محبت کو منتقل کرنے میں کامیاب رہا اور ان کو یزید کا مطیع بنا دیا۔ اس نے یزید کو شام کے لوگوں کے بارے میں تاکید کرتے ہوئے کہا: شام کے لوگوں کو عطا کرنا کیونکہ یہ تیرے مددگار ہیں۔ اگر تجھ پر کوئی دشمن حملہ آور ہو تو ان سے مدد لینا۔ اہل شام کو اپنے وطن میں لوٹانا کیونکہ اگر وہ کسی اور سرزمین پر چلے گئے تو ان کے اخلاق خراب ہو جائیں گے۔[2]

حضرت علیؑ کی خلافت کے زمانے میں، وہ ہمیشہ آپؑ کے ساتھ برسرپیکار رہا۔ چالیس ہجری میں آپؑ کی شہادت اور امام حسنؑ کے ساتھ صلح کے بعد، وہ صرف کسی ایک علاقے کا حکمران نہ رہا بلکہ پوری اسلامی مملکت کا خلیفہ بن گیا اور بیس سال تک اس منصب پر براجمان رہا۔ واضح ہے کہ اس نے ان بیس سالوں میں شام میں اپنا نفوذ جما لیا اور لوگوں کو اپنا مطیع بنا لیا تھا۔

ابن طقطقی نے لکھا ہے کہ اہل شام اور مصر کے دلوں میں بنی امیہ کی محبت گھر کر چکی تھی اور وہ بنی امیہ کے مکمل طرفدار بن چکے تھے۔[3]

شام کے لوگ معاویہ بن ابی سفیان کے اتنے مطیع ہو چکے تھے کہ امیر المومنین حضرت علیؑ نے کوفیوں کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا تھا:

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۴، ص۲۸۹۔

۲۔ ابن طقطقی، الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ، ص۱۱۵۔

۳۔ ابن طقطقی، الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ، ص۱۴۲۔

صَاحِبُكُمْ يُطِيعُ اللهَ وَ أَنْتُمْ تَعْصُونَهُ وَ صَاحِبُ أَهْلِ الشَّامِ يَعْصِي اللهَ وَ هُمْ يُطِيعُونَهُ لَوَدِدْتُ وَ اللهِ أَنَّ مُعَاوِيَةَ صَارَفَنِي بِكُمْ صَرْفَ الدِّينَارِ بِالدِّرْهَمِ فَأَخَذَ مِنِّي عَشَرَةً مِنْكُمْ وَ أَعْطَانِي رَجُلًا مِنْهُمْ [1]

تمہارا رہبر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور تم اس کی مخالفت کرتے ہو؛ لیکن اہل شام کا رہبر خدا کی معصیت کرتا ہے اور لوگ اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے پسند ہے کہ معاویہ تم میں سے دس افراد کے بدلے مجھے ان میں سے ایک شخص دے دے؛ جیسے صرّاف سونے کے سکے لیتا ہے اور چاندی کے سکے دیتا ہے۔

مشہور مؤرخ مسعودی شامیوں کی اطاعت کے بارے میں لکھتے ہیں:

شام والے معاویہ کے ایسے مطیع اور اس کے سامنے سر تسلیم خم ہو چکے تھے کہ جب جنگ صفین میں اس نے بدھ کے روز نمازِ جمعہ پڑھائی تو انہوں نے قبول کر لیا... کیونکہ انہوں نے اپنی عقلیں معاویہ کے سپرد کر رکھی تھیں۔ اس کے بعد وہ اتنے تسلیم ہو گئے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کرنا ان کا رواج بن گیا تھا۔ بچے آپ علیہ السلام پر لعنت کرتے ہوئے بڑے ہوتے اور بوڑھے مر جاتے تھے۔ [2]

معاویہ کے مرنے کے بعد شامیوں نے لشکرِ شام کے کمانڈر سے کہا: اللہ کی قسم! امیر المومنین ہمارے ہاتھ سے چلا گیا ہے۔ اب خلافت ابو تراب کے بیٹوں کے پاس چلی جائے گی۔ ہم اسے ہر گز قبول نہیں کریں گے۔ [3]

۱۔ نہج البلاغہ، تحقیق صبحی صالح، خطبہ ۹۷۔

۲۔ مسعودی، مروج الذہب، ج ۳، ص ۴۱۔

۳۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۴، ص ۳۴۶۔

اہل شام کی نادانی

مؤرخین نے شامیوں کی نادانی کو، بنی امیہ کی اندھی تقلید کرنے کا سب سے بڑا سبب جانا ہے۔ قزوینی نے اپنی کتاب آثار البلاد و اخبار العباد میں لکھا ہے کہ شام کے لوگ نافہمی اور سادہ لوحی میں مشہور ہیں۔[1]

یہی وجہ ہے انہوں نے امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے خلاف بغاوت اور امیر شام کی اطاعت کی۔

مسعودی نے لکھا ہے:

جنگ صفین کے بعد ایک کوفی، اونٹ پر سوار ہو کر دمشق گیا۔ کسی شامی نے اس سے جھگڑا کیا کہ یہ ناقہ میری ہے اور یہ تو نے جنگ صفین میں مجھ سے چھینی تھی۔ وہ دونوں فیصلے کے لیے معاویہ کے پاس گئے۔ دمشقی شخص پچاس گواہ لے گیا۔ ان سب نے شہادت دی کہ یہ ناقہ اس کی ہے۔ معاویہ نے کوفی کے خلاف اور شامی کے حق میں فیصلہ دیا اور حکم دیا کہ یہ اونٹ شامی کو دے دیا جائے۔ کوفی نے کہا: اللہ تعالیٰ تجھے خیر دے! یہ اونٹ ہے، ناقہ نہیں ہے۔ معاویہ نے کہا: اب میں نے حکم صادر کر دیا ہے۔ جب لوگ چلے گئے تو معاویہ نے کوفی شخص کو بلایا، اس سے اونٹ کی قیمت پوچھی اور اسے دگنی قیمت ادا کی اور پھر کہا: علی سے کہنا کہ میں ایسے ایک لاکھ لوگوں کے ہمراہ تیرے ساتھ جنگ کروں گا، جنہیں اونٹ اور ناقہ کی پہچان بھی نہیں ہے۔

دراصل حکومتِ شام نے لوگوں کی آگاہی کے تمام راستے بند کر رکھے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنینؑ نے جنگ صفین میں اپنے سپاہیوں سے فرمایا:

أَلَا وَإِنَّ مُعَاوِيَةَ قَادَ لُمَةً مِنَ الْغُوَاةِ وَعَمَّسَ عَلَيْهِمُ الْخَبَرَ حَتَّى جَعَلُوا نُحُورَهُمْ أَغْرَاضَ الْمَنِيَّةِ[2]

۱۔ قزوینی، آثار البلاد و اخبار العباد، ص ۲۰۶۔

۲۔ نہج البلاغہ، تحقیق صبحی صالح، خطبہ نمبر ۵۱۔

خبر دار! معاویہ، گمراہوں کے ایک ٹولے کو لے آیا ہے جن سے حقیقت کو چھپا رکھا ہے تاکہ اندھیرے میں ان کی گردنوں کو تیر و تلوار کا نشانہ بنائے۔

مندرجہ بالا اوراق میں جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ شام کے لوگ، اُس وقت کی موجودہ حکومت کے حقیقی چہرے سے آشنا نہیں تھے یا حکومت کے ساتھ ان کے مفادات وابستہ تھے جس کی وجہ سے وہ اس کی اطاعت کو واجب جانتے تھے۔

اہل بیت علیہم السلام کا شام میں داخلہ

گذشتہ مطالب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یزید کی اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ دشمنی کسی تھی اور وہ اپنے دل میں اہل بیت علیہم السلام کے متعلق کتنا کینہ رکھتا تھا؛ چنانچہ اس نے شہادتِ امام حسین علیہ السلام کو اپنے لیے خوشی کا باعث سمجھا اور اہل بیت علیہم السلام کو قیدی بنا کر دار لخلافہ میں بلایا تاکہ اس طرح اپنے دل کی تشفی کرے اور دوسری طرف چونکہ امام حسین علیہ السلام حکومتِ شام کے دیگر مخالفین میں سے زیادہ صاحبِ عظمت تھے، اس لیے یزید نے دوسرے مخالفین کو مرعوب کرنے کے لیے بھی یہ اقدام کیا۔

جب یزید نے ابن زیاد کو حکم دیا کہ اسیروں کو دار الخلافہ بھیج دو تو ساتھ یہ بھی حکم دیا شہر کو سجایا جائے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ فتح کے جشن میں شریک ہوں اور قیدیوں کے شہر میں داخل ہونے کی خوشی میں غرق ہوں۔

سہل بن ساعدی کہتا ہے:

میں بیت المقدس جا رہا تھا۔ جب شام پہنچا تو ایک شہر کو دیکھا جو نہروں اور درختوں سے لبریز تھا، پردوں اور خوبصورت کپڑوں سے سجا ہوا تھا۔ لوگ خوش و خرم تھے۔ عورتیں دف اور ڈھول بجا رہی تھیں۔ میں نے سوچا شاید اہل شام کی عید ہوگی جس کی ہمیں خبر نہیں ہے۔ کچھ لوگ آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا: کیا شامیوں کی عید ہے، جسے ہم نہیں جانتے؟ انہوں نے کہا: شاید تم مسافر ہو۔

میں نے کہا: میں سہل بن سعد ہوں۔ میں نے پیغمبر اکرمؐ کو دیکھا ہے اور ان کی حدیثیں میرے سینے میں موجود ہیں۔

انہوں نے کہا: اے سہل، کیا تیرے لیے یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ آسمان سے خون نہیں برس رہا اور زمین اپنے اہل سمیت دھنس نہیں گئی؟!

میں نے کہا: کیوں؟

انہوں نے کہا: رسول خداؐ کے بیٹے حسینؑ کا سر عراق سے یہاں لایا جا رہا اور وہ ابھی پہنچنے والے ہیں۔

میں نے کہا: عجیب ہے! حسینؑ کا سر آ رہا ہے اور لوگ خوشیاں منا رہے ہیں؟ وہ کس دروازے سے داخل ہوں گے؟

انہوں نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا جس کو باب ساعات کہتے تھے۔ میں اس دروازے کی طرف گیا۔ میں وہاں موجود تھا کہ یکے بعد دیگرے پرچم دکھائی دینے لگے۔ ایک سوار کو دیکھا جس کے ہاتھ میں نیزہ تھا اور نیزے کی انی پر ایک سر تھا، جو سب سے زیادہ رسول خداؐ کے مشابہ تھا۔ اس کے پیچھے بے پلان اونٹوں پر عورتیں سوار تھیں۔ وہ داخل ہوئے۔ میں نے قریب جا کر ایک (بچی) سے پوچھا: تو کون ہے؟

اس نے کہا: میں سکینہ بنت حسینؑ ہوں۔

میں نے کہا: میں سہل بن سعد ہوں۔ میں نے آپ کے نانا رسولؐ کو دیکھا ہے اور ان سے حدیثیں یاد کی ہیں۔ تمہاری کوئی حاجت ہے؟

بی بی نے کہا: اے سہل! جس نے سر اٹھایا ہوا ہے اس کو کہو کہ آگے چلا جائے تا کہ لوگ سر کو دیکھنے میں محو ہو جائیں اور ہماری طرف نگاہ نہ کریں۔ ہم رسول خداؐ کے حرم ہیں۔

میں اس شخص کے پاس گیا اور اسے کہا: کیا تو چار سو دینار کے بدلے میری حاجت پوری کرے گا؟ اس نے کہا کون سی حاجت؟ میں نے کہا: سر کو عورتوں سے آگے لے جا۔ اس نے ایسا ہی کیا اور میں نے جس رقم کا وعدہ کیا تھا، اسے دے دی۔[1]

عبداللہ حمیری اور شیخ صدوقؒ نقل کرتے ہیں کہ جب اہل بیت علیہم السلام کو کھلے چہروں کے ساتھ روزِ روشن میں دمشق لایا گیا تو کچھ شامیوں نے انہیں دیکھ کر کہا: ہم نے ان سے زیادہ نیک قیدی کبھی نہیں دیکھے۔ انہوں نے پوچھا: تم کون ہو؟ سکینہ بنت حسین علیہ السلام نے فرمایا: ہم اسیرانِ آل محمد ہیں۔[2]

بنی امیہ کے پروپیگنڈا نے شامیوں کے اذہان کو اس قدر خراب کر دیا تھا کہ جب امام زین العابدین علیہ السلام قید ہو کر شام میں داخل ہوئے تو ایک بوڑھے شامی نے آپ علیہ السلام سے پوچھا: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا تھا کہ یزید اور اس کے خاندان کے علاوہ اور بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کے رشتہ دار ہیں۔[3]

ایک شخص نے قریب آکر کہا: حمد ہے اس اللہ کی جس نے تمہیں قتل کیا ہے اور لوگوں کو تمہارے شر سے نجات دی ہے اور امیر المومنین یزید کو تم پر فتح دی ہے۔

امام سجاد علیہ السلام نے اسے فرمایا: اے بزرگ! تم نے قرآن پڑھا ہے؟

اس نے کہا: ہاں۔

فرمایا: کیا تم نے یہ آیت پڑھی ہے:

﴿قُل لَّآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا ٱلْمَوَدَّةَ فِى ٱلْقُرْبَىٰ﴾[4]

آپ کہہ دیجئے کہ، میں تم سے اس تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا، سوائے یہ کے کہ میرے اقربا سے محبت کرو۔

۱۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۶۰، ۶۱؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۱۲۷، ۱۲۸۔

۲۔ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۳۱، ص۲۳۰، ح۳۔

۳۔ ہندوشاہ بن سنجر صاحبی نخجوانی، تجارب السلف، ص۶۹۔

۴۔ شوری، ۲۳۔

کہا: ہاں، پڑھی ہے۔

امام نے فرمایا: ہم پیغمبرؐ کے اقربا ہیں۔ پھر فرمایا: کیا تم نے سورہ بنی اسرائیل کی یہ آیت پڑھی ہے:

﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّه...﴾[1]

اور قرابت داروں کا حق ادا کرو۔

اس نے کہا: ہاں، یہ آیت بھی پڑھی ہے۔

فرمایا: ہم وہی اہل بیت ہیں جن کی شان میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی ہیں۔

یہ سن کر بوڑھا شخص خاموش ہو گیا اور اپنی باتوں پر پشیمان ہوا؛ پھر کہنے لگا: تمہیں اللہ کی قسم! کیا یہ آیات تمہاری شان میں نازل ہوئی ہیں؟

فرمایا: ہاں، ہم وہی خاندان ہیں، جن کی شان میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔ بوڑھا آدمی رونے لگا اور پھر آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا: اے اللہ! میں اہل بیتؑ کے دشمنوں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں، چاہے وہ جن ہوں یا انسان۔[2] پھر امام سجادؑ سے عرض کیا: کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟

فرمایا: ہاں، اگر تو توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ قبول کرے گا اور تو ہمارا ساتھی ہو گا۔

بوڑھے شخص نے کہا: میں نے توبہ کی ہے۔[3] بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ جب یزید کو اس بوڑھے کا ماجرا معلوم ہوا تو اس نے اسے قتل کا حکم دیا۔[4]

اس واقعہ سے شام کے سماجی حالات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ جب ایک بوڑھا آدمی خاندانِ اہل بیتؑ کے متعلق یہ نظریہ رکھتا ہے اور یزید کو امیر المومنین اور امام حسینؑ اور آپ کے مقدس خاندان کو دشمنِ دین اور فتنہ گر سمجھتا ہے تو باقی لوگوں کا کیا حال ہو گا۔

۱۔ اسراء، ۲۶۔

۲۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۳۰؛ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۳۱، ص۲۳۰، ح۳؛ عماد الدین طبری، کامل بہائی، ج۲، ص۲۹۳۔

۳۔ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۲۱۳۔

۴۔ سابقہ حوالہ؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۱۲۹۔

منہال بن عمرو کہتا ہے کہ میں اس وقت دمشق میں تھا، جب حسین بن علی کا سر لایا گیا؛ میں نے دیکھا کہ ایک شخص سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا۔ جب وہ اس آیت پر پہنچا:

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ ءَايَاتِنَا عَجَبًا [1]

کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ کہف و رقیم والے ہماری نشانیوں میں سے کوئی تعجب خیز نشانی تھے۔

تو سر میں اللہ تعالیٰ نے کلام پیدا کر دیا۔ سر نے فصیح الفاظ میں فرمایا: میرا قتل اور میرے سر کو (نیزے پر) سوار کرنا، اصحاب کہف سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے۔ [2]

ابن شہر آشوب نے کہا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے سر سے لوگوں نے یہ جملات سنے: "لاحول ولاقوۃ الا باللہ"۔ [3]

واقعہ کربلا کی خبر اور یزید ملعون

شام پہنچتے ہی ابن زیاد کے سپاہی یزید کے دربار میں گئے اور اپنی فتح کی سند کی مانند امام حسین علیہ السلام کا سر اس کے سامنے رکھا اور من گھڑت رپورٹ پیش کی؛ چنانچہ سب کی وکالت کرتے ہوئے زَحر بن قیس بولا:

اے امیر المومنین! تجھے فتح اور اللہ کی نصرت کی بشارت ہو۔ حسین بن علی اپنے خاندان کے اٹھارہ اور اپنے شیعوں کے ساٹھ افراد کے ہمراہ ہماری طرف آئے۔ ہم ان کے مقابلے میں گئے۔ ہم نے ان سے کہا کہ تسلیم ہو جائیں اور امیر ابن زیاد کے سامنے گردن جھکا لیں یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ انہوں نے جنگ کا راستہ اختیار کیا۔ طلوع ہوتے ہی ہم نے ان پر حملہ کیا اور چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ان کے سروں پر تلوار کی طرح یوں برسے کہ اکثر لوگ فرار ہو گئے اور وہ کبوتروں کی طرح ہمارے ہاتھوں

۱۔ کہف، ۹۔

۲۔ قطب الدین راوندی، الخرائج والجرائح، ج۲، ص۵۷۷۔

۳۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۶۸۔

سے ٹیلوں اور گڑھوں میں گرنے لگے۔ اے امیر المومنین! اللہ کی قسم، اونٹ کو نحر کرنے یا تھوڑی دیر اونگھنے سے زیادہ وقت نہیں لگا کہ ہم نے ان کے سارے افراد مار دیئے۔ ان کے بدن برہنہ، لباس خون آلود اور چہرے خاک آلود ہیں۔ ان پر سورج چمکتا رہا اور ہوا چلتی رہی۔ اُس بے آب و گیاہ بیابان میں صرف باز اور عقاب ہی انہیں ملنے والے ہیں۔[1]

زحر بن قیس نے لشکرِ کوفہ کے سیاہ کارنامے کو نیک ظاہر کرنے اور یزید کی خوشامد کرنے کے لیے اتنا بڑا جھوٹ تراشا، جبکہ امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کی شجاعت اور بنی ہاشم کی جانفشانیوں کا ذکر ہی نہیں کیا، جس کا دشمن کی فوج نے بھی اعتراف کیا تھا۔

زحر بن قیس نے یزید کی خوشامد کرنے کے لیے اسے بتایا کہ ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کو قتل کر دیا گیا؛ لیکن یزید نے اسے کوئی انعام اور صلہ نہ دیا۔[2]

پھر امام حسینؑ کے سر مبارک کو ایک سنہری طشت میں یزید کے سامنے رکھا گیا اور دیگر شہدائے کربلا کے سروں کو بھی بلوائے عام میں رکھا گیا۔ یزید نے ہر سر کے بارے میں اپنے سپاہیوں سے پوچھا اور انہوں نے سب کا تعارف کرایا۔[3] یزید چونکہ جانتا تھا کہ اس جنایت کی وجہ سے دربار میں موجود لوگ اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھیں گے، اس لیے اس نے منافقت اپنائی اور کہنے لگا:

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۵۹، ۴۶۰؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۲۷؛ ابن عبد ربہ، العقد الفرید، ج۴، ص۳۵۷؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۱۸؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۵۶؛ سبط بن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص۲۶۰؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۷۶؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۹۸؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص۲۰۸؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۱۲۹۔

۲۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۱۵؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۶۰۔

۳۔ عمادالدین طبری، کامل بہائی، ج۲، ص۲۹۳۔

تجھ پر لعنت ہو! میں تو حسین کے قتل کے بغیر بھی آپ کی اطاعت پر راضی تھا۔ خدا ابن زیاد پر لعنت کرے! اللہ کی قسم؛ اگر مَیں حسین کے مقابلے میں آتا تو اسے معاف کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ اباعبد اللہ پر رحمت کرے۔[1]

پھر یزید نے اپنے آپ کو بے گناہ ظاہر کرنے اور فرزند رسول علیہ السلام کے قتل کو دوسروں کی گردن میں ڈالنے کے لیے امام حسین علیہ السلام کے سر سے مخاطب ہو کر کہا: اگر مرجانہ کے بیٹے کے ساتھ تیری قرابتداری ہوتی تو تُو جو کچھ اس سے مانگتا وہ تجھے دے دیتا۔ پھر یہ شعر پڑھ کر امام حسین علیہ السلام کو قصوروار ٹھہرایا:

نُفَلِّقُ هَاماً مِنْ رِجَالٍ اَعِزَّةٍ	عَلَيْنَا وَهُمْ كَانُوا اَعَقَّ وَ اَظْلَمَا[2]
ہم نے تلوار سے مردوں کے سر کاٹے	جبکہ وہ ہمیں بہت عزیز اور محترم تھے

پھر حاضرین کی طرف رخ کر کے کہا:

تم سب جانتے ہو کہ اس پر یہ مصیبت کیوں ٹوٹی؟ یہ میرے مقابلے میں فخر سے کہتا تھا: "میرا باپ علی، یزید کے باپ سے بہتر ہے اور میری ماں فاطمہ اس کی ماں سے بہتر ہے اور میرا نانا محمد علیہ السلام اس کے اجداد سے بہتر ہے"

وہ انہی باتوں کی وجہ سے قتل ہوا ہے۔ اس نے جو یہ کہا ہے کہ میرا باپ یزید کے باپ سے بہتر ہے (اس کا جواب یہ ہے کہ) میرے باپ نے اس کے باپ کے ساتھ جنگ کی، اللہ تعالیٰ نے میرے بابا کے حق میں اور اس کے خلاف فیصلہ کیا۔ اس نے کہا ہے کہ میری ماں یزید کی ماں سے بہتر ہے۔ (میں کہتا ہوں) مجھے اپنی جان کی قسم؛ اس نے سچ کہا ہے،

۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، الطبقۃ الخامسۃ، ج۱، ص۴۸۹؛ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۸۶؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۶۰؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۲۷؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۱۵؛ ابن عبدربہ، العقد الفرید، ج۴، ص۳۵۷؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۱۸، ۱۱۹؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۵۶؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص۲۶۰و۲۶۰؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۷۶؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۹۸؛ عماد الدین طبری، کامل بہائی، ج۲، ص۲۹۱؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص۲۰۸؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۱۳۰۔

۲۔ ابوالفرج اصفہانی، کتاب الاغانی، ج۱۴، ص۷۔

کیونکہ نبی کی بیٹی فاطمہ علیہا السلام میری ماں سے بہتر ہے؛ لیکن اس نے یہ بھی کہا ہے کہ میرا نانا، یزید کے اجداد سے بہتر ہے۔ جو شخص اللہ اور روزِ جزا پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ابوسفیان، محمد سے بہتر ہے۔ اس نے کہا ہے کہ میں، یزید سے بہتر ہوں۔ شاید اس نے یہ آیت نہیں پڑھی تھی:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾۔[1]

پیغمبر آپ کہہ دیں کہ خدایا تو صاحب اقتدار ہے، جس کو چاہتا ہے اقتدار دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلب کر لیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے عزّت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ سارا خیر تیرے ہاتھ میں ہے اور تو ہی ہر شے پر قادر ہے۔

اموی ہمیشہ اپنی ظاہری قدرت و طاقت کو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت دیتے تھے۔ یزید نے بھی وہی کام کیا اور یہ ظاہر کیا کہ اس کی حکومت، اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے اور امام حسین علیہ السلام کو اس کی مخالفت کرنے کا حق حاصل نہیں تھا۔

اسیروں کا دربارِ یزید میں داخلہ

یزید نے اہل بیت علیہم السلام پر رعب و دبدبہ بٹھانے اور اپنی قدرت کا جلوہ دکھانے کے لیے دربار سجانے کا حکم دیا۔ اس کے لیے مزین تخت رکھا گیا، قصر کو زیادہ سے زیادہ سجایا گیا، دائیں اور بائیں مہمانوں کے لیے سنہری کرسیاں رکھی گئیں،[2] بڑی شخصیات، صاحبان منصب، دوسری حکومتوں کے نمائندوں، سفیروں اور اہل کتاب کے علما کو بلایا گیا۔ بزرگانِ شام کو بلایا اور انہیں اپنے ارد گرد جگہ دی۔ پھر امام سجاد علیہ السلام، بچوں اور

[1] ۔ آل عمران، ۲۶۔

[2] ۔ عماد الدین طبری، کامل بہائی، ج ۲، ص ۲۹۳۔

مخدرات عصمت وطہارت کو اندر داخل ہونے کا حکم دیا۔[1] جب قیدی دربار میں داخلہ ہوئے تو مُحَفَّر بن ثعلبہ نے بلند آواز سے کہا: میں محفر بن ثعلبہ ہوں جو پست لوگوں کو امیر المومنین کے پاس لایا ہوں۔ امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

وَمَاوَلَدَتْ اُمُّ مَحَفَّرٍ اَشَرُّ وَاَلْاَمُ [2]

محفر کی ماں نے سب سے پست اور گھٹیا انسان کو جنم دیا ہے۔

روایات کے مطابق، خاندان اہل بیت علیہم السلام کو ایک ہی رسی میں باندھ کر یزید کے دربار میں لایا گیا ہے۔

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

ہمیں یزید کی محفل میں لایا گیا، جبکہ ہم بارہ مرد بندھے ہوئے تھے[3]۔ جب ہم یزید کے سامنے کھڑے ہوئے تو میں نے کہا: تجھے اللہ کی قسم!، اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ ہمیں اس حال میں دیکھ لیں، تو کیا کہیں گے؟!

یزید نے انہیں کھولنے کا حکم دیا۔[4]

محمد (امام باقر) بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام نے کہا:

امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد ہم بارہ آدمی تھے جن کو باندھ کر یزید کی محفل میں لایا گیا۔[5]

فاطمہ بنت حسین صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا:

اے یزید! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی بیٹیاں اسیر ہوں؟! اُس وقت دربار میں موجود لوگ اور یزید کے اہل خانہ، بلند آواز سے رونے لگے۔[6]

علی بن ابراہیم قمی نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے:

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۶۱؛ ابن اثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص۲۱۱۔

۲۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۱۹؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص۲۴۸؛ عماد الدین طبری، کامل بہائی، ج۲، ص۲۹۱۔

۳۔ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۲۱۳۔

۴۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۹۸۔

۵۔ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، ج۲، ص۱۲؛ ابن عبد ربہ، العقد الفرید، ج۴، ص۳۵۸۔

[6]۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۹۹۔

جب امام حسینؑ کا سر اور اسیر ان اہل بیت کو قیدی کر کے یزید کے دربار میں لایا گیا اور امام سجادؑ بھی ان میں تھے، تو یزید نے کہا: اے علی بن حسین! اس اللہ کا شکر ہے جس نے تیرے باپ کو قتل کیا ہے۔ امام سجادؑ نے فرمایا: خدا لعنت کرے اس شخص پر جس نے میرے بابا کو شہید کیا ہے۔ یہ سن کر یزید آگ بگولہ ہو گیا اور حکم دیا کہ امام سجادؑ کی گردن اڑا دی جائے۔ امام سجادؑ نے فرمایا: اگر تو مجھے قتل کرے گا تو رسول خداؐ کی بیٹیوں کو کون وطن پہنچائے گا۔ یزید نے کہا: تو خود پہنچائے گا۔ پھر حکم دیا کہ امامؑ کی گردن سے طوق اور زنجیر کھول دیے جائیں۔ پھر امام سجادؑ کی طرف مخاطب ہو کے کہا: اے علی بن حسین! کیا تو جانتا ہے کہ میں نے یہ حکم کیوں دیا ہے؟ امامؑ نے فرمایا: تو صرف یہ چاہتا ہے کہ میری گردن پر تیرا احسان ہو۔ یزید نے کہا: اللہ کی قسم؛ اس کے علاوہ کوئی نیت نہیں تھی۔[1]

سر مبارک امام حسینؑ کے ساتھ یزید کی گستاخی

امام حسینؑ کا سر مبارک یزید کے سامنے سنہری طشت میں رکھا تھا اور وہ امامؑ کے سامنے والے دانتوں پر چھڑی مارتا[2] اور سر اور چہرے کی بے ادبی کرتا تھا۔[3]

اہل سنت محدث طبرانی نے لکھا ہے: یزید نے حکم دیا کہ سکینہ بنت حسینؑ کو تخت کی پشت کی جانب جگہ دی جائے تا کہ وہ اپنے باپ کے سر کو نہ دیکھے۔[4] بعض روایات میں بیان ہوا ہے کہ سب مستورات کو تخت کے پیچھے کھڑا کیا گیا اور سکینہ اور فاطمہ بنت حسینؑ اپنے بابا کے سر کو دیکھنے کے لیے

۱۔ علی بن ابراہیم قمی، تفسیر قمی، ج ۲، ص ۳۵۲؛ سید ہاشم بحرانی، البرہان فی تفسیر القرآن، ج ۵، ص ۲۹۹۔

۲۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۶۴؛ عماد الدین طبری، کامل بہائی، ج ۲، ص ۲۹۳۔

۳۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۶۴۔

۴۔ سلیمان بن احمد الطبرانی، المعجم الکبیر، ج ۳، ص ۱۰۴۔

پیچھے سے جھانکتی تھیں، لیکن یزید کی کوشش تھی کہ انہیں سر کو دیکھنے سے روکے۔ شہزادیوں نے بابا کے سر کو دیکھ گریہ وبکا کیا۔ ان کو دیکھ کر یزید کی بیوی اور معاویہ کی بیٹیاں بھی زار و قطار رونے لگیں۔[1] یزید کے گھر میں بنی ہاشم کی ایک خاتون رہتی تھی اس نے مرثیہ پڑھا:

ہائے حسین! ہائے حبیب! اے مولا! ہائے اہل بیت کے سردار! اے فرزند پیغمبر! ہائے بوڑھوں اور یتیموں کا آسرا! ہائے وہ حسین جو پست لوگوں کی اولاد کے ہاتھوں شہید ہوگئے![2]

حاضرین مجلس کا اعتراض

امام حسین علیہ السلام کے سر کے ساتھ یزید کی گستاخی کو دیکھ کر، محفل میں موجود کچھ لوگوں نے اعتراض کیا؛ حتی کہ بنی امیہ کے بعض لوگ بھی خاموش نہ رہ سکے ۔سب سے پہلے مروان بن حکم کے بھائی یحییٰ بن حکم نے اس کی مذمت کی جو یزید کے قریب بیٹھا تھا؛ اس نے یہ شعر پڑھے:

لَهَامٌ بِأَدنى الطَّفِّ أَدنى قَرَابَةٍ — مِن ابنِ زِيَادٍ العَبدِ ذِي الحَسَبِ الرَّذِلِ

کنارہ طف پر قلم ہونے والا سَر تیرے زیادہ قریب ہے — ابن زیاد کی نسبت جو پست غلام کی نسل ہے

أُمَيَّةُ أَمسَى نَسلُهَا عَدَدَ الحِصَى — وَ بِنتُ رَسُولِ اللهِ لَيسَ لَهَا نَسَلُ[3]

بنی امیہ کی نسل تو ریت کے ذروں کے برابر ہے — لیکن دخترِ رسول خدا علیہا السلام کی ذریت نہیں رہی

یزید نے یحییٰ بن حکم کے سینے پر ہاتھ مار کر اسے خاموش کر دیا۔[4]

۱۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۷۷۔

۲۔ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۲۱۳، ۲۱۴۔

۳۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۲۰۔

۴۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۶۱، ۴۶۰۔

جب یحییٰ بن حکم نے دمشق کی مسجد میں سروں کو دیکھا اور اسے واقعہ کربلا کی خبر دی گئی، تو اس نے سپاہیوں سے سخت لہجے میں کہا: روزِ قیامت تمہارے اور پیغمبر علیہ السلام کے درمیان پردہ حائل ہو گیا، اور اس کے بعد میں تمہارے کسی کام کی حمایت نہیں کروں گا۔[1]

پھر ابو برزہ اسلمی بولا:

> **افسوس ہے تجھ پر! تو حسین کے دانتوں پر چھڑی مار رہا ہے؟ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول خدا علیہ السلام اس کے اور اس کے بھائی حسن کے دانتوں کے بوسے لیتے تھے اور فرماتے تھے: تم جوانانِ جنت کے سردار ہو، اللہ تمہارے قاتلوں کو قتل کرے اور ان پر لعنت کرے اور انہیں جہنم میں بدترین جگہ دے۔**
>
> **لیکن اے یزید! تو روز قیامت میدان محشر میں جائے گا اور ابن زیاد تیری شفاعت کرے گا، جبکہ حسین کی شفاعت کرنے والے رسول خدا علیہ السلام ہوں گے۔**

یزید نے غصے میں آکر حکم دیا کہ اسے دربار سے نکال دیا جائے۔[2]

یزید کے کفریہ اشعار

پھر یزید نے عبد اللہ بن زِبعری[3] کے کفریہ اشعار پڑھے۔

یَا غُرَابَ الْبَیْنِ مَا شِئْتَ فَقُلْ   إِنَّمَا تَنْدُبُ أَمْراً قَدْ فُعِلَ

اے بد قسمت کوّا! جو چاہتا ہے کہے   **تیرا گریہ صرف اس چیز کے لیے ہے جو ہو گئی ہے**

---

[1] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۶۵؛ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ج۶۵، ص۶۶؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۸۰۔

[2] ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۲۹؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۱۶؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۶۵؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۲۳؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۵۷؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۱۰۰؛ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۲۱۴؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۷۷؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۱۳۲، ۱۳۳؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۸، ص۲۱۵۔

[3] عبد اللہ بن زبعری قرشی زبردست شاعر تھا اور پیغمبر اکرم علیہ السلام کا سخت دشمن تھا۔ فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ اس نے یہ اشعار جنگ اُحد کے بعد اپنے کفر کے زمانے میں مسلمانوں کے خلاف کہے تھے۔ (السیرۃ النبویۃ، ج۳، ص۱۴۳، ۱۴۴؛ ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ، ج۴، ص۷۶)

كُلُّ مُلْكٍ وَ نَعِيمٍ زَائِلٍ — وَ بَنَاتُ الدَّهرِ يَلْعَبنَ بِكُلٍّ

ہر سلطنت اور نعمت زائل ہونے والی ہے — دنیا کے حوادث سب کھیل تماشا ہیں

لَيتَ اَشْيَاخِي بِبَدرٍ شَهِدُوا — جَزَعَ الخَزرَجِ مِن وَقعِ الاَسَلِ

کاش میرے بدر کے مقتول اجداد آج دیکھتے — کہ بنی خزرج نیزوں کے درد سے کیسے گریہ کناں ہیں

لَأهَلُّوا وَ استَهَلُّوا فَرَحًا — ثُمَّ قَالُوا يَا يَزِيدُ لَا تَشَلّ

کاش وہ اٹھتے اور خوشی سے کہتے — اے یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں

لَستُ مِن خِندِفَ إن لَم أَنتَقِمِ — مِن بَنِي اَحمَدَ مَا كَانَ فَعَلَ

میں خِندف کا بیٹا نہ ہوں، اگر انتقام نہ لوں — اولادِ محمد سے، اس کے بدلے جو اس نے کیا ہے

لَعِبَت هَاشِمُ بِالمُلكِ فَلَا — خَبَرٌ جَاءَ وَ لَا وَحيٌ نَزَلَ

بنی ہاشم نے حکومت کا کھیل کھیلا ہے — ورنہ نہ کوئی خبر آئی ہے اور نہ وحی

قَد أَخَذنَا مِن عَلِيٍّ ثَارَنَا — وَ قَتَلنَا الفَارِسَ اللَّيثَ البَطَلَ

ہم نے علی سے اپنے خون کا بدلہ لیا ہے — اور اس بہادر، شجاع اور جوان کو قتل کیا ہے

قَد قَتَلنَا القَرمَ مِن سَادَاتِهِم — وَ عَدَلنَا مَيلَ بَدرٍ فَاعتَدَلَ[1]

ہم نے ان کے سردار کو قتل کیا ہے — اور بدر کا بدلہ چکا یا ہے، اب ہم برابر ہو گئے ہیں

فضل بن شاذان نے امام رضاؑ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

جب حسین بن علیؑ کا سر شام لے گئے تو یزید پلید نے حکم دیا کہ اسے زمین پر رکھ دیا جائے اور اس کے اوپر کھانے کی میز رکھی جائے۔ پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھانے اور شراب نوشی میں مگن ہو گیا۔ جب فارغ ہوا تو حکم دیا کہ سر کو ایک طشت میں تخت کے سامنے رکھا جائے۔ پھر شطرنج کی میز طشت کے اوپر رکھ کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ شطرنج کھیلنے لگا۔ کھیل کے دوران امام حسینؑ اور آپ کے بابا اور نانا(علیہما السلام) کا

۱۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۵۹،۵۸۔

مذاق اڑاتا تھا۔ جب بازی جیت جاتا تو شراب کا جام چڑھاتا اور اسے تین گھونٹ میں پیتا تھا۔ باقی ماندہ شراب اس طشت کے ساتھ انڈیل دیتا جس میں امام حسین علیہ السلام کا سر رکھا تھا۔[1]

عبد السلام بن صالح ہروی (اباصلت) نے امام رضا علیہ السلام سے نقل کیا ہے:

اسلام میں، سب سے پہلے یزید کے لیے شام میں جَو کی شراب بنائی گئی۔ جب وہ امام حسین علیہ السلام کے سر کے قریب دستر خوان پر بیٹھا تھا تو اس کے لیے شراب لائی گئی۔ وہ شراب پینے لگا اور اپنے ساتھیوں کو بھی پلانے لگا اور انہیں کہہ رہا تھا: پیئو، یہ پاکیزہ شراب ہے اور ہم سب سے پہلے انسان ہیں جو اسے پی رہے ہیں، جبکہ ہمارے دشمن کا سر ہمارے سامنے رکھا ہے۔ میز کے نیچے ہمارا کھانا ہے اور ہم بڑے آرام اور اطمینان کے ساتھ کھانے پینے میں مصروف ہیں، خوش قسمتی کے لیے یہی کافی ہے۔[2]

یزید کے ساتھ حضرت زینب علیہا السلام کی گفتگو

حضرت فاطمہ بنت امام حسین علیہ السلام فرماتی ہیں: جب ہمیں یزید کے سامنے لایا گیا تو ایک سرخ چہرے والے شامی نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے، یزید سے کہا: اے امیر المومنین یہ لڑکی مجھے بخش دو۔ میرا بدن کانپنے لگا اور میں نے خیال کیا کہ اس کی درخواست پوری ہو جائے گی۔ میں پھوپھی زینب علیہا السلام کے لباس سے لپٹ گئی۔ پھوپھی چونکہ جانتی تھیں کہ یہ کام ہونے والا نہیں ہے، لہذا شامی سے کہا: اللہ کی قسم! تو نے جھوٹ بولا ہے اور اپنے آپ کو ذلیل کیا ہے۔ اللہ کی قسم! یہ تیرے بس میں ہے اور نہ اس (یزید) کے بس میں ہے۔

۱۔ شیخ صدوق، عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۲۵، ح ۵۰۔

۲۔ شیخ صدوق، عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۲۵، ح ۵۱؛ عماد الدین طبری، کامل بہائی، ج ۲، ص ۲۹۹۔

یزید آگ بگولہ ہوا اور پھوپھی زینب سے کہا: تونے جھوٹ بولا ہے۔ یہ کام میرے اختیار میں ہے۔ اگر میں چاہوں تو ہو سکتا ہے۔

حضرت زینب علیہا السلام نے فرمایا: ہر گز نہیں ہو سکتا! اللہ کی قسم، اللہ نے یہ کام تیرے اختیار میں نہیں دیا ہے، سوائے یہ کہ تو ہمارے دین سے خارج ہو جائے اور کسی اور دین کی پیروی کرے۔

یزید، غصے کی شدت کی وجہ سے بھڑک اٹھا اور کہا: تم میرے ساتھ کلام کر رہی ہو؟ تیرے باپ اور بھائی، دین سے خارج ہوئے ہیں۔

حضرت زینب علیہا السلام نے فرمایا: تو اور تیرا باپ دادا، اگر مسلمان ہوتے تو میرے بابا اور بھائی کے دین پابند ہو جاتے۔

یزید نے کہا: اے دشمنِ خدا! تونے جھوٹ بولا ہے۔

حضرت زینب علیہا السلام نے فرمایا: تم اب حکمران ہو (اور کچھ بھی کہہ سکتے ہو)؛ تم ظالمانہ بکواس کر رہے ہو اور تجھے اپنی سلطنت پر گھمنڈ ہے۔

گویا یزید شرمندہ ہوا اور خاموش ہو گیا۔ اس شامی نے پھر کہا: یہ لڑکی مجھے بخش دو۔ یزید نے کہا: دور ہو جا! اللہ تجھ پر لعنت کرے۔[1]

امام سجاد علیہ السلام کا یزید کے ساتھ مکالمہ

یزید کی محفل پر رعب و دہشت چھائی ہوئی تھی؛ لیکن امام سجاد علیہ السلام نے کسی چیز کی پرواہ کیے بغیر، بنی امیہ کی حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے یزید سے مخاطب ہو کر یہ اشعار پڑھے:

لَا تَطْعَمُوْا أَنْ تُهِيْنُوْنَا وَنُكْرِمُكُمْ   وَأَنْ نَكُفَّ الْاَذٰى عَنْكُمْ وَتُؤْذُوْنَا

توقع نہ رکھنا کہ تم ہماری توہین کرو اور ہم تمہارا احترام کریں   اور تم ہمیں اذیتیں پہنچاؤ اور ہم تمہیں تکلیف نہ دیں

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۶۱، ۴۶۲؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۱۲۱؛ طبرسی، الاحتجاج، ج ۲، ص ۱۳۱، ۱۳۲؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص ۱۳۶؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۲۶۴؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۱۶، ۴۱۷؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۷۷؛ عماد الدین طبری، کامل بہائی، ج۲، ص ۲۹۵۔

فَاللّٰہُ یَعۡلَمُ أَنَّا لَا نُحِبُّکُمۡ —— وَلَا نَلُومُکُمۡ أَنۡ لَّمۡ تُحِبُّونَا

اللہ جانتا ہے کہ ہم تمہیں پسند نہیں کرتے —— اور نہ اس پر تمہاری ملامت کرتے ہیں کہ تم ہم سے محبت نہیں رکھتے

یزید مبہوت ہو گیا۔ اس کے پاس کوئی معقول جواب نہ تھا، چنانچہ کہنے لگا: اے جوان! تو سچ کہتا ہے؛ لیکن تیرا باپ اور دادا، امیر بننا چاہتے تھے۔ اس اللہ کی حمد ہے جس نے انہیں ذلیل کیا اور ان کا خون بہایا۔[1] اے علی! تیرے باپ نے قطع رحمی کی ہے، ہمارے حق کا انکار کیا ہے اور حکومت کے لیے میرے ساتھ جنگ کی ہے۔ خدا نے بھی اس کے ساتھ وہی کیا جو تم نے دیکھا ہے۔[2]

امام سجادؑ نے قرآن کے ذریعے استدلال کر کے ایسا منہ توڑ جواب دیا کہ اب وہ ملعون اور زیادہ الجھ گیا۔ امامؑ نے فرمایا:

﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِیبَةٍ فِی الْأَرْضِ وَلَا فِی أَنفُسِکُمْ إِلَّا فِی کِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِکَ عَلَی اللَّهِ یَسِیرٌ﴾۔[3]

زمین پر یا تمہارے وجود پر جو مصیبت نازل ہوتی ہے، وہ پہلے سے کتاب الٰہی میں لکھی ہوتی ہے اور یہ خدا کے لیے بہت آسان ہے۔

یزید نے اپنے بیٹے خالد سے کہا اس کا جواب دو۔ اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ کیا کہے، چنانچہ خود یزید نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَا أَصَابَکُم مِّن مُّصِیبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ أَیْدِیکُمْ وَیَعْفُو عَن کَثِیرٍ﴾[4]

۱۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۱۳۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۶۳۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۶۱؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۷۸؛ عماد الدین طبری، کامل بہائی، ج ۲، ص ۲۹۴؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایہ، ج ۸، ص ۲۱۱۔

۳۔ حدید (۵۷)، ۲۲۔

۴۔ شوری (۴۲)، ۳۰۔

اور تم تک جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے اور وہ بہت سی باتوں کو معاف بھی کر دیتا ہے۔[1]

امام سجادؑ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلىٰ مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تَفْرَحُوا بِمَا ءَاتَيٰكُمْ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾[2]

یہ تقدیر اس لیے ہے کہ جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اس کا افسوس نہ کرو اور جو مل جائے اس پر غرور نہ کرو کہ اللہ اکڑنے والے مغرور افراد کو پسند نہیں کرتا ہے۔

پھر فرمایا: معاویہ، ہند اور صخر کے بیٹے! میرے اور تیرے پیدا ہونے سے پہلے یہ حکومت اور امارت میرے آباواجداد کی تھی۔ بدر، اُحد اور احزاب میں رسول خداؐ کا پرچم میرے دادا علی بن ابی طالبؑ کے ہاتھوں میں تھا؛ جبکہ تیرے باپ اور دادا، کفار کے پرچم دار تھے۔[3]

پھر فرمایا: افسوس ہے تجھ پر یزید! اگر تو جانتا ہوتا کہ تم نے میرے بابا، بھائی، چچازاد اور خاندان پر کیسی مصیبت ڈھائی ہے، تو تم پہاڑوں میں فرار کر جاتے اور خاک پر بیٹھتے۔ کیا یہ مناسب ہے کہ علی و بتول کے فرزند دلبند اور رسول خداؐ کی امانت حسینؑ کا سر، تیرے شہر میں لٹکایا جائے؟! میں تجھے اس دن کی ذلت اور پشیمانی کی بشارت دیتا ہوں جس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے اور جس دن (قیامت میں) سب لوگ جمع ہوں گے۔[4]

ابو الفرج اصفہانی نے لکھا ہے:

۱۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۱۹، ۴۲۰؛ ل ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۳۰، ۱۳۱؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۶۱ تا ۴۶۴؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۲۰؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۶۳؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۷۸؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۸، ص۲۱۱۔

۲۔ حدید(۵۷) ۲۳۔

۳۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۳۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۶۳؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۱۳۵، ۱۳۶۔

۴۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۳۲؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۶۳۔

ایک شامی نے کھڑے ہو کر یزید سے کہا: مجھے اجازت دو میں اسے قتل کر دوں۔ حضرت زینبؑ نے اپنے آپ کو امام سجادؑ پر گرا دیا اور یزید سے کہا: تو ہمارا جتنا خون بہا چکا ہے وہی کافی ہے۔ امام سجادؑ نے فرمایا: اگر ان مستورات کے ساتھ تیری قرابت ہے اور تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو ان کو کسی کے ساتھ مدینہ بھیج دے۔ یزید نے کہا: یہ کام تیرے علاوہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔[1]

یہودی عالم کا اعتراض

مؤرخین نے لکھا ہے کہ یزید کی محفل میں ایک یہودی عالم موجود تھا۔ وہ امام سجادؑ کی گفتگو سے بہت متأثر ہوا اور یزید سے پوچھا: اے امیر المومنین، یہ جوان کون ہے؟

یزید نے کہا: اس سر والے شخص کا بیٹا ہے؟

یہودی عالم نے پوچھا: یہ کس کا سر ہے؟

یزید نے کہا: علی بن ابی طالب کے بیٹے کا۔

یہودی عالم نے پوچھا: اس کی ماں کون ہیں؟

یزید نے کہا: رسول خداﷺ کی بیٹی فاطمہ۔

یہودی عالم نے حیرت سے کہا: سبحان اللہ! یہ تمہارے نبی کی بیٹی کا بیٹا ہے اور تم نے اسے قتل کر دیا ہے؟! اس کی ذریت میں تم اس کے بدترین جانشین ہو۔ اللہ کی قسم؛ اگر ہمارے نبی حضرت موسی ہمارے درمیان اپنا بیٹا چھوڑ جاتے تو ہم یقیناً خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتے؛ لیکن کل تمہارے نبی دنیا سے رخصت ہوئے ہیں اور آج تم نے اس کے بیٹے پر حملہ کر کے قتل کر دیا ہے؟! کتنا برا حال ہے تمہاری امت کا۔

۱۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۱۲۰، ۱۲۱۔

یزید نے حکم دیا کہ اس کی گردن پر سخت ضرب لگائی جائے۔ یہودی عالم اٹھتے ہوئے کہہ رہا تھا: تیری مرضی تو مجھے ڈانٹے، قتل کرے یا چھوڑ دے؛ لیکن میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ جو شخص اپنے نبی کی ذریت کو قتل کرے، وہ ہمیشہ مغلوب رہے گا اور اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد اسے جہنم کی آگ میں جلائے گا۔[1]

قطب الدین راوندی نے تھوڑے سے فرق کے ساتھ نقل کیا ہے کہ:

جب یہودی عالم کو پتہ چلا کہ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے بیٹے حسین علیہ السلام کا سر ہے، تو کہا: اللہ تجھے خیر نہ پہنچائے! افسوس ہے تجھ پر اے یزید! میرے اور داؤد نبی کے درمیان ستر نسلوں کا فاصلہ ہے، لیکن جب یہودی مجھے دیکھتے ہیں تو میرا اتنا احترام کرتے ہیں کہ گویا میری پرستش کر رہے ہیں۔ تمہارے نبی کل تک تمہارے درمیان موجود تھے اور آج تم نے اس کے نواسے کو قتل کر دیا ہے؟ پھر اس نے جھک کر طشت میں رکھے امام حسین علیہ السلام کے سر کا بوسہ لیا اور سر سے مخاطب ہو کر کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور تیرا نانا محمد اللہ کا رسول ہے۔ اس کے بعد دربار سے چلا گیا اور یزید نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔[2]

سفیر روم کا اعتراض

امام سجاد علیہ السلام سے منقول ایک روایت کے مطابق سفیر روم نے بھی یزید پر اعتراض کیا۔ البتہ یہ معلوم نہیں ہے کہ اس نے اسی دن اعتراض کیا جس دن اہل بیت وہاں داخل ہوئے یا کسی اور دن۔ بہر حال اس کا شمار روم کے اشراف میں سے ہوتا تھا۔ اس نے یزید سے کہا:

اے عرب کے بادشاہ! یہ سر کس کا ہے؟

۱۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۱۳۲؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۷۱؛ عماد الدین طبری، کامل بہائی، ج۲، ص ۲۹۷، ۲۹۸؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص ۱۳۹، ۱۴۰۔

۲۔ قطب الدین راوندی، الخرائج والجرائح، ج۲، ص ۵۸۱؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص ۱۸۷۔

یزید نے کہا: تجھے اس سر سے کیا واسطہ؟

اس نے کہا: میں جب قیصر روم کے پاس لوٹ کر جاؤں گا تو وہ مجھ سے پوچھے گا کہ تو نے کیا دیکھا؟ میں چاہتا ہوں کہ اس سر کی داستان اسے بتاؤں تا کہ وہ بھی تیری خوشی میں شریک ہو جائے۔

یزید نے کہا: یہ حسین بن علی بن ابیطالب کا سر ہے۔

سفیر روم نے کہا: اس کی ماں کون ہیں؟

یزید نے کہا: فاطمہ زہرا۔

سفیر روم نے کہا: وہ کس کی بیٹی ہیں؟

یزید نے کہا: رسول خداؐ کی۔

سفیر روم نصرانی تھا۔ اس نے کہا: افسوس تجھ پر! افسوس تیرے دین پر! میری قوم کے دیندار تجھ سے بہتر ہیں، کیونکہ میں داؤد نبی کی نسل سے ہوں۔ میرے اور اس کے درمیان بہت زیادہ نسلوں کا فاصلہ ہے لیکن نصرانی میرا احترام کرتے ہیں اور میرے پیروں کی مٹی بطور تبرک لے جاتے ہیں؛ لیکن تم نے اپنے نبی کے نواسے کو قتل کیا ہے، جبکہ اس کے اور تمہارے نبی کے درمیان ایک ماں کا فاصلہ ہے۔ تم کس دین کے ماننے والے ہو؟! پھر اس نے بہت سی مثالیں بیان کیں کہ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے آثار کا بے انتہا احترام کرتے ہیں۔[1]

یزید کی بیوی ہند بنت عبد اللہ بن عامر بن کُریز نے جب یہ گفتگو سنی تو سر پر چادر لے کر باہر آگئی اور کہا: اے امیر المومنین کیا یہ فاطمہ بنت رسول خداؐ کے بیٹے حسین کا سر ہے؟ یزید نے کہا: ہاں، سیاہ لباس پہن کر رسول خداؐ کے نواسے اور قریش کے سردار پر گریہ کرو۔ ابن زیاد نے جلدی کی ہے اور اسے قتل کر دیا ہے، اللہ اسے قتل کرے۔[2]

۱۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۱۰۳، ۱۰۴؛ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۲۲۱؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۱۴۱، ۱۴۲۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۶۵؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۷۶۔

حضرت زینب علیہا السلام کا خطبہ

اگر یزید کی محفل یہاں پر ختم ہو جاتی تو شاید یزید کے لیے اتنا بُرا نہ ہوتا؛ لیکن حضرت زینب علیہا السلام نے اس کے حق میں محفل ختم ہونے کی اجازت نہ دی۔ بی بی نے فرصت کو غنیمت جان کر یزید اور اس کے خاندان کی حقیقت کو برملا کیا اور اس کے جھوٹ کو ظاہر کیا۔ یزید، اپنے آپ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کا جانشین سمجھ کر لوگوں پر حکومت چلا رہا تھا؛ لیکن حضرت زینب علیہا السلام نے ہاشمی شہامت کے ساتھ، اس کے غرور و تکبر کی بے ڈھنگ عمارت کو زمین بوس کر دیا۔ بی بی نے اپنے بابا کے لہجے میں ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعالَمِينَ وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَى رَسُولِهِ وَ آلِهِ أَجْمَعِينَ۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور خدا کا درود ہو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ اور اس کی تمام آل پر۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

صَدَقَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ كَذٰلِكَ يَقُولُ:

ثُمَّ كَانَ عاقِبَةَ الَّذِينَ أَساؤُا السُّواى أَنْ كَذَّبُوا بِآياتِ اللّٰهِ وَكانُوا بِها يَسْتَهْزِؤُنَ [1]

اس کے بعد برائی کرنے والوں کا انجام برا ہوا کہ انہوں نے خدا کی نشانیوں کو جھٹلا دیا اور برابر ان کا مذاق اڑاتے رہے۔

أَ ظَنَنْتَ يا يَزِيدُ حَيْثُ أَخَذْتَ عَلَيْنا أَقْطارَ الْأَرْضِ وَ آفاقَ السَّماءِ فَأَصْبَحْنا نُساقُ كَما تُساقُ الْأُسَراءُ أَنَّ بِنا هَواناً عَلَيْهِ وَ بِكَ عَلَيْهِ كَرامَةً وَ

اے یزید، کیا تو یہ سمجھتا ہے چونکہ تم نے ہم پر زمین کے کناروں اور آسمان کی وسعتوں کو تنگ کر دیا ہے لہٰذا ہم تمہارے اسیر بن گئے ہیں؟! ہمیں ایک قطار میں ہانکتے ہوئے تمہاری طرف لایا جا رہا ہے اور

۱۔ روم، آیت ۱۰۔

أَنَّ ذٰلِكَ لِعِظَمِ خَطَرِكَ عِنْدَهُ!

فَشَمَخْتَ بِأَنْفِكَ وَ نَظَرْتَ فِي عِطْفِكَ جَذْلَانَ مَسْرُوراً حَيْثُ رَأَيْتَ الدُّنْيَا لَكَ مُسْتَوْثِقَةً وَ الْأُمُورَ مُتَّسِقَةً وَ حِينَ صَفَا لَكَ مُلْكُنَا وَ سُلْطَانُنَا۔

فَمَهْلًا مَهْلًا أَنَسِيتَ قَوْلَ اللهِ تَعَالَىٰ:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ[1]

أَ مِنَ الْعَدْلِ يَا ابْنَ الطُّلَقَاءِ تَخْدِيرُكَ حَرَائِرَكَ وَ إِمَاءَكَ وَ سَوْقُكَ بَنَاتِ رَسُولِ اللهِ ص سَبَايَا؟

قَدْ هَتَكْتَ سُتُورَهُنَّ وَ أَبْدَيْتَ وُجُوهَهُنَّ تَحْدُو بِهِنَّ الْأَعْدَاءُ مِنْ بَلَدٍ

تم ہم پر صاحب اختیار بن گئے ہو؟! اور (تمہارے خیال میں) اس طرح ہم اللہ کی طرف سے پست اور تم سر بلند ہوگئے ہو؟!، اور یہ سب کچھ خدا کی بارگاہ میں تمہاری عظمت اور قدرت و منزلت کی بنا پر ہے!

اب تم نے غرور و تکبر سے اپنی ناک چڑھالی اور اپنے ارد گرد نظریں دوڑائیں، تم مسرت و شادمانی سے سرشار (اپنے غالب ہونے پر) اترا رہے ہو اور غرور و تکبر سے اپنے چاروں طرف دیکھ رہے ہو، جب تم نے دیکھ لیا کہ دنیا تمہارے اختیار میں آچکی ہے اور سب معاملات تمہارے حسبِ مراد ہیں اور جب ہماری حکومت تمہارے اختیار میں آگئی اور ہمارا حقِ سلطنت تمہارے لیے خاص ہوگیا۔

ذرا ٹھہرو، کیا تم اللہ تعالی کے اس فرمان کو بھول گئے ہو:

اور خبردار! کفار یہ نہ سمجھیں کہ ہم جس قدر راحت و آرام دے

۱۔ آل عمران، آیت ۱۷۸۔

إِلَى بَلَدٍ وَ يَسْتَشْرِفُهُنَّ أَهْلُ الْمَنَاهِلِ وَ الْمَنَاقِلِ وَ يَتَصَفَّحُ وُجُوهَهُنَّ الْقَرِيبُ وَ الْبَعِيدُ وَ الدَّنِيُّ وَ الشَّرِيفُ لَيْسَ مَعَهُنَّ مِنْ رِجَالِهِنَّ وَلِيٌّ وَ لَا مِنْ حُمَاتِهِنَّ حَمِيٌّ -

وَ كَيْفَ يُرْتَجَى مُرَاقَبَةُ مَنْ لَفَظَ فُوهُ أَكْبَادَ الْأَزْكِيَاءِ وَ نَبَتَ لَحْمُهُ مِنْ دِمَاءِ الشُّهَدَاءِ وَ كَيْفَ يَسْتَبْطِئُ فِي بُغْضِنَا أَهْلَ الْبَيْتِ مَنْ نَظَرَ إِلَيْنَا بِالشَّنَفِ وَ الشَّنَآنِ وَ الْإِحَنِ وَ الْأَضْغَانِ ثُمَّ تَقُولُ غَيْرَ مُتَأَثِّمٍ وَ لَا مُسْتَعْظِمٍ

لَأَهَلُّوا وَ اسْتَهَلُّوا فَرَحاً

ثُمَّ قَالُوا يَا يَزِيدُ لَا تُشَلَّ

مُنْتَحِياً عَلَى ثَنَايَا أَبِي عَبْدِ اللهِ سَيِّدِ شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ تَنْكُتُهَا بِمِخْصَرَتِكَ وَ كَيْفَ لَا تَقُولُ ذَلِكَ وَ قَدْ نَكَأْتَ

رہے ہیں وہ ان کے حق میں کوئی بھلائی ہے۔ ہم تو صرف اس لیے دے رہے ہیں کہ جتنا گناہ کر سکیں کر لیں ورنہ ان کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔

اے آزاد شدہ غلاموں کی اولاد! تمہارا اپنی عورتوں اور کنیزوں کو پردہ کے پیچھے بٹھانا اور رسول زادیوں کو اسیر بنا کے دربدر پھیرانا، کیا یہ عدل ہے...؟! تم نے رسول زادیوں کو بے ردا اور ان کے چہروں کو بے پردہ کیا، دشمن انہیں (جانوروں کی طرح) ہانکتے ہوئے شہر بہ شہر لائے، مسافر نظریں اٹھا اٹھا کر انہیں دیکھتے، اور باپردہ بی بیاں مختلف جگہوں کے رہائشی لوگوں کے سامنے بے پردہ ہو گئیں۔ دور اور نزدیک کا ہر حاضر و غائب شخص، ہر پست اور شریف اور ہر ادنی و اعلیٰ انسان اُن کے چہروں کو غور سے دیکھتے ہوئے پہچاننے کی کوشش کرتا جبکہ اُن کے ساتھ سرپرستی کرنے والا نہ کوئی اُن کا مرد ہے اور نہ ہی

الْقَرْحَةَ وَ اسْتَأْصَلْتَ الشَّافَةَ بِإِرَاقَتِكَ دِمَاءَ ذُرِّيَّةِ مُحَمَّدٍ ص وَ نُجُومِ الْأَرْضِ مِنْ آلِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَ تَهْتِفُ بِأَشْيَاخِكَ زَعَمْتَ أَنَّكَ تُنَادِيهِمْ فَلَتَرِدَنَّ وَشِيكاً مَوْرِدَهُمْ وَ لَتَوَدَّنَّ أَنَّكَ شَلَلْتَ وَ بَكِمْتَ وَ لَمْ تَكُنْ قُلْتَ مَا قُلْتَ وَ فَعَلْتَ مَا فَعَلْتَ اللَّهُمَّ خُذْ لَنَا بِحَقِّنَا وَ انْتَقِمْ مِنْ ظَالِمِنَا وَ أَحْلِلْ غَضَبَكَ بِمَنْ سَفَكَ دِمَاءَنَا وَ قَتَلَ حُمَاتَنَا فَوَ اللهِ مَا فَرَيْتَ إِلَّا جِلْدَكَ وَ لَا حَزَزْتَ إِلَّا لَحْمَكَ وَ لَتَرِدَنَّ عَلَى رَسُولِ اللهِ ص بِمَا تَحَمَّلْتَ مِنْ سَفْكِ دِمَاءِ ذُرِّيَّتِهِ وَ انْتَهَكْتَ مِنْ حُرْمَتِهِ فِي عِتْرَتِهِ وَ لُحْمَتِهِ حَيْثُ يَجْمَعُ اللهُ شَمْلَهُمْ وَ يَلُمُّ شَعَثَهُمْ وَ يَأْخُذُ بِحَقِّهِمْ:

دیکھ بھال کرنے والی کوئی رشتہ دار عورت۔

تمہارا یہ عمل اللہ کے ساتھ سر کشی اور جان بوجھ کر رسول خدا علیہما السلام کا انکار اور اس دین (یا قرآن) کو رد کرنا ہے، جسے پیغمبر اکرم علیہما السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے۔ نہ ہی تم پر کوئی تعجب ہے اور نہ ہی تمہاری بد کاریوں پر حیرت ہے، بھلا ایسے شخص سے بھلائی کی توقع ہی کیا ہو سکتی ہے جس (کی دادی) نے شہیدوں کا جگر چبا کر تھوک دیا ہو اور جس کا گوشت پوست سعادتمندوں کے خون سے بنا ہو، اور جس (کے دادا) نے سید الانبیاء علیہما السلام کے ساتھ جنگ کی، اُس نے مختلف گروہوں کو جمع کیا، سامانِ جنگ فراہم کیا اور رسول خدا علیہما السلام کے مقابلے میں تلواریں کھینچ لیں، تمام عرب میں سب سے بڑھ کر خدا

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتاً بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ[1]

وَ حَسْبُكَ بِاللهِ حَاكِماً وَ بِمُحَمَّدٍ ص خَصِيماً وَ بِجَبْرَئِيلَ ظَهِيراً وَ سَيَعْلَمُ مَنْ سَوَّلَ لَكَ وَ مَكَّنَكَ مِنْ رِقَابِ الْمُسْلِمِينَ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا وَ أَيُّكُمْ شَرٌّ مَكَاناً وَ أَضْعَفُ جُنْداً وَ لَئِنْ جَرَّتْ عَلَيَّ الدَّوَاهِي مُخَاطَبَتَكَ إِنِّي لَأَسْتَصْغِرُ قَدْرَكَ وَ أَسْتَعْظِمُ تَقْرِيعَكَ وَ أَسْتَكْثِرُ تَوْبِيخَكَ لَكِنَّ الْعُيُونَ عَبْرَى وَ الصُّدُورَ حَرَّى أَلَا فَالْعَجَبُ كُلُّ الْعَجَبِ لِقَتْلِ حِزْبِ اللهِ النُّجَبَاءِ بِحِزْبِ الشَّيْطَانِ الطُّلَقَاءِ فَهَذِهِ الْأَيْدِي تَنْطِفُ مِنْ دِمَائِنَا وَ الْأَفْوَاهُ تَتَحَلَّبُ مِنْ لُحُومِنَا وَ تِلْكَ الْجُثَثُ الطَّوَاهِرُ الزَّوَاكِي تَنْتَابُهَا الْعَوَاسِلُ وَ تُعَفِّرُهَا أُمَّهَاتُ الْفَرَاعِلِ وَ لَئِنِ اتَّخَذْتَنَا مَغْنَماً لَتَجِدَنَّا وَشِيكاً

کا منکر تھا اور سب سے بڑھ کر رسول خدا ﷺ کا انکار اور آپ ﷺ کی دشمنی کا اظہار کرنے والا تھا اور پروردگار کے کفر و سرکشی میں سب سے آگے تھا۔

خبردار! یہ سب، کفر کے نفوذ اور جنگ بدر کے دن قتل ہونے والے مشرکوں کے سبب تمہارے سینوں کو فشار دینے والے کینہ کا نتیجہ ہے، پس ایسا شخص ہم اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ دشمنی کرنے میں کیونکر کوتاہی کرے گا جو ہمیشہ شدید کینہ اور بغض و عداوت کی نگاہ سے ہماری طرف دیکھتا ہو۔

وہ (یزید) رسول خدا ﷺ کے انکار پر مبنی اپنے کفر کا کھلم کھلا اظہار ار اپنی زبان سے اپنے کفر کو واضح طور پر بیان کر رہا ہے اور وہ اولادِ رسول ﷺ کے قتل اور آپ ﷺ کی ذریت کی اسیری پر خوش ہوتے ہوئے، خود کو گناہکار سمجھنے اور اتنے بڑے گناہ کا احساس کرنے کے بجائے (اپنے آباو اجداد کو چیخ چیخ کر

۱۔ آل عمران، آیت ۱۶۹۔

مَغْرَماً حِينَ لَا تَجِدُ إِلَّا مَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ وَ مَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ فَإِلَى اللهِ الْمُشْتَكَى وَعَلَيْهِ الْمُعَوَّلُ۔

فَكِدْ كَيْدَكَ وَ اسْعَ سَعْيَكَ وَ نَاصِبْ جُهْدَكَ فَوَاللهِ لَا تَمْحُو ذِكْرَنَا وَ لَا تُمِيتُ وَحْيَنَا وَ لَا تُدْرِكُ أَمَدَنَا وَ لَا تَرْحَضُ عَنْكَ عَارَهَا وَ هَلْ رَأْيُكَ إِلَّا فَنَدٌ وَ أَيَّامُكَ إِلَّا عَدَدٌ وَ جَمْعُكَ إِلَّا بَدَدٌ يَوْمَ يُنَادِي الْمُنَادِي أَلَا لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الظَّالِمِينَ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الَّذِي خَتَمَ لِأَوَّلِنَا بِالسَّعَادَةِ وَ الْمَغْفِرَةِ وَ لِآخِرِنَا بِالشَّهَادَةِ وَ الرَّحْمَةِ وَ نَسْأَلُ اللهَ أَنْ يُكْمِلَ لَهُمُ الثَّوَابَ وَ يُوجِبَ لَهُمُ الْمَزِيدَ وَ يُحْسِنَ عَلَيْنَا الْخِلَافَةَ إِنَّهُ رَحِيمٌ وَدُودٌ وَ حَسْبُنَا اللهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ۔

بلاتے ہوئے) کہہ رہا ہے:
وہ ہوتے تو یقینا خوشی سے پھولے نہ سماتے اور دوسروں سے بھی خوشی منانے کا کہتے اور ضرور کہتے کہ اے یزید تمہارے ہاتھ سلامت رہیں۔
امام حسینؑ کے دندان مبارک پر جھک کر اپنے ہاتھوں میں لی ہوئی چھڑی رسول خداﷺ کی بوسہ گاہ پر مارتا ہے جبکہ اس کے چہرے سے خوشی جھلک رہی ہے۔
میرے دین و مذہب کی قسم، یقیناتم نے جوانان جنت کے سردار، یعسوب الدین کے فرزند اور عبد المطلب کی آل کے چشم و چراغ کا خون بہا کر مندمل زخم کو ہرا کر ڈالا ہے اور جڑیں کاٹ ڈالی ہیں۔
تم نے اپنے بزرگوں کو بلایا ہے اور سید الشہداؑ کے خون کے ذریعہ اپنے کافر اسلاف کا تقرب حاصل کیا ہے اور پھر بلند آواز سے چلائے ہو اور مجھے قسم، تم نے انہیں پکارا ہے کہ کاش وہ تمہیں دیکھتے اور

عنقریب تم انہیں دیکھو گے لیکن وہ
ہرگز تمہیں نہیں دیکھیں گے۔ یقینا
تم چاہو گے کہ کاش یہی تمہارا دایاں
ہاتھ کہنی سے شل ہو گیا ہوتا اور
کٹ چکا ہوتا اور تم یہ چاہو گے کہ
کاش تمہاری ماں نے تمہیں اپنے شکم
میں نہ لیا ہوتا اور تمہارے باپ نے
تمہیں پیدا نہ کیا ہوتا، جب تم نے
اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سامنا کرو گے
اور رسول خداؐ تمہارے (اور
تمہارے اسلاف کے) خلاف مدّعی
ہوں گے۔

خدایا! تو ہی ہمارا حق لے اور ہم
پر ظلم و ستم کرنے والے سے انتقام
لے اور اُس پر اپنا غضب نازل فرما
جس نے ہمارا خون بہایا اور ہمارے
حقوق کو پامال کیا (ہماری عزت و آبرو
کم کرنے کی کوشش کی)، ہمارے
ساتھیوں کو قتل کیا اور ہماری حرمت
پامال کی۔

اے یزید! تم جو کچھ کرنا تھا وہ
کر چکے اور (یاد رکھو کہ) تم نے اپنی
ہی کھال ادھیڑی ہے اور اپنا ہی
گوشت ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے۔ اور
عنقریب تم رسول خداؐ کے

سامنے جاؤ گے، جبکہ تم نے آپ ؑ کی اولاد کا خون اپنی گردن پر لیا، آپ کی حرمت پامال کی اور آپ ؑ کی عترت اور خاندان کا خون بہایا۔ جب خدا اُن سب (اولادِ رسولؑ) کو رسول خداؑ کے ساتھ اکٹھا کرے اور اُن سب بکھرے ہوؤں کو آپ ؑ کے ساتھ ملادے گا اور اُن پر ظلم کرنے والوں سے انتقام لے گا اور اُن کے دشمنوں سے اُن کے حق کا بدلہ لے گا۔

اے یزید! اولادِ رسول کے قتل کی یہ خوشی تمہیں ذلیل و رسوا نہ کردے:

اور خبردار؛ راہِ خدا میں قتل ہونے والوں کو مردہ خیال نہ کرنا، وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے ہاں رزق پا رہے ہیں۔

اور تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ خدا ہی ولی اور فیصلہ کرنے والا ہے ، رسول خداؑ تمہارے خلاف مدعی ہیں اور جبرائیل پشت

پناہ اور مددگار ہے۔ جس نے تمہاری
خلافت کی راہ ہموار کی ہے اور تمہیں
مسلمانوں پر مسلط کیا ہے وہ عنقریب
جان لے گا کہ: ظالموں کی
پاداشں بہت بُری ہے۔ اور
تم میں سے کس کا ٹھکانہ بہت بُرا اور
وہ بہت زیادہ گمراہ ہے۔ میں تمہیں
اس لیے حقیر شمار نہیں کر ہی اور نہ
ہی اس لیے تمہاری سرزنش اور توبیخ
میرے لیے مہم ہے کہ میرے
خیال میں میری باتیں تم پر اثر کریں
گی، جبکہ تم نے مسلمانوں کی
آنکھوں کو اشکبار کیا ہے اور اُس
(واقعہ کربلا) کی یاد سے اُن کے دل
جل جاتے ہیں [اگرچہ حالات نے
مجھے تمہارے ساتھ مخاطب ہونے
پر مجبور کر دیا ہے، یقینا میں تجھے حقیر
سمجھتی ہوں اور تمہاری ملامت کرنا
بھی میرے لیے گراں ہے]
یہ دل سخت ہیں اور نفس سر
کش ہیں اور جسم اللہ تعالیٰ کی ناراضگی
اور رسول خدا علیہ السلام کی لعنت و نفرین
سے پُر ہو چکے ہیں، ان میں شیطان
نے آشیانہ بنا لیا ہے اور زاد و ولد کی
ہے، تم جیسا اور کون ہے جو ایسے

راستہ پر طلا اور ایسی جگہ سے اٹھا ہو؟!
آہ، بہت تعجب ہے کہ پاک و
نجیب لوگ ، نبی علیہ السلام زادے اور
اوصیاء کی اولاد ، ناپاک طلقاء(آزاد
شدہ غلام)، بدکاروں اور زناکاروں کی
اولاد کے ہاتھوں قتل کر دیے
جائیں!!! ہمارا خون اُن کے ہاتھوں
سے ٹپک رہا ہے، اور ہمارے گوشت
سے ان کے منہ میں پانی بھر آیا ہے،
اور بیابان کی خاک پر پڑے ہوئے وہ
پاک و پاکیزہ لاشے جن کے ساتھ
بھیڑیئے سرکشی اور درندہ حیوانات
کے ٹولے انہیں خاک آلود کرتے
رہے۔
آج اگر تم نے ہمیں غنیمت
سمجھ کر گرفتار کیا ہے تو یقینا بہت
جلد اسی غنیمت کے بدلے میں
تمہیں جرمانہ ادا کرنا پڑے گا، جبکہ
اُس وقت تمہارے پاس اپنے کیے
ہوئے اعمال کے علاوہ اور کچھ نہ ہو گا
اور اللہ اپنے بندوں ہر گز ظلم نہیں
کرتا۔ پس میں اللہ ہی کی بارگاہ میں
تمہاری شکایت کرتی ہوں اور خدا پر
ہی میرا بھروسہ ہے، وہی پناہ گاہ ہے

اور اُسی سے میری امید وابستہ ہے۔
(اے یزید) پھر بھی جو مکر و فریب کر سکتے ہو کر لو، اور پوری کوشش کر کے دیکھ لو لیکن اُس (خدا) کی قسم جس نے ہمیں وحی، قرآن اور نبوت و انتخاب سے شرفیاب فرمایا ہے، تم ہماری انتہا کو درک نہیں کر سکتے، ہماری نہایت ارو بلندی کو نہیں چھو سکتے، ہمارا ذکر نہیں مٹا سکتے [ہم پر نازل ہونے والی وحی (قرآن) کو ختم نہیں کر سکتے] اور تم سے ہم پر ظلم و ستم کا دھبہ کبھی نہیں دھل سکے گا۔
(اے یزید) کیا تمہارا خیال، غلطی کے علاوہ کچھ اور ہے ؟! اور کیا تمہاری قدرت کے دن محدود اور کیا تمہاری جمیعت بکھرنے کے سوا کچھ اور ہے ؟! جس دن منادی ندا دے گا: خبر دار! تجاوز کرنے والے ظالموں پر خدا نے لعنت کی ہے۔
تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے اولیاء کے لیے سعادت قرار دی اور اپنے منتخب بندوں کے لیے شہادت کے ساتھ ارادوں کی تکمیل کو مقرر کیا، خدا نے

اُن کو رحمت، شفقت، رضوان اور
مغفرت کی طرف منتقل کر دیا ہے۔
تیرے علاوہ کسی نے اُن کے ساتھ
نہیں کی اور تیرے علاوہ کسی نے
انہیں آزمائش میں نہیں ڈالا اور ہم
خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے
شہدا کا اجر کامل کرے اور اُن کے
ثواب اور آخرت کے ذخیرہ میں
اضافہ فرمائے اور ہم خدا سے بہترین
جانشینی اور خوبصورت قبولیت کے
خواہاں ہیں، بے شک وہ نہایت رحم
اور محبت کرنے والا ہے۔[1]

بی بی کا خطبہ سن کر یزید نے یہ شعر پڑھا:

مَا أهْوَنَ الْمَوْتَ عَلَى النَّوَائِحِ	يَا صَيْحَةً تُحْمَدُ مِنْ صَوَائِحِ
کتنا آسان ہے موت نوحہ پڑھنے والی عورتوں پر	فریاد کتنی پسندیدہ ہے نوحہ کرنے والی عورتوں کی

اس کے بعد یزید نے بزرگانِ شام کے ساتھ مشورہ کیا کہ ان قیدیوں کے ساتھ کیا کیا جائے؟ انہوں نے قتل کر دینے کا مشورہ دیا؛ لیکن نعمان بن بشیر نے کہا: ذرا دیکھ! اگر رسول خداؐ ان کو اس حالت میں دیکھتے تو کیا کرتے؟ تو بھی ویسا ہی کر۔[2]

بعض مؤرخین کے نقل کیا ہے کہ امام باقرؑ نے شامیوں کی قساوت دیکھ کر یزید سے فرمایا: انہوں نے فرعون کے مشیروں کے خلاف رائے دی ہے، کیونکہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ اور ھارون

۱۔ خطبہ کا اردو ترجمہ: سید توقیر عباس کاظمی، دربار یزید میں سیدہ زینبؑ کا خطبہ، ص ۳۱ تا ۳۹۔

۲۔ ابن عبد ربہ، العقد الفرید، ج ۴، ص ۳۵۸؛ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۲۱۸؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ص ۶۶؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۱۳۵۔

کے بارے میں ان سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا: اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دو، لیکن انہوں (تیرے مشیروں نے) تجھے ہمارے قتل کا مشورہ دیا ہے اور اس کی بھی کوئی وجہ ہے۔

یزید نے کہا: اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: وہ پاکیزہ عورتوں کی اولاد اور حلال زادے تھے لیکن یہ ناجائز اولاد ہیں، کیونکہ انبیاء اور ان کی اولاد کو حرام زادوں کے علاوہ کوئی قتل نہیں کرتا۔

یزید نے سر جھکا لیا اور اپنے فیصلے سے منصرف ہو گیا۔[1]

امام سجادؑ کا خطبہ

اس میں شک نہیں کہ امام سجادؑ نے یزید کے سامنے ایک ایسا خطبہ ارشاد فرمایا جس سے وہ رسوا ہوا؛ لیکن اس بات میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ امامؑ نے یہ خطبہ، کب، کہاں اور کس کے کہنے پر دیا؟

ابو الفرج اصفہانی نے لکھا ہے کہ یزید نے امام سجادؑ کو حکم دیا کہ منبر پر جا کر اپنے والد کے قیام کی معذرت کریں۔[2]

کچھ مؤرخین اس بات کے قائل ہیں کہ یزید نے ایک خطیب کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ منبر پر جا کر لوگوں کے سامنے امام حسینؑ اور امیر المومنین حضرت علیؑ کی برائیاں کرے۔ خطیب نے حمد و ثنا کے بعد حضرت علی اور امام حسینؐ کے حق میں بُرا بھلا کہا اور معاویہ اور یزید کی بڑھا چڑھا کر تعریفیں کیں۔ امام سجادؑ نے اسے پکار کر کہا: لعنت ہو تجھ پر اے خطیب! تو نے خالق کی ناراضگی کی بدلے مخلوق کی خوشنودی خریدی ہے اور جہنم میں اپنا ٹھکانا بنایا ہے۔ پھر یزید سے مخاطب ہو کر فرمایا: مجھے اجازت دو، میں بھی ان لکڑیوں پر جا کر کچھ کلام کروں جس میں خدا کی خوشنودی اور حاضرینِ مجلس کی رضایت اور اجر و ثواب ہو۔ یزید نے اجازت نہ دی؛ لیکن لوگوں نے کہا: اے امیر المومنین اسے اجازت دے تا کہ ہم بھی اس کی باتیں سنیں۔ یزید نے انہیں کہا: اگر وہ منبر پر چلا گیا تو مجھے اور آل ابی سفیان کو رسوا کیے بغیر

۱۔ مسعودی، اثبات الوصیۃ، ص ۱۷۱۔

۲۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۱۲۱۔

نہیں اترے گا۔ لوگوں نے کہا: اس میں ایسے کام کی ہمت نہیں ہے۔ یزید نے کہا: وہ اُس خاندان کا چشم و چراغ ہے جو سرچشمہ علم سے سیراب ہوتے ہیں۔ لوگوں نے اتنا اصرار کیا کہ یزید نے اجازت دے دی۔[۱]

عماد الدین طبری نے بیان کیا ہے کہ امام سجادؑ نے جمعہ کے روز یہ خطبہ دیا؛ چنانچہ وہ کہتے ہیں: یزید نے اپنے بیٹے معاویہ کے اصرار پر امامؑ کو منبر پر جانے کی اجازت دی۔

امام سجادؑ منبر پر تشریف لے گئے اور ایسا خطبہ ارشاد فرمایا کہ سننے والوں کی آنکھیں برسنے لگیں اور دل دہلنے لگے۔ امامؑ نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ أُعْطِينَا سِتًّا وَ فُضِّلْنَا بِسَبْعٍ. أُعْطِينَا الْعِلْمَ وَ الْحِلْمَ وَ السَّمَاحَةَ وَ الْفَصَاحَةَ وَ الشَّجَاعَةَ وَ الْمَحَبَّةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ. وَ فُضِّلْنَا بِأَنَّ مِنَّا النَّبِيَّ الْمُخْتَارَ مُحَمَّداً وَ مِنَّا الصِّدِّيقُ وَ مِنَّا الطَّيَّارُ وَ مِنَّا أَسَدُ اللهِ وَ أَسَدُ رَسُولِهِ وَ مِنَّا سِبْطَا هَذِهِ الْأُمَّةِ. مَنْ عَرَفَنِي فَقَدْ عَرَفَنِي وَ مَنْ لَمْ يَعْرِفْنِي أَنْبَأْتُهُ بِحَسَبِي وَ نَسَبِي۔

اے لوگو! ہمیں چھ صفات اور سات فضیلتیں عطا کی گئی ہیں۔ ہمیں علم، بردباری، بزرگی، فصاحت، شجاعت اور مؤمنین کے دلوں میں محبت عطا کی گئی ہے۔

ہمیں یہ فضیلت دی گئی کہ محمد مصطفیٰؐ ہم میں سے ہیں، صدیق ہم میں سے ہیں، طیار ہم میں سے ہیں، شیر خدا ہم میں سے ہیں، رسول خداؐ کے شیر ہم میں سے ہیں، اس امت کے

أَيُّهَا النَّاسُ أَنَا ابْنُ مَكَّةَ وَ مِنَى أَنَا ابْنُ زَمْزَمَ وَ الصَّفَا. أَنَا ابْنُ مَنْ حَمَلَ الزَّكَاةَ

۱۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۱۳۲؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۶۹؛ عماد الدین طبری، کامل بہائی، ج۲، ص۲۹۹، ۳۰۰؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴، ص ۱۳۷، ۱۳۸۔

بِأَطْرَافِ الرِّدَا۔ أَنَا ابْنُ خَيْرِ مَنِ ائْتَزَرَ وَ ارْتَدَى. أَنَا ابْنُ خَيْرِ مَنِ انْتَعَلَ وَ احْتَفَى. أَنَا ابْنُ خَيْرِ مَنْ طَافَ وَ سَعَى. أَنَا ابْنُ خَيْرِ مَنْ حَجَّ وَلَبَّى. أَنَا ابْنُ مَنْ حُمِلَ عَلَى الْبُرَاقِ فِي الْهَوَاءِ. أَنَا ابْنُ مَنْ أُسْرِيَ بِهِ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى. أَنَا ابْنُ مَنْ بَلَغَ بِهِ جَبْرَئِيلُ إِلَى سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى. أَنَا ابْنُ مَنْ **دَنَا فَتَدَلَّى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى**۔

أَنَا ابْنُ مَنْ صَلَّى بِمَلَائِكَةِ السَّمَاءِ. أَنَا ابْنُ مَنْ أَوْحَى إِلَيْهِ الْجَلِيلُ مَا أَوْحَى. أَنَا ابْنُ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفَى أَنَا ابْنُ عَلِيٍّ الْمُرْتَضَى. أَنَا ابْنُ مَنْ ضَرَبَ خَرَاطِيمَ الْخَلْقِ حَتَّى قَالُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ. أَنَا ابْنُ مَنْ ضَرَبَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ بِسَيْفَيْنِ وَ طَعَنَ بِرُمْحَيْنِ وَ هَاجَرَ الْهِجْرَتَيْنِ وَ بَايَعَ الْبَيْعَتَيْنِ وَ قَاتَلَ بِبَدْرٍ وَ حُنَيْنٍ وَ لَمْ يَكْفُرْ بِاللهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ۔ أَنَا ابْنُ صَالِحِ الْمُؤْمِنِينَ وَ وَارِثِ النَّبِيِّينَ وَ قَامِعِ الْمُلْحِدِينَ وَ يَعْسُوبِ الْمُسْلِمِينَ

سبطین ہم میں سے ہیں۔

جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہے لیکن جو نہیں جانتا، میں اپنے حسب و نسب کا تعارف کرواتا ہوں۔

اے لوگو! میں فرزندِ مکہ اور منا ہوں، میں فرزندِ زمزم اور صفا ہوں۔ میں اس کا فرزند ہوں جس نے ردا کے گوشوں میں حجرِ اسود اٹھایا۔ میں سب سے نیک عبا اور ردا اوڑھنے والے کا بیٹا ہوں۔ میں سب سے بہترین پیدل چلنے اور نعلین زیبِ پا کرنے والے کا بیٹا ہوں۔ میں بہترین طواف اور سعی کرنے والے کا بیٹا ہوں۔ میں سب سے بہترین حج اور تلبیہ کہنے والے کا بیٹا ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کو ہوا میں بُراق پر سوار کیا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کو مسجد الحرام سے مسجد اقصی کی

سیر کرائی گئی۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کو جبرئیل سدرۃ المنتہی پر لے گئے۔ میں اس کا فرزند ہوں جو قریب ہوا اور آگے بڑھا یہاں تک کہ دو کمان یا اس سے کم کا فاصلہ رہ گیا۔

میں اس کا فرزند ہوں جس نے عرش کے فرشتوں کو نماز پڑھائی۔ میں اس کا فرزند ہوں جس پر رب جلیل نے وہ وحی کی جو اس نے درخواست کی۔ میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کا بیٹا ہوں، میں علی مرتضی کا بیٹا ہوں۔ میں اس کا فرزند ہوں جس نے لوگوں کی ناک پہ ایسی ضرب لگائی کہ انہوں نے کلمہ "لا الہ الاّ" "اللہ" پڑھا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے سامنے دو تلواروں اور دو نیزوں سے جنگ کی، دو ہجرتیں کیں، جس کی دو

وَنُورِ الْمُجَاهِدِينَ وَزَيْنِ الْعَابِدِينَ وَتَاجِ الْبَكَّائِينَ وَأَصْبَرِ الصَّابِرِينَ وَأَفْضَلِ الْقَائِمِينَ مِنْ آلِ يَاسِينَ رَسُولِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. أَنَا ابْنُ الْمُؤَيَّدِ بِجَبْرَئِيلَ الْمَنْصُورِ بِمِيكَائِيلَ أَنَا ابْنُ الْمُحَامِي عَنْ حَرَمِ الْمُسْلِمِينَ وَقَاتِلِ الْمَارِقِينَ وَالنَّاكِثِينَ وَالْقَاسِطِينَ. وَالْمُجَاهِدِ أَعْدَاءَهُ النَّاصِبِينَ وَأَفْخَرِ مَنْ مَشَى مِنْ قُرَيْشٍ أَجْمَعِينَ وَأَوَّلِ مَنْ أَجَابَ وَاسْتَجَابَ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَأَوَّلِ السَّابِقِينَ وَقَاصِمِ الْمُعْتَدِينَ وَمُبِيدِ الْمُشْرِكِينَ وَسَهْمٍ مِنْ مَرَامِي اللّٰهِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ وَلِسَانِ حِكْمَةِ الْعَابِدِينَ وَنَاصِرِ دِينِ اللّٰهِ وَوَلِيِّ أَمْرِ اللّٰهِ وَبُسْتَانِ حِكْمَةِ اللّٰهِ وَعَيْبَةِ عِلْمِهِ. سَمِحٌ سَخِيٌّ بَهِيٌّ بُهْلُولٌ زَكِيٌّ أَبْطَحِيٌّ رَضِيٌّ مِقْدَامٌ هُمَامٌ صَابِرٌ صَوَّامٌ مُهَذَّبٌ قَوَّامٌ۔

قَاطِعُ الْأَصْلَابِ وَمُفَرِّقُ الْأَحْزَابِ. أَرْبَطُهُمْ عِنَاناً وَأَثْبَتُهُمْ جَنَاناً وَأَمْضَاهُمْ

عَزِيمَةً وَأَشَدُّهُمْ شَكِيمَةً أَسَدٌ بَاسِلٌ
يَطْحَنُهُمْ فِي الْحُرُوبِ إِذَا ازْدَلَفَتِ الْأَسِنَّةُ وَ
قَرُبَتِ الْأَعِنَّةُ طَحْنَ الرَّحَى وَيَذْرُوهُمْ فِيهَا
ذَرْوَ الرِّيحِ الْهَشِيمِ. لَيْثُ الْحِجَازِ وَكَبْشُ
الْعِرَاقِ مَكِّيٌّ مَدَنِيٌّ خَيْفِيٌّ عَقَبِيٌّ بَدْرِيٌّ
أُحُدِيٌّ شَجَرِيٌّ مُهَاجِرِيٌّ. مِنَ الْعَرَبِ
سَيِّدُهَا وَمِنَ الْوَغَى لَيْثُهَا وَارِثُ
الْمَشْعَرَيْنِ وَأَبُو السِّبْطَيْنِ الْحَسَنِ وَ
الْحُسَيْنِ. ذَاكَ جَدِّي عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ۔
أَنَا ابْنُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ أَنَا ابْنُ سَيِّدَةِ
النِّسَاءِ انا ابنُ الطُّهرِ البَتُولِ، أنا ابن
بضعة الرسول۔

قال: وَلَمْ يَزَلْ يَقُولُ: أَنَا أَنَا حَتَّى ضَجَّ
النَّاسُ بِالْبُكَاءِ وَالنَّحِيبِ۔

وَخَشِيَ يَزِيدُ لَعَنَهُ اللهُ أَنْ يَكُونَ فِتْنَةٌ فَأَمَرَ
الْمُؤَذِّنَ فَقَطَعَ عَلَيْهِ الْكَلَامَ. فَلَمَّا قَالَ
الْمُؤَذِّنُ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ قَالَ عَلِيٌّ لَا شَيْءَ
أَكْبَرُ مِنَ اللهِ. فَلَمَّا قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا
اللهُ قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ شَهِدَ بِهَا

بار بیعت کی گئی، جس نے جنگ بدر و حنین لڑی اور ایک لحہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کا انکار نہیں کیا۔

میں مؤمنین میں سے سب سے نیک، وارثِ انبیاء، ملحدین کے قاتل، یعسوب المسلمین، نور المجاہدین، زین العابدین، (خوف خدا میں) گریہ کرنے والوں کے سرتاج، سب زیادہ صبر کرنے والے، پروردگارِ عالمین کے رسول ﷺ کی آل یاسین میں سب سے بہتر قیام کرنے والے کا بیٹا ہوں۔

میں اس کا بیٹا ہوں جس کی تائید جبرئیل نے کی، جس کی نصرت میکائیل نے کی۔ میں مسلمانوں کے حرم کے محافظ، مارقین (دین سے خارج ہونے والے)، ناکثین (پیمان شکن) اور قاسطین (ظالمین)

شَعْرِی وَبَشَرِی وَلَحْمِی وَدَمِی. فَلَمَّا قَالَ الْمُؤَذِّنُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللهِ الْتَفَتَ مِنْ فَوْقِ الْمِنْبَرِ إِلَى يَزِيدَ فَقَالَ مُحَمَّدٌ هَذَا جَدِّی أَمْ جَدُّكَ يَا يَزِيدُ فَإِنْ زَعَمْتَ أَنَّهُ جَدُّكَ فَقَدْ كَذَبْتَ وَكَفَرْتَ وَإِنْ زَعَمْتَ أَنَّهُ جَدِّی فَلِمَ قَتَلْتَ عِتْرَتَهُ۔ قَالَ وَفَرَغَ الْمُؤَذِّنُ مِنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ وَتَقَدَّمَ يَزِيدُ فَصَلَّى صَلَاةَ الظُّهْرِ۔[1]

کے قاتل کا بیٹا ہوں اور اپنے ناصبی دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے والے، قریش کے سب سے زیادہ قابلِ افتخار، جس نے مؤمنین میں سب سے پہلے (دعوت اسلام پر) لبیک کہا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کا حکم مانا، جو سبقت کرنے والوں میں سب سے آگے ہے، تجاوز کرنے والوں کی کمر توڑنے والا، مشرکین کو ہلاک کرنے والا ہے،

منافقین پر اللہ کے تیر، عبادت گزاروں کی زبان حکمت، دین خدا کے ناصر، ولی امر خدا، حکمت الٰہی کے باغ، علم خدا کے خزانے۔ بزرگ، سخی، زیبا، کریم، پاکیزہ، ابطحی، جس پر خدا راضی

۱۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ص ۶۹، ۷۱۔ تھوڑے سے فرق کے ساتھ ان کتابوں میں بھی یہ خطبہ ذکر ہوا ہے: ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۱۳۳؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۸۱، ۱۸۲؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۱۳۸، ۱۳۹؛ عماد الدین طبری، کامل بہائی، ج ۲، ص ۳۰۰ سے ۳۰۲؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۱۲۱۔

ہو،صاحب شہامت، شجاع،
صابر، روزہ دار، تہذیب یافتہ،
قائم۔
(دشمن کی نسلوں کو) کاٹنے
اور دستوں کو چیرنے والے،
مضبوط دل کے مالک،سب سے
زیادہ مطیع، سب زیادہ بولنے پر
قادر، سب سے زیادہ مضبوط،
سب سے زیادہ سنجیدہ ہیں۔ وہ
بہادر شیر جو دشمن کو چکی کی طرح
پیستا ہے جب نیزے ایک
دوسرے کے قریب اور گھوڑوں
کے سر آپس میں ٹکراتے ہیں،
انہیں ایسے اڑاتا ہے جیسے ہوا
تنکوں کو اڑاتی ہے۔ حجاز (عرب)
کا شیر، عراق کا مردِ میدان، مکی،
مدنی، خیفی(منا کے پہاڑ کا
دامن)، اہلِ بیعت عقبہ، بدر اور
احد کا جنگجو، پیمان شجرہ کا رکن،
اہل ہجرت ہے۔ عرب کا سردار،
جنگی بہادر، مشعر و منا کا وارث،

سبطین (حسن و حسین) کا بابا ہیں، اور وہ میرے دادا علی بن ابیطالبؑ ہیں۔

راوی کہتا ہے:

آپؑ اپنے بارے مسلسل گفتگو کرتے رہے کہ گریہ وبکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔

یہ دیکھ کر یزید خوفزدہ ہو گیا کہ کہیں فساد برپا نہ ہو جائے لہٰذا اس نے مؤذن کو حکم دیا کہ اذان دو اور اس (امام سجادؑ) کی بات کاٹ دو۔

جب مؤذن نے کہا: اللّٰہُ أَکْبَرُ، تو امام سجادؑ نے فرمایا: کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے بڑی نہیں ہے۔ جب مؤذن نے کہا: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰہُ، تو امام سجادؑ نے فرمایا: میرے بال، جلد، گوشت اور خون اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔ جب مؤذن

نے کہا: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللهِ، تو امام سجاد علیہ السلام نے منبر سے یزید کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: اے یزید کیا یہ محمد تیرا نانا ہے یا میرا؟ اگر تیرا خیال ہو کہ یہ تیرا نانا ہے تو تُو نے جھوٹ بولا ہے اور تیرا گمان ہو کہ یہ میرا نانا ہے تو تُو نے اس کی ذریت کو کیوں قتل کیا ہے۔

راوی کہتا ہے:

جب مؤذن اذان اور اقامت کہہ چکا تو یزید آگے کھڑا ہوا اور ظہر کی نماز پڑھائی۔

پھر نے حکم دیا کہ امام سجاد علیہ السلام اور آپ کے اہل بیت کے لیے ایک گھر خالی کیا جائے۔[1]

اسیران اہل بیت علیہم السلام کی شام میں قیام گاہ

تاریخی کتب کے مطابق اہل بیت علیہم السلام، شام میں دو جگہوں پر رہے۔ بعض روایات کے مطابق مسجد جامع (مسجد دمشق) کے دروازے کے قریب جہاں اسیروں کو ٹھہرایا جاتا تھا، اہل بیت علیہم السلام کو بھی وہاں ٹھہرایا گیا اور بعض روایات کے مطابق اہل بیت علیہم السلام کو باب ساعات سے شہر میں داخل کیا گیا اور دمشق میں داخل ہوتے ہی بلوائے عام میں ایک ویران اور چھت کے بغیر جگہ پر رکھا گیا اور کچھ رومی سپاہیوں کو

۱۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۳۳۔

ان پر پہرہ دار مقرر کیا گیا۔ جناب فاطمہ بنت علی کہتی ہیں کہ یزید نے اہل بیت علیہم السلام کو ایسی جگہ قیدی رکھا جو گرمی اور سردی سے محفوظ نہ تھی، جس کی وجہ سے ان کے چہروں کی (نازک) جلد اتر گئی۔[1]

محمد بن علی حلبی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ جب امام سجاد اور اہل بیت علیہم السلام کو شام لے گئے تو ان کو ایک ویران گھر میں رہائش دی۔

کچھ قیدیوں کا کہنا ہے کہ ہمیں ایسے گھر میں ٹھہرایا گیا جو گرنے والا تھا اور وہ اسی ذریعہ سے ہمیں قتل کرنا چاہتے تھے۔ پہرہ دار، رومی زبان میں کہتے تھے کہ یہ قیدی ڈرتے ہیں کہ یہ گھر ان پر گر پڑے جبکہ کل ان کو یہاں سے نکال کر سب کو قتل کر دیں گے۔ امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں: ان میں میرے علاوہ کوئی بھی رومی زبان کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا تھا۔[2] نیز فرمایا: اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے گا۔[3]

ویرانے میں اہل بیت علیہم السلام کے قیام کی مدت

امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں: رومی پہرہ دار میری طرف اشارہ کرکے اپنی زبان میں کہتے تھے کہ (حسین کے) خون کا وارث یہ ہے اور ہمیں وہاں دو دن رکھا اور پھر آزاد کر دیا۔[4]

امام سجاد علیہ السلام کے خطبے کی وجہ سے حالات یکسر بدل کر اہل بیت علیہم السلام کے حق میں ہو گئے تھے، لہٰذا اب یزید کے لیے زیادہ دیر تک اہل بیت علیہم السلام کو قید میں رکھنا ممکن نہیں تھا، چنانچہ اُس نے اہل بیت علیہم السلام کو آزاد کر دیا اور اپنے محل کے قریب ایک مکان میں رہائش دی اور اہل بیت علیہم السلام وہاں کچھ دن ٹھہرے۔[5]

۱۔ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۲۱۹؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۱۰۲، ۱۰۳؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۱۴۰۔

۲۔ محمد بن حسن بن فروخ الصفار، بصائر الدرجات، ص۳۳۸، ۳۴۷؛ طبری امامی، دلائل الامامۃ، ص۸۸۔

۳۔ طبری امامی، دلائل الامامۃ، ص۸۸؛ راوندی، الخرائج والجرائح، ج ۲، ص ۷۵۳، ۷۵۴۔

۴۔ محمد بن حسن بن فروخ الصفار، بصائر الدرجات، ص۳۳۹۔

۵۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۲۲؛ طبرسی، اعلام الوری، ص۲۴۹؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۱۳۳۔

لیکن کچھ مؤرخین نے لکھا ہے کہ یزید نے اہل بیت علیہم السلام کو اپنی بیویوں کے خصوصی گھر میں رہائش دی اور کھانے کے وقت امام سجاد علیہ السلام کو دعوت دیتا تھا۔[1] اہل بیت علیہم السلام وہاں تین دن رہے اور ہر وقت عزاداری میں مصروف رہتے تھے۔[2]

عَمرو بن امام حسن علیہ السلام کا یزید کے ساتھ مکالمہ

ایک دن یزید نے امام حسن علیہ السلام کے گیارہ سالہ فرزند جناب عَمرو سے کہا کہ تم میرے بیٹے خالد کے ساتھ کشتی لڑوگے؟ عمرو نے کہا: ٹھیک ہے، مجھے بھی تلوار دو اور اسے بھی؛ پھر ہم مبارزہ کرتے ہیں اور تم دیکھنا کون قوی ہے۔ یزید نے اسے گود میں لیا اور یہ ضرب المثل کہی: شِنْشِنَةٌ اَعْرِفُهَا مِنْ اَخْزَمٍ هَلْ تَلِدُ الْحَيَّةُ اِلَّا حَيَّةً، یعنی یہ عادت تو میں اخزم سے جانتا ہوں، مگر سانپ نے کبھی سانپ کے علاوہ کچھ اور جنم دیا ہے؟[3]

امام سجاد علیہ السلام کی منہال کے ساتھ گفتگو

شام میں قیام کے دوران ایک دن امام سجاد علیہ السلام گھر سے باہر تشریف لے گئے اور شام کے بازار میں چل رہے تھے۔ منہال بن عمرو سے نے آگے پوچھا: اے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ رات کیسے گزری ہے؟ فرمایا:

ہم نے ایسے رات گزاری ہے جیسے بنی اسرائیل، قومِ فرعون کے درمیان گزارتے تھے۔ وہ ان کے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے۔

۱۔ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۸۶؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۶۲؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۴۷؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۵۷۸۔

۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ج۱، ص ۴۸۹۔

۳۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۵۷۸؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۶۵؛ ابن سعد، الطبقات الکبری، الطبقۃ الخامسۃ، ج۱، ص ۴۸۹؛ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۲۲۳، ۲۲۴۔

اے منہال، عرب قوم عجموں پر فخر کرتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ ان میں سے ہیں اور قریش تمام عرب پر فخر کرتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ ہمارے قبیلے سے ہیں؛ جبکہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کے اہل بیت علیہم السلام ہیں؛ لیکن انہوں نے ہمارا حق غصب کیا، ہمیں قتل کیا اور ہمیں بکھیر دیا۔

اے منہال! انا للہ و انا الیہ راجعون، ہم نے جس مصیبت میں رات گزاری ہے وہ ہم خدا کے سپرد کرتے ہیں۔[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام سجاد علیہ السلام اور حضرت زینب علیہا السلام کے خطبوں کے بعد اہل بیت علیہم السلام کے حالات قدرے بہتر ہو گئے تھے۔ انہوں نے یزید کی اجازت[2] سے اسی گھر میں مجلس عزا بپا کی، جہاں وہ رہائش پذیر تھے۔ روایات کے مطابق یہ گھر یزید کے گھر کے قریب قصر میں واقع تھا اور اس گھر میں ٹھہرانے کی وجہ شاید یہ ہو کہ عزاداری دمشق کے شہر میں پھیلنے نہ پائے۔ جب مخدرات عصمت گھر میں داخل ہوئیں تو خاندانِ معاویہ کی کوئی عورت ایسی نہ تھی جو گریہ وزاری نہ کر رہی ہو۔ انہوں نے تین دن تک امام حسین علیہ السلام کی عزاداری منائی۔[3]

دمشق میں اہل بیت علیہم السلام کے قیام کی مدت

اہل بیت علیہم السلام دمشق میں کتنے دن رہے؟ اس بارے میں مختلف اقوال ذکر ہوئے ہیں:

۱۔ اَقَامُوْا اَیَّاماً، چند دن رہے۔[4]

۲۔ اہل بیت علیہم السلام اور خاندانِ معاویہ کی عورتوں نے تین دن عزاداری منائی۔[1]

۱۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۱۳۳؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۸۲؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۷۲؛ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۲۲۲، ۲۲۳؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۱۰۵، ۱۰۶؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۱۴۳۔

۲۔ عماد الدین، طبری، کامل بہائی، ج ۲، ص ۳۰۲۔

۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۶۲۔

۴۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۲۲؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ج ۱، ص ۲۴۹۔

۳۔ دمشق میں اہل بیت علیہم السلام سات دن تک رہے اور عزاداری کی۔[۲]

۴۔ سید بن طاووس: ایک مہینہ۔[۳]

۵۔ قاضی نعمان مغربی: پینتالیس دن۔[۴]

چوتھا قول ضعیف ہے چونکہ "قیل" (یعنی کہا گیا ہے) کی لفظ کے ساتھ بیان ہوا ہے اور یہ لفظ ضعف کی علامت ہے اور پانچواں قول قاضی نعمان کے علاوہ کسی نے بیان نہیں کیا؛ لہٰذا اگر باقی روایات کو جمع کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام شام میں دس دن سے زیادہ نہیں رہے۔ خاندانِ معاویہ کی عورتوں نے تین دن اور مخدرات عصمت و طہارت نے وہاں سات دن تک عزاداری کی۔ جب خاندانِ معاویہ کی عورتوں نے مخدرات عصمت و طہارت کو عزاداری کرتے ہوئے دیکھا اور حق کو پہچان لیا تو وہ بھی پانچویں دن ان کے ساتھ عزاداری میں شامل ہو گئیں۔

۱۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین و مقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش ۱۰، ص ۱۹۲؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۶۲؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۷۴؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص ۲۱۲۔

۲۔ عماد الدین طبری، کامل بہائی، ج۲، ص ۳۰۲؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص ۱۹۶۔

۳۔ سید ابن طاووس، الاقبال بالاعمال الحسنۃ، ج۳، ص ۱۰۱۔

۴۔ تمیمی مغربی، شرح الاخبار فی فضائل الائمۃ الاطہار، ج۳، ص ۲۶۹۔

پانچویں فصل

اہل بیت علیہم السلام مدینہ میں

اہل بیت علیہم السلام کی مدینہ واپسی

اہل بیت علیہم السلام کے خطبات نے شام کے حالات یکسر بدل دیے؛ کیونکہ امام سجاد علیہ السلام نے شام کی غفلت اور جہالت کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی عوام کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے خاندان کی عظمت سے آگاہ کیا اور بنی امیہ کے مکر فریب سے پردہ اٹھایا۔ لہٰذا یزید نے مزید بدنامی سے بچنے کے لیے ایک طرف اہل بیت علیہم السلام کی دل جوئی کی اور دوسری طرف امام حسین علیہ السلام کے قتل کا معاملہ ابن زیاد کی گردن میں ڈال دیا اور اہل بیت علیہم السلام کو اختیار دیا کہ شام میں رہیں یا واپس مدینہ چلے جائیں۔ اہل بیت علیہم السلام نے اس کا مشورہ قبول نہیں کیا، بلکہ فرمایا کہ ہمیں مدینہ بھیج دے۔[1]

یزید نے نعمان بن بشیر سے کہا کہ ان کی مرضی کے مطابق سفر کا سامان تیار کرے اور شام کے کسی امین اور صالح شخص کو فوج دے کر اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ بھیجے۔ ان کو لباس، ہدیے، زاد راہ اور انعامات دیے۔ پھر امام سجاد علیہ السلام کو بلا کر کہا: خدا ابن مرجانہ پر لعنت کرے! اللہ کی قسم؛ میں اس (حسین بن علی) کے پاس ہوتا تو وہ جو کچھ مجھ سے مانگتے میں انہیں دے دیتا اور اپنی پوری طاقت سے موت کو ان سے دور کرتا، چاہے مجھے اپنی اولاد قربان کرنا پڑتی؛ لیکن یہ قضائے الٰہی تھی۔ آپ اپنی حاجات مجھے لکھ کر دیں۔ پھر ایک سپاہی کو ان کی سفارش کی۔ وہ سپاہی دمشق سے ساتھ چلا اور ان کے آگے آگے رہتا تھا؛ لیکن زیادہ فاصلے پر بھی نہیں چلتا تھا۔ جب اہل بیت علیہم السلام کہیں رکتے تھے وہ ان سے دور ہو جاتا تھا۔ اس کے ساتھ تیس افراد تھے[2] اور وہ اپنے ساتھیوں سمیت ان کے ارد گرد محافظت کرتا تھا۔ اگر کوئی شخص وضو کرنا چاہتا تھا تو

۱۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۱۴۷۔

۲۔ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۸۷۔

اس کو اتارتے اور تمام ضروریات پوری کرتے تھے۔ وہ اسی طرح مہربانی کرتے ہوئے انہیں مدینہ لے گئے۔[1] ایک روایت کے مطابق رات کو چلتے اور دن کو آرام کرتے تھے۔[2]

مؤرخین میں اختلاف ہے کہ یزید نے اہل بیتؑ کے ساتھ کس شخص کو مدینہ روانہ کیا۔ بعض نے لکھا ہے کہ نعمان بن بشیر کو یہ ذمہ داری سونپی گئی؛[3] لیکن زیادہ تر مآخذ میں آیا ہے کہ یزید کے حکم سے نعمان بن بشیر نے سامانِ سفر آمادہ کیا اور اہل شام میں سے ایک صالح اور امین شخص کو اہل بیتؑ کے ساتھ مدینہ بھیجا۔[4] یہ قول صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ نعمان بن بشیر انصاری اور مشہور شخص تھا؛ لہٰذا اگر وہ خود کاروان اہل بیتؑ کا سرپرست ہوتا تو یقیناً کتبِ تاریخ میں اس کا نام ذکر ہوتا۔

اہل بیتؑ کا کربلا پہنچنا

اہل تشیع کے ہاں مشہور ہے کہ رسول خداؐ کے عظیم صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ بیس صفر کو امام حسینؑ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور شام سے واپسی پر اہل بیتؑ بھی اسی دن کربلا پہنچے اور وہاں جناب جابر بن عبد اللہ انصاری سے ملاقات ہوئی۔ اسی دن امام حسینؑ کا سر مبارک آپؑ کے بدن اطہر کے ساتھ دفن کیا گیا۔

شیخ مفید، شیخ طوسی اور رضی الدین حلی نے اس بارے میں لکھا ہے:

بیس صفر وہ دن ہے جب امام حسینؑ کے حرم، شام سے مدینہ واپس پلٹے۔ اسی طرح اس دن رسول خداؐ کے صحابی جناب جابر بن عبد اللہ انصاری بھی امام حسینؑ

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۶۲؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۱۲۲؛ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۸۷؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۷۴؛ ابن اثیر الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۷۸؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص ۲۱۲؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۱۴۶۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۶۳؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۱۲۲؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۵۷۸۔

۳۔ بلعمی، تاریخنامہ طبری، ج۴، ص۷۱۵؛ طبرسی، اعلام الوری، ص۲۴۹، ۲۵۰؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۱۰۶۔

۴۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۶۲؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۷۴؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۷۸؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص ۱۴۶۔

> کی زیارت کے لیے مدینہ سے کربلا آئے اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کی قبر کی زیارت کی۔[1]

اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کے ساتھ، ہم جلد ہی اربعین اور روزِ اربعین پیش آنے والے واقعات کو تفصیل کے ساتھ علیٰحدہ فصل میں بیان کریں گے۔

اہل بیت علیہم السلام کا مدینہ داخل ہونا

شہادتِ امام حسین علیہ السلام کی خبر مختلف ذرائع سے مدینہ پہنچ چکی تھی۔ مدینہ کے لوگ، حضرت ام سلمہ علیہا السلام کے خواب، مٹی کے خون میں تبدیل ہونے اور حاکمِ مدینہ کی طرف ابن زیاد کے خصوصی ایلچی کے ذریعہ، واقعہ کربلا سے آگاہ ہو چکے تھے۔ مدینہ ایک مدت سے ماتم کدہ بنا ہوا تھا؛ لیکن کاروانِ حسینی علیہ السلام کی واپسی نے ان کا غم تازہ کر دیا اور مدینہ منورہ، عاشورہ کا منظر پیش کرنے لگا۔

مؤرخین کا کہنا ہے کہ جب قافلہ مدینہ پہنچا، تو حضرت فاطمہ بنت علی علیہ السلام نے اپنی بہن حضرت زینب علیہا السلام سے کہا: اس شامی شخص نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے، اسے دینے کے لیے آپ کے پاس کچھ ہے؟ بی بی نے فرمایا: زیورات کے علاوہ کچھ نہیں۔ روایت کے مطابق حضرت فاطمہ علیہا السلام کہتی ہیں کہ میں نے اور بہن زینب علیہا السلام نے اپنے اپنے دست بند اور بازو بند اتار کر اس کے پاس بھیجے اور اس سے عذر خواہی کی اور کہا: یہ تیرے اچھے سلوک کا صلہ ہے۔ اس شخص نے کہا: اگر میں نے یہ کام دنیا کے لیے کیا ہوتا تو آپ کے زیورات، بلکہ ان سے بھی کم پر راضی ہو جاتا؛ لیکن اللہ کی قسم! میں نے یہ کام اللہ کی رضا اور پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ تمہاری قرابت کی وجہ سے کیا ہے۔[2]

امام سجاد علیہ السلام نے تحریکِ سید الشہدا کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کے لیے مدینہ سے باہر خیمہ لگایا اور شہر میں داخل ہونے سے پہلے بَشِیر بن حَذلَم کو بلا کے فرمایا: خدا تیرے باپ پر رحمت نازل کرے وہ اچھا

۱۔ شیخ مفید، مسار الشیعہ، ص ۴۶؛ شیخ طوسی، مصباح المتہجد، ص ۷۸۷؛ رضی الدین علی بن یوسف بن مطہر حلی، العُدد القویہ، ص ۲۱۹۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۶۲، ۴۶۳؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۷۸۔

شاعر تھا، کیا تو بھی شعر کہتا ہے؟ اس نے عرض کیا: ہاں فرزند رسول خداؐ میں بھی شاعر ہوں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: شہر میں جا کر لوگوں کو میرے بابا کی شہادت کی خبر دو۔ بشیر کہتا ہے: میں گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ گیا۔ مسجد نبوی میں پہنچ کر میں نے روتے ہوئے بلند آواز سے شعر پڑھے:

يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ بِهَا　　قُتِلَ الْحُسَيْنُ فَأَدْمُعِي مِدْرَارٌ

اے اہل مدینہ! یہاں تمہارے رہنے کا مقام نہیں　　حسین شہید ہو گئے، میرے آنسو جاری ہیں

اَلْجِسْمُ مِنْهُ بِكَرْبَلَاءَ مُضَرَّجٌ　　وَالرَّأْسُ مِنْهُ عَلَى الْقَنَاةِ يُدَارُ[1]

ان کا بدن کربلا میں خون میں غلطاں ہے　　اور سر نیزے پر پھیرایا جا رہا ہے

پھر میں نے کہا: لوگو! علی بن الحسین علیہ السلام اپنی پھوپھیوں اور بہنوں سمیت شہر کے قریب پہنچ چکے ہیں اور انہوں نے مجھے بھیجا ہے کہ تمہیں ان کی قیام گاہ بتاؤں۔ یہ خبر سنتے ہی مدینہ کی عورتیں پریشانی کے عالم میں گھروں سے نکلیں، اپنے منہ پر ماتم، چہروں کو زخمی اور آہ و بکا کر رہی تھیں۔ میں نے پہلے کبھی اس طرح عورتوں اور مردوں کو روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ مسلمانوں کے لیے رسول خداؐ کی رحلت کے بعد اس سے زیادہ مشکل دن نہیں آیا۔[2] پھر میں نے ایک کنیز کو دیکھا جو غم حسین علیہ السلام میں یوں نوحہ پڑھ رہی تھی:

نَعَى سَيِّدِي نَاعٍ نَعَاهُ فَأَوْجَعَا　　وَأَمْرَضَنِي نَاعٍ نَعَاهُ فَأَفْجَعَا

قاصد میرے مولا کی شہادت کی خبر لے آیا ہے　　میرے دل کو تکلیف پہنچائی، مریض اور غمزدہ کیا

فَعَيْنَيَّ جُودَا بِالدُّمُوعِ وَأَسْكِبَا　　وَجُودَا بِدَمْعٍ بَعْدَ دَمْعِكُمَا مَعاً

اے میری آنکھیں! اس پر سخاوت سے آنسو بہاؤ　　اور مسلسل گریہ کرو اور اشک بہاؤ

عَلَى مَنْ دَهَى عَرْشَ الْجَلِيلِ فَزَعْزَعَا　　فَأَصْبَحَ هَذَا الْمَجْدُ وَالدِّينُ أَجْدَعَا

جس کے غم نے اللہ کے عرش کو لرزہ براندام کیا　　اور دین اور بزرگی رسوا ہوئی

عَلَى ابْنِ نَبِيِّ اللهِ وَابْنِ وَصِيِّهِ　　وَإِنْ كَانَ عَنَّا شَاحِطَ الدَّارِ أَشْسَعَا

۱۔ سید بن طاووس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص ۲۲۷؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۱۱۲۔

۲۔ سید ابن طاووس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص ۲۲۷۔

رسول اور اس کے جانشین کے فرزند پر گریہ کرو   اگرچہ اس کی عظمت ہماری دسترس سے باہر اور دور ہے

پھر کہا: اے شہادت کی خبر لانے والے، تم نے ہمارا غم تازہ کیا ہے اور ہمارے کچے زخموں پر نشتر لگایا ہے۔ تجھ پر اللہ کی رحمت ہو۔ تو کون ہے؟ میں نے کہا: میں مولا علی بن الحسین علیہ السلام کا قاصد بشیر بن حذلم ہوں۔ آپ علیہ السلام اہل بیتِ حسین علیہ السلام کے ہمراہ مدینہ کے قریب پہنچے ہوئے ہیں۔[1]

امام سجاد علیہ السلام کا خطبہ

بشیر بن حذلم کہتا ہے: لوگ مجھے چھوڑ کر جلدی سے امام سجاد علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے۔ میں بھی گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں گیا۔ لوگوں کی بھیڑ کی وجہ سے سارے راستے بند تھے۔ میں گھوڑے سے اترا اور بہت مشکل سے امام سجاد علیہ السلام کے خیمے تک پہنچا۔ امام کے ہاتھ میں ایک رومال تھا جس سے اپنے آنسو خشک کر رہے تھے۔ آپ کے لیے خیمے سے باہر ایک چارپائی لگائی گئی اور آپ اس پر بیٹھے۔ آپ کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو بہنے لگے۔ لوگوں کے گریہ اور آہ و بکا کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ عورتیں اور کنیزیں نوحہ پڑھنے لگیں۔ لوگ چاروں طرف سے امام علیہ السلام کو تسلیت کہنے لگے۔ امام علیہ السلام نے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو خاموش کیا۔ جب لوگ خاموش ہو گئے تو آپ علیہ السلام نے خطبہ دیا:

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعالَمِينَ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مالِكِ يَوْمِ الدِّينِ، بارِئِ الْخَلائِقِ أَجْمَعِينَ، أَلَّذِي بَعُدَ فَارْتَفَعَ فِي السَّمٰواتِ الْعُلٰى، وَقَرُبَ فَشَهِدَ النَّجْوٰى، نَحْمَدُهُ عَلٰى عَظائِمِ الأُمُورِ، وَفَجائِعِ الدُّهُورِ، وَأَلَمِ الْفَجائِعِ، وَمَضاضَةِ اللَّواذِعِ، وَجَلِيلِ	**تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار، رحیم و رحمان، روز قیامت کا مالک اور تمام مخلوقات کو خلق کرنے والا ہے، وہ جو اتنا دور ہے کہ آسمانوں تک اس کی اوج قدرت ہے اور اتنا قریب ہے**

۱۔ سابقہ حوالہ، ص ۲۲۷، ۲۲۸؛ جواد شُبّر، ادب الطف، ج ۱، ص ۶۵۔

الرُّزْءِ، وَعَظِيمِ الْمَصائِبِ الْفاظِعَةِ الْكاظَّةِ الْفادِحَةِ الْجائِحَةِ۔

أَيُّهَا الْقَوْمُ! إِنَّ اللّٰهَ وَلَهُ الْحَمْدُ ابْتَلانا بِمَصائِبَ جَلِيلَةٍ، وَثُلْمَةٍ فِي الْإِسْلامِ عَظِيمَةٍ، قُتِلَ أَبُوعَبْدِ اللّٰهِ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلامُ وَعِتْرَتُهُ، وَسُبِيَ نِساؤُهُ وَصِبْيَتُهُ، وَدارُوا بِرَأْسِهِ فِي الْبُلْدانِ مِنْ فَوْقِ عامِلِ السِّنانِ، وَهٰذِهِ الرَّزِيَّةُ الَّتِي لا مِثْلَها رَزِيَّةٌ۔

أَيُّهَا النّاسُ! فَأَيُّ رِجالاتٍ مِنْكُمْ تَسُرُّونَ بَعْدَ قَتْلِهِ؟! اَمْ أَيُّ فُؤادٍ لا يَحْزُنُ مِنْ أَجْلِهِ؟ أَمْ أَيَّةُ عَيْنٍ مِنْكُمْ تَحْبِسُ دَمْعَها وَتَضَنُّ عَنِ انْهِمالِها؟! فَلَقَدْ بَكَتِ السَّبْعُ الشِّدادُ لِقَتْلِهِ، وَبَكَتِ الْبِحارُ بِأَمْواجِها، وَالسَّمٰواتُ بِأَرْكانِها، وَالْأَرْضُ بِأَرْجائِها، وَالْأَشْجارُ بِأَغْصانِها، وَالْحِيتانُ وَلُجَجُ الْبِحارِ، وَالْمَلائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ، وَأَهْلُ السَّمٰواتِ أَجْمَعُونَ۔

أَيُّهَا النّاسُ! أَيُّ قَلْبٍ لا يَنْصَدِعُ لِقَتْلِهِ؟! أَمْ أَيُّ فُؤادٍ لا يَحِنُّ إِلَيْهِ؟! أَمْ أَيُّ سَمْعٍ

کہ تمام سرگوشیوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ عظیم امور، زمانے کے مصائب و آلام، زبان کے زخم (طعنہ)، بڑی بڑی اور مسلسل مصیبتوں پر، ہم اس کی حمد کرتے ہیں۔

اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں عظیم مصائب اور اسلام میں ناقابل جبران خسارے کے ذریعہ آزمایا ہے۔ ابو عبد اللہ الحسین علیہ السلام اور ان کی عترت کو شہید کیا گیا، مخدرات عصمت و طہارت اور بچوں کو قیدی کیا گیا اور آپ کے سر کو شہر بہ شہر پھیرایا گیا۔ یہ وہ مصیبت ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔

اے لوگو! ان کے قتل کے بعد تم میں سے کون خوش ہے؟! کونسا دل ہے جو ان کے لیے غمزدہ نہ ہو؟! کونسی آنکھ

يَسْمَعُ هٰذِهِ الثُّلْمَةَ الَّتِي ثُلِمَتْ فِي الْإِسْلَامِ وَلَا يُصَمُّ۔

أَيُّهَا النَّاسُ! أَصْبَحْنَا مَطْرُودِينَ مُشَرَّدِينَ مَذُودِينَ، شَاسِعِينَ عَنِ الْأَمْصَارِ، كَأَنَّا أَوْلَادُ تُرْكٍ وَكَابُلَ مِنْ غَيْرِ جُرْمٍ اجْتَرَمْنَاهُ، وَلَا مَكْرُوهٍ ارْتَكَبْنَاهُ، وَلَا ثُلْمَةٍ فِي الْإِسْلَامِ ثَلَمْنَاهَا، مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ إِنْ هٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ۔ وَاللّٰهِ لَوْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ تَقَدَّمَ إِلَيْهِمْ فِي قِتَالِنَا كَمَا تَقَدَّمَ إِلَيْهِمْ فِي الْوِصَايَةِ بِنَا لَمَا ازْدَادُوا عَلَى مَا فَعَلُوا بِنَا، فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ مِنْ مُصِيبَةٍ مَا أَعْظَمَهَا وَأَوْجَعَهَا وَأَفْجَعَهَا وَأَكَظَّهَا وَأَفْظَعَهَا وَأَمَرَّهَا وَأَفْدَحَهَا، فَعِنْدَ اللّٰهِ نَحْتَسِبُ فِيمَا أَصَابَنَا وَمَا بَلَغَ بِنَا، إِنَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ۔[1]

ہے جو گریہ نہ کرے اور اشک نہ بہائے؟! یقیناً سات آسمانوں نے مضبوط بنیادوں سمیت، دریاؤں نے موجوں سمیت، آسمانوں نے اپنے ارکان سمیت، زمین نے اپنے تمام اطراف سمیت، درختوں نے اپنی شاخوں سمیت، مچھلیوں، دریا کی گہرائیوں، اللہ کے مقرب ملائکہ اور تمام آسمانی مخلوقات نے ان کی شہادت پر گریہ کیا ہے۔

اے لوگو! وہ کونسا دل ہے جو ان کی شہادت پر لرزہ براندام نہ ہو؟! کون سا جگر ہے جو ان کے لیے نہ جلے؟! کونسا کان ہے جو اس عظیم اور ناقابل جبران واقعہ کو سن کر متاثر نہ ہو؟!

۱۔ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۲۲۸ تا ۲۳۰؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۱۱۳؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۱۴۸، ۱۴۹۔

اے لوگو! ہمیں تُرک اور
کابل (کے کافروں) کی
اولادوں کی طرح دھتکارا
گیا، آوارہ اور منتشر کیا گیا
جبکہ ہمارا کوئی جرم نہیں تھا، نہ
ہم نے اسلام میں کوئی رخنہ
ڈالا اور نہ ہی کوئی ناجائز کام
انجام دیا۔ ہم نے کبھی اپنے
آباؤاجداد سے اس طرح کے
(دردناک) واقعات نہیں سنے
تھے۔

اللہ کی قسم، اگر رسول
خدا ﷺ ہمارے بارے میں یہ
وصیت کرتے کہ لوگ ہم سے
جنگ کریں تو وہ ہرگز اس سے
زیادہ بُرا سلوک نہ کرتے۔ اِنّا
لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ راجِعُونَ، یہ کتنی
بڑی دردناک، غم انگیز، تلخ اور
تباہ کر دینے والی مصیبت تھی
جو ہم پر آئی ہے ۔ پس جو
مصیبت ہم پر آئی ہے، وہ ہم

اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔بے
شک اللہ تعالیٰ عزیز (شکست
ناپذیر) اور انتقام لینے والا ہے۔

اہل بیت علیہم السلام کے خطبات کا تحلیلی جائزہ

اگر اہل بیت علیہم السلام کے خطبات بالخصوص امام سجاد علیہ السلام کے خطبات کا آپس میں مقائسہ کیا جائے تو چند باتیں سامنے آتی ہیں۔ اہل بیت علیہم السلام نے تین مقامات پر خطبے ارشاد فرمائے: کوفہ، شام اور مدینہ منورہ میں ۔ تمام خطبات کا لحن اور لب ولہجہ مختلف ہے۔ کوفہ کے خطبات میں اہل بیت علیہم السلام نے کوفیوں کو اپنا تعارف نہیں کروایا بلکہ ان کی سرزنش کی اور انہیں اپنے گناہ کی طرف توجہ دلائی، کیونکہ کوفی اہل بیت علیہم السلام کی عظمت و منزلت سے بخوبی آشنا تھے۔ لہٰذا وہاں اپنا تعارف کروانے کی ضرورت نہ تھی۔

لیکن شام میں دیئے جانے والے خطبات میں اپنا اور اپنے خاندان کا تعارف کروایا اور لوگوں کو یہ بتایا کہ ہماری رسول خدا علیہ السلام کے ساتھ کیا نسبت ہے۔ اسی طرح حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام اور حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے فضائل بیان کیے اور یہ بھی واضح کیا کہ یزید ملعون نے اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ کیسی خیانت کی ہے۔ نیز بتایا کہ ہم ہی ہیں جو دین مبین اسلام کے پابند اور اہل قبلہ ہیں، کیونکہ شام والے اہل بیت علیہم السلام کی حقیقت سے آشنا نہیں تھے، بلکہ ان کو جان بوجھ کر اہل بیت علیہم السلام سے دور اور ناآشنا رکھا گیا تھا۔

اسی طرح مدینہ کے لوگ کافی حد تک اہل بیت علیہم السلام اور ان کے فضائل و مناقب سے آگاہ تھے، لہٰذا وہاں آکر صرف اپنے اوپر ہونے والے مظالم کو بیان کیا؛ اپنا اور اپنے خاندان کا تعارف نہیں کروایا۔ مدینہ میں داخل ہونے کے بعد امام سجاد علیہ السلام نے لوگوں کو بنی امیہ کے مظالم بتائے اور اپنے بارے میں پیغمبر اکرم علیہ السلام کی وصیتیں بتائیں۔

امام سجاد اور اہل بیت علیہم السلام کی تبلیغی تحریک کے نتائج

کربلا سے شام اور پھر وہاں سے مدینہ تک اہل بیت علیہم السلام کا کردار اور تبلیغ اس بات کی سبب بنی کہ واقعہ کربلا اور امام حسین علیہ السلام کا ہدف ہمیشہ زندہ و جاوید اور تحریفات سے محفوظ رہے، اس کا پیغام صحیح انداز سے لوگوں تک پہنچے اور اس کے اہم نتائج سامنے آئیں۔

اہل بیت علیہم السلام کے تبلیغی مشن کی وجہ سے تاریخ عاشورہ اور تحریکِ حسینی ہمیشہ کے لیے تاریخ میں درج ہوگئی۔ اگرچہ بعض مؤرخین نے کوشش کی ہے کہ اس کو ایسے انداز سے پیش کیا جائے جس سے بنی امیہ کی رضایت حاصل ہو۔ اگر اہل بیت علیہم السلام (واقعہ کربلا کی) ترویج نہ کرتے تو شاید بنی امیہ کے کارندے، قیامِ امام حسین علیہ السلام اور خاندانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کی فداکاری، جوانمردی اور عظمت، پسِ پشت ڈال دیتے اور حسینی تحریک کے اہداف مٹ جاتے اور نتیجہ یہ نکلتا کہ تھوڑی ہی مدت کے بعد، واقعہ کربلا اپنی عظمتوں سمیت فراموشی کی نذر ہو جاتا؛ لیکن اہل بیت علیہم السلام نے اس کے تمام تر جلوے لوگوں کو دکھائے اور بلند آواز سے تاریخ میں آواز دی کہ امام حسین علیہ السلام کا ہدف، خدا پرستی اور لوگوں کے لیے سعادت کا حصول تھا، نہ کہ قدرت کی طلب؛ اور اس طرح واقعہ کربلا کو تاریخ میں پائیدار بنا دیا۔

امام سجاد علیہ السلام نے مدینہ داخل ہوتے ہوئے جو خطبہ دیا، اس میں لوگوں کے سامنے بنی امیہ کے مظالم بیان فرمائے اور احتمالی تہمتوں سے اہل بیت علیہم السلام کی پاکدامنی کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں فرمایا:

اے لوگو! ہمیں بے یار و مددگار چھوڑا گیا۔ ہم دربدر کر دیئے گئے۔ شہر بہ شہر لے جائے گئے۔ ہم پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے گئے۔ ہمیں اپنے وطن سے دور کر دیا گیا؛ گویا ہم ترک و کابل (غیر مسلم قوموں) کی اولاد ہوں، جبکہ ہمارا کوئی جرم بھی نہ تھا؛ نہ ہی ہم نے کوئی ناپسندیدہ کام انجام دیا تھا اور نہ ہی ہم نے اسلام میں کوئی رخنہ ڈالا تھا۔

> **ہم نے آج تک اپنے آباواجداد میں ایسی بات کبھی نہ سنی تھی، یہ سب یہ ایک نئی چیز ہے۔ خدا کی قسم، جس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے انہیں ہمارے حق میں (محبت کی)**

سفارش کی تھی، اگر آنحضرت نے انہیں ہمارے ساتھ جنگ کرنے کی تاکید کی ہوتی تو جو کچھ یہ کر چکے ہیں، اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کر سکتے تھے[1]۔

یہ حقیقت برملا ہونے کے بعد لوگوں نے سمجھا اور اس واقعہ کو من و عن تاریخ میں نقل کیا۔ اہل بیت علیہم السلام کے مدینہ میں داخل ہونے کے وقت جب ابراہیم بن طلحہ نے امام سجاد علیہ السلام سے پوچھا کہ کون کامیاب ہوا ہے؟ تو آنحضرت نے فرمایا: جب نماز کا وقت ہو اور آذان اور اقامت کہو تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ کون کامیاب ہوا ہے۔[2]

گویا امام سجاد علیہ السلام کے فرمان کا اشارہ اس بات کی طرف ہے معاویہ اور اس کے بیٹے یزید کا ارادہ تھا کہ غلط تشہیر اور اپنے ظلم و ستم کے ذریعہ اسلام کے مطالب کو اپنے فائدہ میں ڈھالیں اور اذان سے پیغمبر اسلام علیہ السلام کا نام نکال دیں؛ لیکن کربلا میں امام حسین علیہ السلام اور اصحاب کی شجاعت اور کوفہ و شام میں اہل بیت علیہم السلام کے خطبوں نے اسلام کی حفاظت کی اور اذان میں پیغمبر علیہ السلام کا نام پہلے کی طرح باقی رکھا۔

---

[1] □سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۲۲۹، ۲۳۰؛ ابن نما، مثیر الحزان، ص ۱۱۳؛ ترجمہ□ خطب□ از سید توقیر عباس کاظمی□

[2] □شیخ طوسی، الامالی، مجلس۳۷، ح۱۱؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص ۱۷۷□

چھٹی فصل

امام سجاد علیہ السلام کی امامت میں
تحریک حسینی علیہ السلام کا تسلسل

واقعہ کربلا کے بعد اہل بیت علیہم السلام اور بالخصوص امام سجاد علیہ السلام کے دوش پر رسالتِ الہیہ کی عظیم ذمہ داری تھی۔ تحریک عاشورہ کو زندہ رکھنا ان کی ذمہ داری تھی اور اسلام کی بنیادوں کے دفاع میں جو مشکلات اور مصائب اٹھائے تھے ان سے استفادہ کرنا تھا۔ واقعہ کربلا کے بعد معاشرے کی فضا اور عراق اور حجاز کے لوگوں کے دلوں پر شدید خوف وہراس کی وجہ سے، اس تحریک کی یاد زندہ رکھنے اور اس کو اہداف تک پہنچانے کے لیے کسی قسم کی فعالیت انجام دینا بہت مشکل تھا۔ اسی لیے اہل بیت علیہم السلام نے مدینہ واپس آنے کے بعد سکوت کا شیوہ اختیار کر کے اس تحریک کو اپنے اصلی ہدف تک پہنچانے کی کوشش جاری رکھی۔ ایسے کاموں سے پرہیز کرتے تھے جو حکومتِ وقت کے لیے ناگوار تھے اور جن کی وجہ سے حسینی تحریک کے اہداف اور شیعہ ثقافت کے ختم ہونے خوف تھا۔ مدینہ میں داخل ہوتے وقت امام سجاد علیہ السلام کے خطبات کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام مصیبت، مشکلات اور غم بیان کرتے ہیں لیکن واضح طور پر حکومت اور بالخصوص یزید ملعون کا نام نہیں لیتے۔ اس کے باوجود لوگ سمجھ جاتے تھے کہ واقعہ کربلا کا اصل سبب، یزید کی حکومت ہے اور وہ امویوں پر لعنت بھیجتے تھے۔ اہل بیت علیہم السلام نے ثقافتی اور معنوی تحریک کے ڈھانچے میں حسینی تحریک حسینیکو آگے بڑھانے کی کوشش کی اور مختلف اقدامات کیے جن میں سے بعض اہم اقدامات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام اور اصحاب کی شہادت کی یاد زندہ رکھنا

اموی حکومت کی ہمیشہ یہ کوشش تھی کہ لوگوں کے سامنے ظاہر کریں کہ امام حسین علیہ السلام کی تحریک، خلیفہ رسول کے خلاف تھی جسے ناکام بنانا خلیفہ کی ذمہ داری تھی۔ اسی لیے اہل بیت علیہم السلام کے مدینہ واپس آنے کے بعد، امویوں نے اپنی ساری توانائی اس بات پر خرچ کی کہ یہ واقعہ فراموشی کی نذر ہو جائے۔

جبکہ اہل بیت علیہم السلام نے قیام حسینی علیہ السلام کو ہمیشہ زندہ رکھنے کا عزم کر رکھا تھا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کا ایک راستہ مجالس عزا کا انعقاد، علی الاعلان عزاداری اور شہدائے کربلا پر گریہ کرنا تھا جسے حکومتِ یزید

کے ساتھ منفی جنگ سمجھا جا سکتا ہے۔ گریہ و عزاداری حقیقت میں دشمنان اہل بیتؑ سے بیزاری کا واضح نمونہ ہے،[1] جس کا سب سے زیادہ اہتمام بنی ہاشم بالخصوص امام سجادؑ نے کیا۔ ہم یہاں چند نمونے پیش کرتے ہیں:

ا۔ امام سجادؑ کا گریہ

جب امام سجادؑ پانی پینے کے لیے برتن اٹھاتے تو اتنا گریہ کرتے کہ آپ کے آنسو پانی کے برتن میں شامل ہو جاتے اور جب رونے کی وجہ پوچھی جاتی تو فرماتے:

میں کیسے گریہ نہ کروں، جبکہ میرے والد بزرگوار کے لیے پانی بند کر دیا گیا تھا، حالانکہ درندوں اور حیوانات کے لیے پانی آزاد تھا۔[2]

امام صادقؑ نے فرمایا:

علی بن الحسین (امام سجاد) ؑ نے بیس سال تک اپنے والد ماجد کی مصیبت پر گریہ کیا؛ جب بھی آپ کے سامنے کھانا پیش کیا جاتا تو گریہ کرتے۔ ایک دن ایک غلام نے آپ سے کہا: اے فرزند رسول! میں آپ پر قربان ہو جاؤں؛ مجھے ڈر ہے کہ آپ اس قدر غم واندوہ کی وجہ سے اپنے آپ کو ختم کر دوگے۔ آپ نے فرمایا: میں اپنے درد و غم کا اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس چیز کو جانتا ہوں جسے تم نہیں جانتے۔ جب مجھے فرزندان فاطمہ کی شہادت یاد آتی ہے تو بے اختیار میرا جگر پھٹ جاتا ہے اور میرے اشک جاری ہو جاتے ہیں۔[3]

کسی نے امام سجادؑ سے کہا: اے فرزند رسول خداؐ! کیا آپ کا غم ختم نہیں ہوگا۔ امامؑ نے فرمایا: افسوس ہے تجھ پر! یعقوب کے بارہ بیٹے تھے؛ اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹے کو چھپالیا۔ یعقوب نے اس قدر

۱۔ رجوع کریں: ابوریحان بیرونی، الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ، ص ۳۲۹؛ شیخ صدوق، علل الشرائع، ج۱، باب ۱۶۲، ص ۲۶۵؛ سید جعفر مرتضی عاملی، المواسم والمراسم، ص ۸۳ تا ۸۷؛ سید جعفر مرتضی عاملی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم، ج ۴، ص ۳۰۸، ۳۰۷۔
۲۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۸۰۔
۳۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۷۹۔

گریہ کیا کہ آنکھیں سفید ہو گئیں؛ کثرتِ غم کی وجہ سے بال سفید اور کمر خمیدہ ہو گئی، جبکہ ان کا بیٹا زندہ اور دنیا میں موجود تھا؛ لیکن میں نے اپنی آنکھوں سے اپنے والد، بھائی، چچا اور اپنے خاندان کے سترہ افراد کو شہید ہوتے ہوئے دیکھا ہے، جن کے جسد اطہر میرے اردگرد بکھرے پڑے تھے۔ میرا غم کیسے ختم ہو گا؟![1]

یقیناً امام سجاد اور اہل بیتؑ کا گریہ مہربانی اور شفقت کی وجہ سے تھا اور اس غمناک واقعہ کے عینی شاہد ہرگز اسے فراموش نہیں کر سکتے تھے؛ لیکن ان کی سیرت، تکرار اور تسلسل نے ہمیشہ واقعہ کربلا کو زندہ رکھا اور اموی حکمرانوں کے ظلم و ستم کو چھپنے نہیں دیا۔

۲۔ مخدرات عصمت و طہارت کی عزاداری

واقعہ کربلا کے بعد بنی ہاشم کی خواتین شہدائے کربلا کی یاد زندہ رکھنے کے لیے ہمیشہ ماتم اور عزاداری میں مصروف رہیں۔ امام صادقؑ سے روایت ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد امام حسینؑ کی زوجہ نے آپؑ کے لیے صفِ ماتم بچھائی، گریہ کیا اور عورتوں اور غلاموں نے بھی اس قدر گریہ کیا کہ ان کے آنسوں خشک ہو گئے۔[2]

اسی طرح منقول ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد جب اہل بیتؑ مدینہ واپس لوٹے تو قریش کے کچھ اشراف، امام حسینؑ کی زوجہ محترمہ اور حضرت سکینہ کی والدہ ماجدہ حضرت رباب کی خواستگاری کے لیے آئے تو بی بی نے فرمایا: رسول خداؐ کے بعد میں کسی کو اپنا سسر بنانا پسند نہیں کرتی۔

آپ واقعہ کربلا کے بعد کبھی سائے میں نہ بیٹھیں اور ایک سال کے بعد شدتِ غم کی وجہ سے دنیا سے رخصت ہو گئیں۔[3] آپ نے امام حسینؑ کے غم میں شعر بھی کہے ہیں، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

---

[1] ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۷۹ تا ۱۸۰؛ شیخ صدوق، الخصال، ج ۲، ص ۵۱۸؛ ابو نعیم اصفہانی، حلیۃ الاولیاء، ج ۳، ص ۱۳۸۔

[2] کلینی، الاصول من الکافی، ج ۱، ص باب مولد الحسین بن علی، ص ۳۸۸، ۳۸۷، ح ۸۔

[3] ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۷۹؛ ابن صباغ مالکی، الفصول المہمہ، ج ۲، ص ۸۴۰، ۸۳۹۔

إِنَّ الَّذِي كَانَ نُورًا يُسْتَضَاءُ بِهِ		بِكَرْبَلَاءَ قَتِيلٌ غَيْرُ مَدْفُونِ
جو شخص نور تھا، جس کی وجہ سے روشنی تھی		وہ کربلا میں شہید ہو گیا اور اسے دفن نہیں کیا گیا
سِبْطَ النَّبِيِّ جَزَاكَ اللهُ صَالِحَةً		عَنَّا وَجُنِّبْتَ خُسْرَانَ الْمَوَازِينِ
اے نواسہ رسول! اللہ آپ کو جزائے خیر دے		آپ میزان اعمال کے خسارہ سے محفوظ رہیں
قَدْ كُنْتَ لِي جَبَلًا صَعْبًا أَلُوذُ بِهِ		وَكُنْتَ تَصْحَبُنَا بِالرَّحِمِ وَالدِّينِ
آپ محکم پہاڑ تھے جس کا میں سہارا لیتی تھی		آپ ہمارے ساتھ مہربانی اور دیانت سے پیش آتے
مَنْ لِلْيَتَامَى وَمَنْ لِلسَّائِلِينَ		يُغْنِي وَيُؤْوِي إِلَيْهِ كُلَّ مِسْكِينِ
اب کون ہے یتیموں اور فقیروں کا سہارا		اور یہ سب مساکین کس کی پناہ لیں
وَاللهِ لَا أَبْتَغِي صِهْرًا بِصِهْرِكُمْ		حَتَّى أُغَيَّبَ بَيْنَ الرَّمْلِ وَالطِّينِ[1]
اللہ کی قسم! میں کبھی ازدواج نہیں کروں گی		یہاں تک کہ خاک کے نیچے سو جاؤں

اگرچہ جوانان بنی ہاشم کے باپ اور مائیں اس مصیبت کی وجہ سے سب سے زیادہ غمگین تھے؛ لیکن اپنے شہید بیٹوں کو امام حسین علیہ السلام پر مقدم نہیں سمجھتے تھے۔ مثلاً جب حضرت عبد اللہ بن جعفر کو خبر ملی کہ آپ کے دو بیٹے، جو امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھے، کربلا میں شہید ہو گئے ہیں؛ تو لوگ ان کے پاس آئے۔ اسی وقت ایک غلام داخل ہوا اور کہا: ہم پر یہ مصیبت حسین کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ حضرت عبد اللہ نارض ہوئے اور اپنا جوتا غلام کی طرف پھینک کر کہا: حسین کے بارے میں ایسا کہتے ہو؟! اللہ کی قسم! اگر میں بھی ان کے پاس ہوتا تو ان کے ساتھ قتل ہونا پسند کرتا۔ آج جس چیز کی وجہ سے مجھے خوشی ہے اور جو بات میرے سکونِ قلب کا سبب ہے، وہ یہ ہے کہ میرے دو بیٹے حسین کے رکاب میں جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اگر مجھے ان کی مدد کرنے کی توفیق نصیب نہیں ہوئی، تو میرے دو بیٹے عون و محمد کو یہ توفیق حاصل ہو گئی۔[2]

۱۔ ابو الفرج اصفہانی، کتاب الاغانی، ج۱۶، ص ۱۴۲؛ شبلنجی، نور الابصار، ص ۱۷۴؛ جواد شبر، ادب الطف، ج۱، ص ۶۱۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۶۶؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۵۷۹۔

حضرت ام البنین جنت البقیع میں جا کر اپنے بیٹوں پر اس انداز سے نوحہ کرتیں کہ لوگ آپ کے ارد گرد جمع ہو جاتے اور گریہ کرتے؛ یہاں تک کہ بنی ہاشم کا سخت دشمن مروان بن حکم بھی یہ منظر دیکھ کر اور زخمی ماں کے دل خراش بین سن کر آبدیدہ ہو گیا۔[1]

۳۔ امام سجاد علیہ السلام کے دیگر اقدامات

امام سجاد علیہ السلام نے واقعہ کربلا کی یاد تازہ رکھنے کے لیے گریہ و عزاداری کرنے کے علاوہ بھی چند اہم اقدامات کیے ؛مثال کے طور پر آپ لوگوں کو امام حسین علیہ السلام پر رونے اور رلانے کی ترغیب دلاتے اور فرماتے تھے:

> **جو مومن امام حسین علیہ السلام پر یوں گریہ کرے کہ اس کے اشک اس کے رخساروں پر جاری ہو جائیں، تو اللہ تعالیٰ اس کو کئی سالوں تک جنت کے حجروں میں ٹھہرائے گا اور دشمنوں کی جانب سے ہمارے اوپر ڈھائے والے مظالم کی وجہ سے جس شخص کے رخساروں پر آنسوں جاری ہوں گے، اللہ تعالیٰ اسے صدق و سچائی کے مقام پر جگہ عطا فرمائے گا اور جو مومن ہمارے راستے میں کوئی مصیبت برداشت کرے گا اور اس کی سختی کی وجہ سے اس کے رخساروں پر اشک بہنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ اس سے مصیبت دور کر دے گا اور اُسے روز قیامت اپنے غضب اور جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔[2]**

یوں امام سجاد علیہ السلام، اہل بیت علیہم السلام اور لوگوں کے درمیان معنوی رابطہ قائم رکھتے تا کہ لوگ ہمیشہ ان کے راستے پر گامزن رہیں۔ آپ، لوگوں کو امام حسین علیہ السلام کی زیارت کی ترغیب بھی دلاتے تھے۔ چنانچہ جب ابو حمزہ ثمالی نے امام حسین علیہ السلام کی قبر مطہر کی زیارت کے متعلق پوچھا تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

---

[1]۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۸۵۔

[2]۔ علی بن ابراہیم قمی، تفسیر قمی، ج ۲، ص ۲۹۱، ۲۹۲؛ شیخ صدوق، ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، ص ۱۰۸۔

ہر روز زیارت کرو، اگر ہر روز نہیں کرسکتے تو ہر جمعہ کو اور اگر یہ بھی نہیں کرسکتے تو مہینے میں ایک مرتبہ زیارت کرو، کیونکہ اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو گویا رسول خداؐ کے حق کو حقیر جانا اور توہین کی۔[1]

اسی طرح امام سجادؑ عزاداری بپا کرنے کی غرض سے بنی ہاشم کی خواتین کے لیے کھانے کا انتظام کرتے۔ برقی نے اپنے سلسلہ سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد بنی ہاشم کی خواتین نے سیاہ اور اون سے بنے لباس پہنے۔ سردی اور گرمی کی وجہ سے کوئی شکوہ نہ کرتے تھے اور امام سجادؑ ان کے لیے کھانے کا بندوبست فرماتے تھے۔[2]

امام سجادؑ نے اپنی انگوٹھی کے نگینے پر امام حسینؑ کی شہادت کو بطور علامت کندہ کرا رکھا تھا۔ اپنے بابا کی انگوٹھی پہنتے تھے[3] اور آپ کی انگوٹھی پر یہ جملہ لکھا ہوا تھا: خَزِیَ وَ شَقِيَ قَاتِلُ الحُسَیْنِ بنِ عَلِيٍ ؛ کہ حسین بن علی کا قاتل بدبخت اور بے آبرو ہے۔[4]

حکومت کے مقابلے میں امام سجادؑ کا موقف

اگرچہ امام سجادؑ مدینہ میں انقلابی اور ایسی تحریکوں سے پرہیز کرتے جن سے حکومت کو کوئی بہانہ مل سکتا تھا؛ لیکن آپ نے کبھی ظالموں کی تائید بھی نہیں کی اور جب تک ممکن ہوتا ہمیشہ ظالم حکمرانوں کی مخالفت کرتے تھے۔ آپؑ کا گریہ و عزاداری بھی اموی حکومت کے خلاف ایک قسم کی سیاسی جدوجہد شمار ہوتا ہے، کیونکہ جب امام سجادؑ جیسی عظیم شخصیت گریہ کرتی اور لوگ دیکھتے تو اس کی وجہ پوچھتے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ انہیں واقعہ کربلا، اہل بیتؑ کی مظلومیت، امویوں کے ظلم و ستم کی داستان معلوم ہوتی۔ اگر ان کو سبب معلوم نہ ہوتا تو وہ ان کے ذہنوں میں یہ سوال ابھرتا کہ علی بن الحسین اس

۱۔ محمد بن علی علوی شجری، فضل زیارۃ الحسین، ص ۴۳۔

۲۔ برقی، المحاسن، ج ۲، ص ۴۲۰۔

۳۔ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۷۰، ص ۵۴۳؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۷۔

۴۔ کلینی، الفروع من الکافی، ج ۶، ص ۴۷۴۔

عظمت وبلندی کے باوجود کیوں گریہ کرتے ہیں؟ جن کے دل روشن تھے جلدی یا دیر سے اس نتیجہ تک پہنچ جاتے کہ آپ صرف اپنے عزیزوں کی شہادت پر گریہ نہیں کرتے، کیونکہ جانتے ہیں کہ موت برحق ہے اور قرب الٰہی کی منزل پر فائز ہونا اور اللہ تعالیٰ کے جوار کی سعادت حاصل کرنا تمام نیک لوگوں کی تمنا ہوتی ہے؛ پس آپ کے گریہ کی کوئی اور وجہ ہے اور وہ، ایک بڑے ہدف کو حاصل کرنے یعنی اسلام کو زندہ رکھنے اور انحرافات میں گرے ہوئے اور غاصب و نااہل حکمرانوں کے جال میں اسیر معاشرے کی اصلاح کے لیے واقعہ کربلا کی عظیم تحریک کی یاد زندہ رکھنا ہے؛ وہی مقصد جس کے لیے امام حسینؑ شہید ہوئے ۔

جب حضرت مختار ثقفی نے اپنے قیام کے آغاز میں امام سجادؑ سے حمایت کی درخواست کی تو آپؑ نے واضح طور پر مثبت جواب نہ دیا، کیونکہ ان حالات میں ممکن تھا کہ ایسا اقدام شیعوں کی نابودی کا سبب بنتا؛ لیکن اس تحریک کی تائید کرتے ہوئے رہبری کی ذمہ داری اپنے چچا حضرت محمد بن حنفیہ کو سونپی اور فرمایا:

يَا عَمُّ لَوْ كَانَ عَبْدًا زَنْجِيًّا تَعَصَّبَ لَنَا أَهْلَ الْبَيْتِ لَوَجَبَ عَلَى النَّاسِ مُوَازَرَتُه وَ قَدْ وَلَّيْتُكَ هٰذَا الْأَمْرَ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ فَخَرَجُوا وَ قَدْ سَمِعُوا كَلَامَه وَ هُمْ يَقُولُونَ أَذِنَ لَنَا زَيْنُ الْعَابِدِينَؑ وَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَنَفِيَّةِ۔[1]

چچا جان! اگر کوئی سیاہ فام غلام بھی ہماری حمایت میں قیام کرے تو لوگوں پر واجب ہے کہ اس کا ساتھ دیں اور اس کی حمایت کریں۔ میں یہ معاملہ آپ کے سپرد کرتا ہوں، آپ جو چاہیں انجام دیں۔ جب لوگوں نے یہ بات سنی تو آپ کے گھر سے یہ کہتے ہوئے نکلے: اب زین العابدین اور محمد بن حنفیہ نے ہمیں اجازت دے دی ہے۔

[1]۔ ابن نما، ذوب النضار، ص ۹۷؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۳۶۵۔

البتہ امامؑ نے بعد میں مختلف طریقوں سے قیامِ مختار کی حمایت کی، چنانچہ جب ابن زیاد کا سر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ سجدہ شکر بجالائے اور مختار کے لیے دعائے خیر کی۔[1] ان سب کے باوجود، امام سجادؑ کبھی کبھی مختار سے بیزاری کا اعلان بھی کرتے تھے تا کہ امویوں کے ہاتھ میں کوئی بہانہ نہ آئے اور حکومتی جاسوس یہ خبر حکومت تک پہنچائیں کہ امام سجادؑ مختار کی مخالفت کرتے ہیں۔[2]

حکومت کے خلاف امام سجادؑ کے موقف کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ لوگوں کو ظالم حکمرانوں کے خلاف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کی ترغیب دلاتے، البتہ تقیہ کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کام ایک طرف اموی حکمرانوں کے ستم اور دوسری طرف لوگوں کو ان کی مخالفت کا طریقہ سکھاتا تھا۔ امام سجادؑ فرماتے ہیں: جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کر دے وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے کتابِ خدا (قرآن) کو پس پشت ڈال دیا ہو اور اس پر ایمان نہ رکھتا ہو، سوائے یہ کہ وہ تقیہ کی حالت میں ہو۔ لوگوں نے پوچھا: تقیہ سے کیا مراد ہے؟ امامؑ نے فرمایا: مراد یہ ہے کہ ظالم و جابر کسی شخص کو دھمکی دے یا اپنی ذمہ داری پر عمل کرنا، اس ظالم کی نافرمانی کا سبب ہو۔[3]

یہی سیاسی جنگ اس وقت آشکار ہو جاتی ہے، جب امامؑ ظالم حکمرانوں کی حمایت کو بے دینی سے تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: افسوس ہے اس ملت پر جو اللہ تعالیٰ حکم کی اطاعت نہ کرے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کر دے۔ جو نعرہ توحید اپنی زبان پر جاری کرے اور لا الہ الا اللہ کہے، لیکن اس کا یہ اقرار آسمان تک نہیں پہنچتا، سوائے یہ کہ وہ اپنے اس اقرار کو نیک عمل کے ساتھ مکمل کرے اور جو شخص، ظالم کی خدمت اور اطاعت کرے، حقیقت میں اس کا دین نہیں ہے۔[4]

اسی طرح امام سجادؑ دعا اور مناجات کے انداز میں وقت کی ظالم حکومت کے ظلم کو آشکار کرتے تھے۔ مثلاً صحیفہ سجادیہ کی پانچویں دعا میں فرماتے ہیں:

۱۔ شیخ طوسی، اختیار معرفۃ الرجال، ج۱، ص۱۲۷۔

۲۔ شیخ طوسی، اختیار معرفۃ الرجال، ج۱، ص۱۲۶۔

۳۔ ابو نعیم اصفہانی، حلیۃ الاولیاء، ج۳، ص۱۴۰؛ علی بن عیسی اربلی، کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمہ، ج۲، ص۳۱۵؛ سبط بن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص۳۲۷۔

۴۔ شیخ مفید، الامالی، مجلس ۲۳، ص۱۸۴؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۷۵، ص۱۵۲۔

اَللّٰھُمَّ فَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ وَ کِدْ لَنَا وَ لَا تَکِدْ عَلَیْنَا وَ امْکُرْ لَنَا وَ لَا تَمْکُرْ بِنَا وَ أَدِلْ لَنَا وَ لَا تُدِلْ مِنَّا۔[1]

اے اللہ! محمد اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما اور ہمارے نفع کی تدبیر کر اور ہمارے نقصان کی تدبیر نہ کر اور ہم سے مکر کرنے والے دشمنوں کو اپنے مکر کا نشانہ بنا اور ہمیں اس کی زد پر نہ رکھ اور ہمیں دشمنوں پر غلبہ دے، دشمنوں کو ہم پر غلبہ نہ دے۔

اسی طرح چودھویں دعا میں فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ فَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِهِ وَ خُذْ ظَالِمِیْ وَ عَدُوِّیْ عَنْ ظُلْمِیْ بِقُوَّتِكَ وَ افْلُلْ حَدَّهُ عَنِّیْ بِقُدْرَتِكَ وَ اجْعَلْ لَهُ شُغْلاً فِیْمَا یَلِیْهِ وَ عَجْزاً عَمَّا یُنَاوِیْهِ اَللّٰھُمَّ وَ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِهِ وَ لَا تُسَوِّغْ لَهُ ظُلْمِیْ وَ أَحْسِنْ عَلَیْهِ عَوْنِیْ وَ اعْصِمْنِیْ مِنْ مِّثْلِ أَفْعَالِهِ وَ لَا تَجْعَلْنِیْ فِیْ مِثْلِ حَالِهِ۔[2]

اے اللہ! رحمت نازل فرما محمد اور ان کی آل پر اور اپنی قوت و توانائی سے مجھ پر ظلم کرنے والے اور مجھ سے دشمنی کرنے والے کو ظلم و ستم سے روک دے، اور اپنے اقتدار کے ذریعہ اس کے حربے کند کر دے، اور اسے اپنے ہی کاموں میں الجھائے رکھ اور جس سے دشمنی پر تیار ہے، اس کے مقابلہ میں اسے بے دست و پا کر دے۔ اے معبود! رحمت نازل فرما محمد اور ان کی آل پر، اور اسے مجھ پر ظلم کرنے کی کھلی چھٹی نہ دے اور اس کے مقابلہ میں اچھے اسلوب سے میری مدد فرما اور مجھے اُس جیسے برے کاموں سے محفوظ رکھ اور مجھے اس جیسے حالات میں قرار نہ دے۔

۱۔ امام زین العابدین، صحیفہ سجادیہ، ترجمہ مفتی جعفر حسین رہ، پانچویں دعا، جملہ ۸۔

[2] □ امام زی ن العابدی ن، صحیف□ سجادی□، ترجم□ مفتی جعفر حسی ن ر□، چود□وی□ دعا، جمل□ ۶ س□ ۸□

امام سجاد علیہ السلام نے دعا کے ان فقروں میں نہایت خوبصورت انداز میں اپنے زمانے کے ظالم حکمرانوں کے اخلاق وعادات واطوار کی تصویر کشی کی ہے۔

اسلامی ثقافت کی ترویج اور مذہب شیعہ کا دفاع[1]

واقعہ کربلا کے بعد بنی امیہ کے اقدامات اور لوگوں کی محمدی اسلامِ ناب سے ناواقفیت کی وجہ سے، شیعہ مذہب نابودی کے دہانے تک پہنچ گیا۔ لہٰذا امام سجاد علیہ السلام نے اس کی حفاظت کے لیے کمر باندھ لی اور تقیہ کی صورت میں اپنی اور اپنے شیعوں کی حفاظت بھی کی اور ان کی ہدایت اور رہبری کی ذمہ داری بھی نبھائی۔ اس مقصد کو حاصل کرنے لیے کچھ اقدامات کیے تا کہ اصلی اسلام کا تفکر اور ثقافت کو واضح کریں اور معاشرے کو جہالت اور دینی واخلاقی انحرفات سے نجات دلائیں۔ چنانچہ آپ نے ظاہری طور پر غیر سیاسی انداز میں اصلی اسلامی ثقافت کی وضاحت کے ساتھ ساتھ فکری اور اعتقادی تباہ کن طوفانوں کے مقابلے میں مذہب تشیع کے بنیادی اصولوں کو قوت بخشی۔ امام سجاد علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی طرح نئے سرے سے دینی معاشرہ تشکیل دیا اور شیعہ ثقافت کی بنیاد ڈالی،[2] کیونکہ دین سے ناآشنائی مکمل طور پر چھاچکی تھی۔

امام سجاد علیہ السلام نے اسلامی تفکر اور دینی ثقافت کی تشہیر کے لیے ایسے طریقے اختیار کیے جن کی وجہ سے بنی امیہ کو زیادہ حساسیت نہ تھی۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ تھا آپ علیہ السلام امتِ مسلمہ کو وعظ ونصیحت کرتے اور لوگوں کو آخرت، عذاب اور جلدی آنے والی موت کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ اس طرح آپ لوگوں کو زہد وتقویٰ اور دنیا کی طرف توجہ نہ کرنے کی دعوت دیتے تھے۔[3]

دین الٰہی کو دعا کے انداز میں بیان کرنا بھی امام سجاد علیہ السلام کا ایک طریقہ تھا۔ آپ علیہ السلام دعا کے انداز میں حق سے منحرف اور دین کی نابودی کے درپے جابر حکمرانوں کے اعمال سے لوگوں کو آگاہ رکھتے تھے۔ اس

۱۔ مزید معلومات کے لئے مطالعہ کریں: محسن رنجبر، شیعوں کی رہبری میں امام سجاد علیہ السلام کا کردار، ص ۱۷، تا ۱۲۴۔

[2] رجوع کری: جعفر مرتضی عاملی، دراسات و بحوث فی التاریخ و الاسلام، ج ۱، ص ۸۶، ۸۵

[3] رجوع کری: سیدعلی خامنہ ای، پیشوای صادق، ص ۲۰ تا ۲۳

کا واضح نمونہ آپ کی وہ دعا ہے جس میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز کرتے ہوئے اصول دین، فروع دین اور معاشرتی مسائل جیسے اسلامی علوم بیان فرمائے۔

لوگوں کو منصبِ امامت اور اس کے اصلی حق دار کا تعارف کرانا بھی امام سجادؑ کے اقدامات میں سے ایک اہم اقدام تھا، جس کو مناسب حالات اور خاص انداز میں مثلاً تفسیر قرآن[1]، روایات، دعا، مناجات[2]، فقہی مسائل کے بیان[3]، کرامات[4] کے اظہار اور غیبی امور[5] کی خبر دینے کے انداز میں انجام دیتے تھے۔

امام سجادؑ نے اہل بیتؑ کے مذہب سے دوری اور غیر اسلامی حکومت کے بر سر اقتدار آنے کی وجہ سے معاشرے میں پیدا ہونے والے فکری اور اعتقادی انحراف کا بھی مقابلہ کیا۔ آپؑ معاشرے میں اٹھنے والی اعتقادی تحریکوں پر کڑی نظر رکھتے اور انحرافی تحریکوں کی اصلاح اور ہدایت کے ساتھ ساتھ لوگوں کو غالیوں کے خطرے سے خبر دار رکھتے[6]۔ آپ نے جبر، تشبیہ[7]، رہبانیت[8] اور درباری ملاؤں[9] کے ساتھ مقابلہ کیا اور رسول خداؐ اور امیر المومنینؑ کی سنت کو زندہ کرنے کی عملی سیرت کو پیش کرتے ہوئے بعد والے دو اماموں کے لیے علمی اور ثقافتی انقلاب کی راہ ہموار کی؛ کیونکہ لوگ اس قدر دین سے دور ہو چکے تھے کہ اسلام کے بنیادی مسائل سے بھی ناواقف تھے۔ اسی لیے آپ نے تقیہ کے ماحول کا لحاظ کرتے ہوئے فقہ کے کلی احکام بیان فرمائے اور امام باقر اور امام صادقؑ کے زمانے کے لیے فقہی مسائل کی جزئیات اور تفصیل بیان کرنے کی راہ ہموار کی۔

---

[1] □ طبرسی، الاحتجاج، ج۲، ص ۱۵۵، ۱۵۶ □
[2] □ صحیفہ□ سجادی□، ص۳۲۲، ۳۲۳، دعا نمبر ۴۷ □
[3] □ شیخ صدوق، کمال الدین و تمام النعمہ□، ص ۳۲۴ □
[4] □ رجوع کری□: طبرسی، الاحتجاج، ج۲، ص ۱۴۷، ۱۴۸؛ قطب الدین راوندی، الخرائج و الجرائح، ج۲، ص ۵۸۳، ۵۸۸ □
[5] □علی بن عیسی اربلی، کشف الغمہ□، ج۲، ص ۳۲۳، ۳۲۴؛ مسعودی، اثبات الوصیہ□، ص ۱۷۱، ۱۷۲ □
[6] □ شیخ طوسی، اختیار معرفہ□ الرجال، ج۱، ص ۱۲۰، ح۱۹۱ □
[7] □ خدا کو مخلوق کہ□ ساتھ□ تشبیہ□ دینا(مترجم)□ شیخ مفید الارشاد، ج۲، ص ۱۵۲، ۱۵۳ □
[8] □ علی بن عیسی اربلی، کشف الغمہ□، ج۲، ص ۳۱۰ □
[9] □ ابن شعبہ□ حرانی، تحف العقول ، ص ۲۷۴، ۲۷۶؛ طبرسی، الاحتجاج، ج۲، ص ۱۴۰ □

ساتویں فصل

عاشورہ کے تکوینی نتائج وآثار

(امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد رونما ہونے والے غیر معمولی واقعات)

واقعہ عاشورہ، اپنی حقیقت، مقاصد اور گہرے اثرات کے لحاظ سے تاریخ بشریت کا سب سے عظیم واقعہ ہے؛ کیونکہ اس واقعہ کا رہبر و رہنما امام معصوم ہیں، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے آخری دین کی حفاظت کے لیے اپنی جان فدا کر دی۔

شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد کائنات میں کچھ ایسے حوادث اور واقعات رونما ہوئے، جن سے قیامِ حسینی کی عظمت اور کربلا میں ہونے والے ظلم کی قباحت واضح ہوتی ہے۔ اہل اسلام کی کتب میں بہت سے واقعات ذکر ہوئے ہیں جو واقعہ کربلا کے بعد رونما ہوئے۔ کچھ ایسے غیر معمولی واقعات تھے جن کو دیکھ کر عام لوگوں کے لیے یقین کرنا ممکن نہ تھا۔ واضح ہے کہ چاند گرہن اور سورج گرہن جیسے واقعات عام طور پر رونما ہوتے رہتے ہیں اور سب لوگوں نے ان کو دیکھا ہوتا ہے، لیکن سیاہ اور سرخ آندھی، خاک وخون کی بارش، بعض مقامات پر خون ابلنے اور لوٹے ہوئے مال واسباب کے تبدیل ہونے جیسے واقعات، عام طور پر لوگوں نے نہیں دیکھے؛ البتہ ایسے واقعات شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد ظاہر ہوئے۔ ہم ذیل میں ایسے ہی چند حیرت انگیز واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

۱۔ سورج گرہن اور آسمان کی تاریکی

روزِ عاشورہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد سورج گرہن لگا، جس سے آسمان پر اتنا اندھیرا چھا گیا تھا کہ ستارے نظر آنے لگے[1] اور ایسی حالت ہو گئی تھی کہ لوگوں نے سمجھا قیامت برپا ہو گئی ہے۔[2] اس کے علاوہ کچھ محدثین نے شام غریباں کو چاند گرہن کی خبر بھی دی ہے۔[3] کچھ روایات میں ذکر ہوا ہے کہ

۱۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، باب ۲۴، ص ۱۶۱، ح ۲۔

۲۔ احمد بن حسین بیہقی، السنن الکبری، ج ۳، ص ۳۳۷۔

۳۔ مجلسی، بحار الانوار، ج ۵۵، ص ۱۵۳۔

ستارے آپس میں ٹکرانے لگے۔[1] بہر حال مشہور اسلامی مصادر میں اس طرح کے متعدد واقعات ذکر ہوئے ہیں۔

۲۔ سرخ وسیاہ آندھی اور خاک وخون کی بارش

سید ابن طاووس کہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے وقت شدید سیاہ اور تاریک غبار اٹھا جس کے ساتھ سرخ آندھی بھی تھی۔ اس وقت کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی تھی۔ لوگوں نے سمجھا کہ ان پر عذاب نازل ہوگیا ہے۔ کچھ دیر تک یہی حالت رہی، پھر عام حالت میں لوٹ آئی۔[2]

کچھ روایات کے مطابق سیاہ اور سرخ آندھی کے ساتھ مٹی کی بارش بھی ہوئی۔ ریان بن شبیب سے منقول شیخ صدوقؒ کی صحیح روایت میں امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّہُ لَمَّا قُتِلَ جَدِّیَ الْحُسَیْنُ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَطَرَتِ السَّمَاءُ دَمًا وَتُرَابًا اَحْمَرَ[3]

جب میرے جد امجد حسین علیہ السلام کو قتل کیا گیا، تو آسمان سے خون اور سرخ مٹی کی بارش ہوئی۔

شیخ صدوقؒ نے مفضل بن عمر سے نقل کیا ہے کہ ایک دن امام حسن علیہ السلام، اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کی طرف دیکھ کر رونے لگے اور رونے کی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا:

اے اباعبد اللہ! کوئی دن آپ کے دن جیسا نہیں ہے، ہمارے نانا کے امتی اور مسلمان ہونے کا دعوی کرنے والے تیس ہزار افراد آپ کے قتل، بے حرمتی، آپ کی ذریت کو قیدی کرنے اور مال و اسباب لوٹنے پر اکھٹے ہو جائیں گے۔ اس دن بنی امیہ، اللہ کی رحمت

۱۔ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۲۴۳، ح ۲۹۳؛ علی بن عیسی اربلی، کشف الغمہ، ج ۲، ص ۲۶۸؛ شمس الدین ذہبی، تاریخ الاسلام، ج ۵، ص ۱۵۔

۲۔ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۷۷۔

۳۔ شیخ صدوق، عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۲۶۸۔

سے دور ہوں گے، آسمان سے خاک اور خون کی بارش ہو گی، پوری کائنات حتی کہ جنگلی جانور اور دریائی مچھلیاں بھی تجھ پر گریہ کریں گی۔[1]

حضرت میثم تمار رضی اللہ عنہ نے امام حسینؑ کی شہادت کے بعد پیش آنے والے عجیب و غریب واقعات کی پیشین گوئی کی ہے، جو امیر المومنینؑ سے حاصل کردہ علم کی بنا پر تھی؛ چنانچہ حضرت میثم نے فرمایا:

اللہ کی قسم! یہ امت دس محرم کو اپنے رسول کے بیٹے کو قتل کرے گی اور دشمنانِ خدا، اس دن کو مبارک شمار کریں گے۔ یہ واقعہ ضرور رونما ہو گا، جسے اللہ تعالی جانتا ہے اور میں نے اپنے مولا امیر المومنینؑ سے یہ علم حاصل کیا ہے۔ میرے مولا نے فرمایا: تمام چیزیں حتی کہ جنگلی جانور، دریا کی مچھلیاں اور آسمان کے پرندے، چاند، سورج، ستارے، زمین، مومنین، جن و انس، زمین و آسمان کے سب فرشتے، رضوان (جنت)، مالک اور حاملین عرش بھی آپ پر گریہ کریں گے اور آسمان سے خون و خاک کی بارش ہو گی...۔[2]

شیخ طوسی نے عمار بن ابی عمار سے روایت کی ہے کہ جس دن امام حسینؑ کو شہید کیا گیا اس دن آسمان سے تازہ خون کی بارش ہوئی۔[3] بعض کتبِ حدیث میں نقل ہوا ہے کہ قرَظہ بن عبید اللہ نامی شخص سے یوں نقل ہوا ہے: ایک دن دوپہر کے وقت آسمان برسنے لگا اور میں نے آسمان کے نیچے ایک سفید پگڑی کو دیکھا جو خون سے رنگین ہو چکی تھی اور جب میرا اونٹ پانی پینے کے لیے نہر کے کنارے گیا، تو پانی خون ہو چکا تھا۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اس دن امام حسینؑ کو شہید کیا گیا تھا۔[4]

۱۔ شیخ صدوق، الامالی، ص۱۷۷، ۱۷۸۔

۲۔ شیخ صدوق، الامالی، ص۱۸۹، ۱۹۰؛ شیخ صدوق، علل الشرائع، ج۱، ص۲۶۷۔

۳۔ شیخ طوسی، الامالی، ص۳۳۰، ح۱۰۶۔

۴۔ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۲۱۵، ح۳۸۔

ابن قولویہ نے بیت المقدس کے ایک شخص سے نقل کیا ہے کہ تین دن تک ہمارے اوپر تازہ خون برستا رہا۔[1]

حماد بن سلمہ کا کہنا ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد کچھ راتوں تک لوگوں پر خون کی بارش ہوتی رہی۔[2]

مسند دولابی میں ابراہم نخعی سے منقول ہے:

لَمَّا قُتِلَ الْحُسَيْنُ اِحْمَرَّتِ السَّمَاءُ مِنْ اَقْطَارِ هَا ثُمَّ لَمْ تَزَلْ حَتّٰى تَفَطَّرَتْ وَ قَطَرَتْ دَماً۔[3]

جب امام حسینؑ شہید ہوئے تو آسمان سرخ ہو گیا؛ پھر آسمان پھٹا اور خون برسنے لگا۔

قاضی نعمان نے امّ سالم نامی عورت سے نقل کیا ہے کہ جب امام حسینؑ کو قتل کیا گیا تو آسمان سے خون کی طرح بارش ہونے لگی کہ گھر اور دیواریں سرخ ہو گئیں اور یہ بارش بصرہ، کوفہ، شام اور خراسان پہنچ گئی، یہاں تک کہ ہمیں عذاب نازل ہونے کا یقین ہو گیا۔[4]

نضرہ ازدیہ سے منقول ہے: جب حسینؑ شہید ہو گئے تو آسمان سے خون برسنے لگا، ہمارے کوزے اور مٹکے خون سے بھر گئے۔[5]

۱۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، باب ۲۴، ص ۱۶۰، ح ۳۸۔

۲۔ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج ۳، ص ۱۶۶۔

۳۔ محمد بن احمد دولابی، الذریۃ الطاہرۃ النبویہ، ص ۱۳۵۔

۴۔ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج ۳، ص ۱۶۶۔

۵۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۶۱۔

۳۔ مختلف مقامات پر خون کا نظر آنا

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد مختلف مقامات پر خون دکھائی دینا بھی حیرت انگیر واقعات میں سے ہے۔ بہت ساری قابل اعتماد روایات کی بنا پر ان واقعات کی صحت کا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ روایات چند دستوں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں، ہم ان شاءاللہ آیندہ صفحات میں ان کا تذکرہ کریں گے۔

الف: حضرت ام سلمہؑ کے پاس خاک شفاء کا خون بن جانا

متعدد کتب میں پیغمبر اکرمؐ کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہؑ سے ایک روایت نقل ہوئی ہے جو کثرت سے نقل ہونے اور حضرت ام سلمہؑ کی عظمت کی وجہ سے قابلِ توجہ ہے۔

ابن قولویہ نے امام صادقؑ سے نقل کیا ہے: ایک مرتبہ رسول خداؐ، حضرت ام سلمہؑ کے حجرے میں تشریف فرما تھے اور جبرئیل بھی وہاں موجود تھے۔ اچانک امام حسینؑ تشریف لائے۔ جبرئیل نے رسول خداؐ سے کہا: آپ کی امت، آپ کے اس بیٹے کو شہید کرے گی۔ آپ کو وہ زمین دکھاؤں جہاں اسے شہید کیا جائے گا؟ رسول خداؐ نے فرمایا: ہاں۔ جبرئیل نے ہاتھ بڑھایا اور خاکِ کربلا کی مٹھی بھر کر آپؐ کو دی، جس کا رنگ سرخ تھا۔[۱] رسول خداؐ نے حضرت ام سلمہؑ کو اس واقعہ کی خبر دی اور فرمایا: جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ میری امت میرے حسین کو قتل کرے گی اور مجھے یہ مٹی بھی دی ہے۔ آپ جب اس میں تازہ خون دیکھنا، سمجھ لینا کہ حسین شہید ہو گیا ہے۔

حضرت ام سلمہؑ نے وہ مٹی ایک بوتل میں ڈال دی۔ جب امام حسینؑ مدینہ سے روانہ ہوئے تو وہ بوتل حضرت ام سلمہؑ کے پاس موجود تھی۔ حضرت ام سلمہؑ آپؑ کے پاس تشریف لائیں اور پریشانی کے عالم میں رسول خداؐ کی پیشین گوئی اور خاک شفا کا واقعہ بیان کیا۔ امام حسینؑ نے جواب دیا: میں اگر نہ جاؤں، پھر بھی قتل ہو جاؤں گا؛ پھر آپ نے حضرت ام سلمہؑ کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا۔ حضرت ام سلمہؑ نے امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کا مقامِ شہادت دیکھا۔ پھر امام حسین

۱۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، باب۱۷، ص۱۲۸، ح۲۔

علیہ السلام نے کربلا کی تھوڑی سی مٹی حضرت ام سلمہ کو دی اور فرمایا: یہ مٹی اور وہ مٹی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے آپ کو دی ہے، اگر خون میں تبدیل ہو جائے تو سمجھ لینا کہ میں قتل ہو گیا ہوں۔

امام حسین علیہ السلام کے کربلا جانے کے بعد حضرت ام سلمہ علیہا السلام ہر وقت اس مٹی کو دیکھتی رہتی تھیں، یہاں تک کہ عصرِ عاشورہ کو دیکھا کہ وہ مٹی خون میں تبدیل ہو چکی ہے۔ حضرت ام سلمہ علیہا السلام نے فریاد کی: وا حسینا، وا ابن رسول اللہ۔ اس وقت مدینہ کی عورتوں نے بھی آپ کے ہمراہ گریہ کیا اور مدینہ میں ایسا ماتم ہوا کہ اس سے پہلے کبھی کسی نہیں دیکھا تھا۔[1]

ب: پتھروں کے نیچے سے خون ابلنا

ابن قولویہ نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب ہشام بن عبد الملک نے امام محمد باقر علیہ السلام کو شام بلایا، ایک دن آپ علیہ السلام سے پوچھا: مختلف علاقوں کے لوگ، امیر المومنین علی علیہ السلام کی شہادت سے کیسے آگاہ ہوئے تھے؟ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

> **امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کی رات طلوعِ فجر تک زمین سے جو پتھر بھی اٹھایا جاتا اس کے نیچے تازہ خون نظر آتا۔ حضرت موسی کے بھائی حضرت ہارون، حضرت یوشع بن نون، شمعون بن حمون صفا کی شہادت، حضرت عیسی کے آسمان پر جانے اور حسین بن علی کی شہادت کے بعد والی رات کو بھی یہی ہوا تھا۔**

یہ سن کر غصے کی وجہ سے ہشام کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور امام محمد باقر علیہ السلام سے عہد لیا کہ جب تک آپ علیہ السلام زندہ ہیں، کسی کو نہیں بتائیں گے۔[2]

اسی طرح ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ جب عبد الملک ابن مروان نے یہودیوں کے سردار "رأس الجالوت" کے بیٹے سے امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی علامات کے بارے میں پوچھا، تو اس نے کہا: "جو پتھر بھی اٹھایا جاتا اس کے نیچے تازہ خون نظر آتا"۔[3]

۱۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۲۴۶؛ علی بن یونس عاملی نباطی بیاضی، الصراط المستقیم، ج۲، ص۱۷۹۔

۲۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، ص۱۵۸ تا ۱۶۰۔

۳۔ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، ص۲۴۸، ح۳۰۳۔

اس کے علاوہ بھی بہت سی کتب میں روایات موجود ہیں کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد، جو پتھر اٹھایا جاتا اس کے نیچے سے خون ابلتا۔[1]

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کچھ روایات کے مطابق یہ واقعات بیت المقدس کے علاقہ میں بھی رونما ہوئے۔ شیخ صدوقؒ نے فاطمہ بنت علیؑ سے روایت کی ہے:

"امام حسینؑ کی شہادت کے بعد بیت المقدس کی سر زمین سے جو پتھر اٹھایا جاتا، اس کے نیچے تازہ خون پایا جاتا"۔[2]

ابن قولویہ نے ایک شامی سے نقل کیا ہے کہ اللہ کی قسم! بیت المقدس اور اس کے گرد و نواح میں رہنے والے ہم لوگوں نے امام حسینؑ کی شہادت کی رات (شام غریباں) کو یوں پہچانا کہ ہم جو پتھر اٹھاتے، اس کے نیچے تازہ خون جوش مار رہا ہوتا تھا۔[3]

بنی امیہ کے دربار سے وابستہ محمد بن مسلم بن شہاب زُہری سے بھی اسی طرح کی روایات نقل ہوئی ہیں۔ اس نے پہلے عبد الملک بن مروان کو ان حقائق سے آگاہ کر رکھا تھا اور عبد الملک نے تاکید کی تھی[4] کہ اسے کسی کے سامنے بیان نہ کرے۔ لہٰذا زُہری نے عبد الملک کی موت کے بعد یہ خبر فاش کی۔[5]

شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس قسم کی روایات میں شام اور بیت المقدس کے علاقوں پر تاکید کی وجہ، ان علاقوں میں دشمنانِ اہل بیتؑ کا وجود اور خاندانِ بنی امیہ کا تسلط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان علاقوں میں یہ واقعات زیادہ رونما ہوئے۔

۱۔ رجوع کریں: ابن عساکر، ترجمۃ الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۲۴۳، ح ۲۹۱؛ طبری امامی، دلائل الامۃ، ص ۷۲؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۶۹؛ ابن حجر ہیتمی، الصواعق المحرقہ، ص ۱۹۴۔

۲۔ شیخ صدوق، الامالی، ص ۲۳۱۔

۳۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، باب ۲۴، ص ۱۶۱، ح ۲۔

۴۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۸۲؛؛ اربلی، کشف الغمہ، ج ۲، ص ۲۶۷؛ ذہبی، تاریخ الاسلام، ج ۵، ص ۱۶۔

۵۔ حیدر علی شیروانی، مناقب اہل البیت، ص ۲۴۹۔

ج: کنوؤں اور نہروں کے پانی کا خون میں تبدیل ہونا

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد آسمان سے خون کی بارش ہوئی۔ جہاں خون کی بارش ہوئی ہو، وہاں نہروں اور زمین کا رنگ تبدیل ہونا فطری امر ہے؛ لیکن کچھ روایات میں بیان ہوا ہے کہ امام علیہ السلام کی شہادت کے بعد، خون کی بارش کے علاوہ بھی کنوؤں اور نہروں کے پانی کا رنگ، خون کا روپ دھار گیا تھا۔

قَرَظہ ابن عبید اللہ سے منقول ہے: جس دن امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا گیا، میرا اونٹ نہر کے کنارے پانی پینے گیا، لیکن پانی خون میں تبدیل ہو چکا تھا۔[1] عمرو بن زیاد سے منقول ہے: جب امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے تو اس دن ہمارے کنویں خون سے بھر گئے تھے۔[2]

بصرہ کے رہنے والے شخص[3] نضرہ ازدیہ[4] نے کہا ہے: امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد آسمان سے خون کی بارش ہوئی اور ہماری سب چیزیں، بشمول کنویں، برتن اور شراب، خون سے بھر گئی تھیں۔[5] اسی طرح کی بات عمار بن عمار سے بھی نقل ہوئیہے۔[6] بعض روایات میں ذکر ہوا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے دوسرے دن، صبح کے وقت کھانا پکانے اور پانی کے تمام برتنوں کے اندر خون تھا۔[7]

ان روایات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعات کچھ خاص مقامات پر رونما ہوئے ہیں؛ مثلاً: نضرہ ازدیہ کی روایت بصرہ سے مربوط ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس زمانے میں اس شہر کے لوگ بنی امیہ کے طرفدار تھے اور وہاں زیادہ تر اہل بیت علیہم السلام کے دشمن رہتے تھے۔ ان کے پانی یا کھانے پکانے کے برتنوں میں خون ہونا، یقینی طور پر ایسے لوگوں کے لیے (عبرت کا سبب) تھا جنہوں نے کسی نہ کسی طریقہ

۱۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۶۱۔

۲۔ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج۳، ص۱۶۶۔

۳۔ ابن حبان، الثقات، ج۵، ص۴۸۷۔

۴۔ یہ شخص امیر المؤمنین علیہ السلام کا صحابی تھا (شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص۸۹)۔

۵۔ ابن حبان، الثقات، ج۵، ص۴۸۷؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ص۶۱؛ احمد بن عبد اللہ طبری، ذخائر العقبی، ص۱۴۵۔

۶۔ شیخ طوسی، الامالی، ص۳۳۰۔

۷۔ زرندی حنفی، نظم دُرر السمطین، ص۲۲۰۔

سے واقعہ کربلا میں کردار ادا کیا؛ کیونکہ بعد میں ہم کچھ روایات ذکر کریں گے کہ جب حرم امام حسین علیہ السلام سے لُوٹے ہوئے اونٹوں کا گوشت پکایا گیا تو وہ خون میں تبدیل ہو گیا؛ لہذا یہ بات قابل قبول نہیں ہے کہ سب لوگوں کے برتن، کھانے اور پانی خون میں تبدیل ہو گئے ہوں۔

د: ام معبد کے درخت سے خون ٹپکنا

ام معبد خُزاعی ایک صحرا نشین خاتون تھی جو مکہ سے مدینہ کے راستے میں ایک خیمہ میں رہتی تھی۔ مدینہ کی طرف ہجرت کے موقع پر رسول خدا ﷺ اس کے خیمہ کے پاس سے گزرے۔ آپ ﷺ کی برکت سے اس کی لاغر اور بغیر دودھ والی بھیڑ کے تھنوں میں اتنا فراوان دودھ بھر آیا کہ سب حاضرین نے سیر ہو کر پیا۔ ام معبد کے خیمہ کے قریب ایک عوسجہ (خار دار) درخت بھی تھا جو آپ ﷺ کے وضو کے پانی کی برکت سے سرسبز اور پروان چڑھا، اس کے کانٹے گر گئے، جڑیں مضبوط ہو گئیں، شاخیں نکل آئیں، سبز پتے اور بڑے بڑے خوشبو دار پھل لگ گئے۔

اس ماجرا کے بعد، خشک صحرا میں موجود وہ درخت، ام معبد کے خاندان اور مسافروں کے لیے باعثِ برکت اور بیماروں کے لیے شفا کا ذریعہ بن گیا۔ بھیڑ بکریاں اور اونٹ اس کے پتے کھا کر موٹے ہو جاتے اور ان کے دودھ میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ اس علاقہ کے لوگ آہستہ آہستہ اس درخت کو مبارک درخت کہنے لگے۔ کئی سالوں تک یہی سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ ایک دن اچانک لوگوں نے دیکھا کہ اس کے پھل گر گئے ہیں اور پتے زرد ہو گئے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد خبر ملی کہ اسی دن رسول خدا ﷺ نے رحلت فرمائی تھی۔ اس کے بعد اس پر بہت کم پھل لگتے، پھلوں کا ذائقہ، خوشبو اور سائز بھی پہلے والا نہ رہا۔

وہ درخت تیس سالوں تک اسی حالت میں رہا۔ پھر ایک دن لوگوں نے دیکھا کہ اس کے کانٹے دوبارہ نکل آئے ہیں اور اس کے پھل گر گئے ہیں اور اس کا سبزہ کم ہو گیا ہے۔ اس کے بعد اس علاقہ والوں کو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کی خبر ملی۔ پھر کئی سال اسی حالت میں گزر گئے۔ پھر ایک دن اس درخت کے تنے اور پتوں سے تازہ خون بہتا ہوا دکھائی دیا، جیسے گوشت سے خون بہتا ہے۔ یہ دیکھ کر لوگ

کہنے لگے کہ یقیناً کوئی غیر معمولی واقعہ رونما ہوا ہے۔ اچانک رات کے ابتدائی حصہ میں درخت سے گریہ و زاری کی آواز آنے لگی اور یہ شعر سنائی دینے لگے:

أَيَا ابْنَ النَّبِي وَيَا ابْنَ الْوَصِيّ   وَيَا مَنْ بَقِيَّةَ السَّادَاتِ الْأَكْرَمِينَا

ہائے فرزند رسولؐ! ہائے فرزند وصی! ہائے محترم و مکرم سادات کی ذریت۔

آہستہ آہستہ گریہ کی آواز زیادہ ہوتی گئی، جس کے الفاظ سمجھ نہ آتے تھے۔ اس کے بعد ان لوگوں کو امام حسینؑ کی شہادت کی خبر ملی۔ پھر وہ درخت مکمل خشک ہو گیا؛ بیابان کی ہوا اور بارشوں نے اسے نابود کر دیا، جس کے بعد اس درخت کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔[1]

اس حدیث کے ایک راوی عبد اللہ بن محمد انصاری کہتے ہیں: مدینہ میں میری ملاقات دِعبل بن علی خُزاعی سے ہوئی اور میں نے اسے یہ خبر سنائی۔ اس نے تائید کی اور پھر اسے اپنے باپ، دادا اور ماں سعدی بنت مالک خزاعیہ سے نقل کیا اور کہا کہ اس نے یہ درخت دیکھا تھا اور امام علیؑ کے زمانے میں اس کا پھل بھی کھایا تھا۔[2]

□: کوف□ ک□ دار الامار□ س□ خون کا جاری □ونا

ابن زیاد کے ایک درباری کے بقول، جب امام حسینؑ کا سر کوفہ کے دار الامارہ میں ابن زیاد کے سامنے رکھا گیا تو اس درباری کی نگاہ دار الامارہ کی دیوار پر پڑی۔ اس نے دیکھا کہ دیوار سے خون جاری ہے۔[3] بہت سی کتب میں یہ واقعہ ابن زیاد کے بیٹے عبید اللہ بن زیاد سے نقل ہوا ہے۔[4] عین ممکن ہے کہ اس نے بھی درباری کی طرح یہ منظر دیکھا ہو۔

۱۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۱۱۱، ح ۴۴؛ قطب الدین راوندی، الخرائج و الجرائح، ج۱، ص ۱۴۶، ۱۴۷، ح ۲۳۴؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۲۳۳ تا ۲۳۵۔

۲۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۱۱۳، ۱۱۴؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۲۳۵۔

۳۔ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۲۴۶، ح ۳۰۰؛ احمد بن عبد اللہ طبری، ذخائر العقبی، ص ۱۴۵۔

۴۔ صالحی شامی، سبل الہدیٰ والرشاد، ج ۱۱، ص ۸۰۔

روایات کی تحقیق

خلاصہ: اس بارے میں مذکورہ روایات کے علاوہ اور بہت سی روایات بالخصوص اہل سنت کی کتب میں ذکر ہوئی ہیں۔[1] امام حسینؑ کی شہادت کے بعد مختلف مقامات پر خون ظاہر ہونے سے کلی طور پر انکار نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ کچھ روایات کی سند صحیح ہے۔

اگرچہ دار الامارہ کی دیوار اور ام معبد کے درخت سے خون جاری ہونے، کنوؤں اور نہروں کے خون آلود ہونے جیسی بعض روایات کی سند معتبر نہیں یا راوی مجہول ہیں لیکن ایک طرف اس طرح کے واقعات کا رونما ہونا، محال اور ناممکنات میں سے نہیں ہے اور دوسری طرف بہت سی صحیح روایات، ان کی تائید بھی کرتی ہیں، جیسے پتھروں کے نیچے خون کا ابلنا؛ لہذا ایسے واقعات کے رونما ہونے کا اطمینان ہو جاتا ہے۔

۴۔ قدرتی عناصر کا گریہ

بہت سی روایات میں ذکر ہوا ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد زمین، آسمان اور دیگر قدرتی اشیا نے امام حسینؑ پر گریہ کیا۔ یہ روایات اس قدر زیادہ ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا؛ البتہ ان روایات کی معنی اور مفہوم کی طرف توجہ دینا ضروری ہے۔ یہ روایات اہل بیتؑ اور ان کے اصحاب کے علاوہ، اہل سنت نے بھی نقل کی ہیں۔

اہل بیتؑ سے منقول ہے کہ پوری تاریخ میں صرف دو شخصیات پر زمین اور آسمان نے گریہ کیا ہے: ایک یحیی بن زکریاؑ اور دوسرے حسین بن علیؑ۔

چوتھی صدی کے بزرگ شیعہ محدث جناب جعفر بن محمد بن قولویہ قمی کی کتاب "کامل الزیارات" سے بعض روایات:

۱۔ رجوع کریں: ابن ابی شیبہ، المصنف فی الاحادیث، ج۸، ص ۶۳۳؛ شیخ صدوق، کمال الدین و تمام النعمہ، ص ۵۳۲؛ کوفی، مناقب الامام امیر المؤمنین، ج۲، ص ۲۶؛ طبرانی، المعجم الکبیر، ج۳، ص ۱۱۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص ۲۴۱؛ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۲۴۲ تا ۲۵۶، ح ۲۸۸ تا ۳۱۸؛ قطب الدین راوندی، قصص الانبیاء، ج۳، ص ۱۱۴۴؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۴، ص ۲۵۲۔

۱۔ ابراہیم نخعی سے منقول ہے:

ایک دن امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام مسجد میں داخل ہوئے، ایک کونے میں بیٹھ گئے اور اصحاب نے آپ کے ارد گرد حلقہ بنالیا۔ امام حسین علیہ السلام مسجد میں داخل ہوئے اور اپنے بابا کے قریب آئے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اپنے بیٹے کے سر پر رکھ کر فرمایا: میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کچھ قوموں کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے:

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ۔[1]

پھر ان پر نہ آسمان رویا اور نہ زمین اور نہ ہی انہیں مہلت دی گئی۔

لیکن اللہ کی قسم! تجھے قتل کیا جائے گا اور تجھ پر زمین اور آسمان گریہ کریں گے۔

۲۔ امام صادق علیہ السلام نے زرارہ بن اعین سے فرمایا:

اے زرارہ! آسمان نے چالیس دن تک حسین پر خون کے ساتھ گریہ کیا، اور زمین نے چالیس دن تک حسین پر سیاہی کے ساتھ گریہ کیا؛ اور سورج چالیس دن تک گرہن اور سرخی کے ساتھ رویا؛ یقیناً پہاڑ ریزہ ریزہ ہوئے، دریاؤں میں طلاطم آیا اور فرشتوں نے چالیس دن تک گریہ کیا...۔

۴۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد سات آسمانوں، سات زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، نیز جنت و جہنم میں موجود مخلوق خدا، اور دکھائی دینے یا دکھائی نہ دینے والی ہر چیز نے امام حسین علیہ السلام پر گریہ کیا؛ سوائے تین چیزوں کے، اور وہ تین چیزیں یہ ہیں: بصرہ، دمشق اور عثمان بن عفان کا خاندان ہے۔

۵۔ ابوبصیر نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے:

جنوں، انسانوں، پرندوں اور جنگلی جانوروں نے امام حسین علیہ السلام پر گریہ کیا، حتی کہ ان کے آنسو جاری ہو گئے۔[2]

---

[1] ۔ دخان (۴۴)، ۲۹۔

[2] ۔ ابن قولویہ قمی، باب ۲۸، ۲۶، ص ۱۹۷، ۱۸۰، ۱۶۷، ۱۶۵ ح ۱، ۸، ۷، ۲۔

شیخ صدوقؒ کی بعض روایات:

۱۔ ابن شبیب کی امام رضاؑ سے مشہور روایت میں بھی سات آسمانوں اور سات زمینوں کے گریہ کا ذکر ہوا ہے۔[1]

۲۔ فاطمہ بنت علی کا بیان ہے: دیواروں پر سورج کی روشنی سرخ دکھائی دیتی تھی، جیسے رنگین چادر ہو، اور یہ حالت اس وقت باقی رہی جب امام زین العابدینؑ شام سے روانہ ہوئے اور امام حسینؑ کا سر کربلا لائے۔[2]

دیگر روایات:

۱۔ اہل سنت کے بزرگ عالم، جلال الدین سیوطی روایت کرتے ہیں:

جب امام حسینؑ شہید ہوئے تو سات دن تک سورج کی روشنی دیواروں پر رنگین چادروں کی مانند رہی اور ستارے ایک دوسرے سے ٹکراتے تھے۔ حسین کی شہادت روز عاشوہ کو ہوئی اور اس دن سورج گرہن لگا۔ آپ کی شہادت کے بعد چھ ماہ تک آسمان سرخ رہا اور اس دن کے بعد یہ سرخی اب تک آسمان پہ نظر آتی ہے، جبکہ قتل حسین سے پہلے، آسمان پر ایسی چیز دکھائی نہ دیتی تھی۔[3]

روایات کی تحقیق

روایات کی کثرت، اس بات کی دلیل ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت پر، طبیعی عناصر کے گریہ کرنے میں کوئی شک نہیں ہے، بالخصوص جب ان روایات کی سند بھی معتبر ہے؛ لیکن اگر ان روایات کا تحلیلی جائزہ لیا جائے تو چند موضوعات قابل توجہ ہیں:

---

[1] شیخ صدوق، عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۲۶۷۔

[2] شیخ صدوق، الامالی، ص ۲۳۱، ۲۳۲۔

[3] جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۲۳۱۔

ا۔ یہ روایات طبیعی عناصر کے امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنے کی مدت کے بارے میں یکسانیت نہیں رکھتیں، کیونکہ معصومین علیہم السلام سے نقل ہونے والی روایات میں اس مدت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض روایات میں ایک سال، جبکہ بعض میں چالیس دن ذکر ہوئے ہیں۔ اصحابِ ائمہ سے منقول روایات میں مدت ذکر نہیں ہوئی، جبکہ فاطمہ بنت علی علیہ السلام کی روایت میں بیان ہوا ہے کہ اہل بیت کے مدینہ واپس پلٹنے تک، یہ گریہ جاری رہا۔

اس بارے میں اہل سنت کی کتب میں موجود روایات میں بھی یکسانیت نہیں ہے: بعض میں چند روز، بعض میں ایک مہینہ، بعض میں چالیس دن، بعض میں دو یا تین مہینے، بعض میں ایک سال اور بعض میں نو مہینے ذکر ہوئے ہیں۔

اس اختلاف کو حل کرنے کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ روایات جتنی واقعہ کے قریب ہوں گی، یہ نشانیاں اتنا ہی زیادہ واضح محسوس ہوں گی ۔ لہٰذا ان روایات کے مطابق سورج گرہن، سرخ و سیاہ آندھی، خاک و خون کی بارش جیسے واقعات، واقعہ کربلا کے فوراً بعد رونما ہوئے۔ کچھ روایات میں سورج کی سرخی کو "علقہ"[1] یعنی خون کا لوتھڑا، "وَرْدَةً كَالدِّهَانِ"[2] یعنی سرخ رنگ کا پگھلا ہوا تیل اور "مَلَاحِفُ مُعَصْفَرَة"[3] یعنی رنگ شدہ چادروں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے؛ لیکن بعد میں یہ حالت باقی نہیں رہی۔ اس راہ حل کی تائید، سیوطی کے کلام سے ہوتی ہے کہ یہ سرخی سات دن تک رہی۔ سیوطی نے مزید کہا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد چھ مہینے تک آسمان سرخ رہا اور آخر میں کہا ہے کہ اس سرخی کے آثار اب تک آسمان پر دکھائی دیتے ہیں۔ اس بنا پر ضروری ہے کہ پہلے سات دن، چھ ماہ اور بعد والی سرخی میں فرق کیا جائے۔

۱۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ج۸، ص ۶۳۳۔

۲۔ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج۳، ص۴۵۶۔

۳۔ اربلی، کشف الغمہ، ج۲، ص۲۶۸۔

نیز یہ کہ مذکورہ روایات، امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی وجہ سے کائنات پر مرتب ہونے والے گہرے اثرات کو بیان کر رہی ہیں۔ گویا کائنات کی تمام مخلوقات یعنی زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان موجود ہے، ہر چیز نے امام حسین علیہ السلام پر گریہ کیا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بے جان موجودات اور جمادات کا گریہ حقیقی تھا یا مجازی اور صرف تشبیہ و تمثیل کے طور پر ہے؟

علمائے کرام نے اس کے مختلف مفاہیم بیان کیے ہیں، لیکن قرآنِ مجید کی بعض آیات (سورہ اسرا: ۴۴؛ سورہ جمعہ: ۱) میں غور کیا جائے تو کسی تاویل یا توجیہ کے بغیر قبول کرنا پڑتا ہے کہ کائنات کی تمام مخلوقات، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے پر قادر ہیں اور یہ اُن کے شعور کی علامت ہے اسی لیے کہا جاسکتا ہے کہ ان اشیا نے امام حسین علیہ السلام جیسی عظیم ہستی کی شہادت پر گریہ بھی کیا ہے؛ لیکن ان سب چیزوں کا گریہ، ان کی ذاتی حقیقت کے مطابق ہے۔

۵۔ انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں کا گریہ

اگر سید الشہدا علیہ السلام کی شہادت عظمیٰ پر کائنات کی مختلف اشیاء نے گریہ کیا ہے تو انبیائے الٰہی، ملائکہ اور اہل ایمان جنوں کا گریہ کرنا بھی کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ یہ حقیقت، شیعہ اور سنی متعدد روایات میں ملتی ہے۔ ہم نمونہ کے طور پر یہاں چند روایات نقل کرتے ہیں:

ابن قولویہ قمی نے ابو بصیر سے نقل کیا ہے:

> **میں امام صادق علیہ السلام کے ساتھ محو گفتگو تھا کہ ان کے فرزند تشریف لائے۔ امام علیہ السلام نے ان کا بوسہ لیا اور اپنے ساتھ لپٹایا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ اسے حقیر سمجھے جو تجھے حقیر جانے، اس سے انتقام لے جو تجھے تنہا چھوڑے، اور اس پر لعنت کرے جو تجھے قتل کرے، اور اللہ تعالیٰ تیرا سرپرست، حافظ اور مددگار ہو۔ یقیناً تجھ پر عورتوں، انبیاء، صدیقین، شہدا اور آسمان کے فرشتوں نے بہت گریہ کیا۔**

پھر آپ علیہ السلام نے گریہ کیا اور فرمایا: اے ابو بصیر! میں جب حسین کی اولاد کو دیکھتا ہوں تو ان پر ہونے والے مظالم کی وجہ سے اپنے آپ پر قابو نہیں پا سکتا...۔ [1]

ابن قولویہ نے امام صادق علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام، ہزار انبیاء، ہزار صدیق اور ہزار شہدا نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر گریہ کیا ہے۔ [2]

امام سجاد علیہ السلام نے دربار یزید میں فرمایا:

میں اس کا بیٹا ہوں جس پر آسمان کے فرشتوں نے گریہ کیا ہے۔ [3]

جب اسیران اہل بیت علیہم السلام کا قافلہ مدینہ پہنچا تو امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

اے لوگو! تم میں سے کون ہے جو حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد خوش ہو؟ وہ کونسا دل ہے جو غمزدہ نہ ہو اور کونسی آنکھ ہے جس میں اشک نہ ہوں؟ جبکہ آپ علیہ السلام پر سات آسمان، دریا کی موجیں، آسمان اپنے ستونوں سمیت، زمین اپنی تمام وسعتوں سمیت، درخت اپنی شاخوں سمیت، دریا کی گہرائیوں میں مچھلیاں، اللہ کے مقرب ملائکہ اور تمام اہل آسمان روئے۔ [4]

ابو حمزہ ثمالی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد فرشتوں نے گریہ وزاری کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے امام حسین علیہ السلام کے خون کا بدلہ لینے کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے جواب میں خونِ حسین کے انتقام کے لیے قائم آل محمد عجل اللہ فرجہ الشریف کے قیام کی خبر دی۔ [5]

صفوان جمال نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے:

---

[1] ۔ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، باب ۲۶، ص ۱۶۹، ح ۹۔

[2] ۔ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، باب ۲۶، ص ۱۷۸۔

[3] ۔ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، باب ۲۷، ص ۱۷۱ تا ۱۷۹۔

[4] ۔ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۱۱۳؛ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۲۲۹؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۱۴۸۔

[5] ۔شیخ صدوق، علل الشرائع، ج ۱، ص ۱۹۲؛ کلینی، الاصول الکافی، ج ۱، ص ۵۳۴، ح ۱۹۔

میں مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا۔ میں نے آپؑ کو محزون، شکستہ دل اور غمزدہ دیکھا تو اس کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا: جو کچھ میں سن رہا ہوں، اگر تم سنتے تو مجھ سے سوال نہ کرتے۔ میں نے کہا: آپ کیا سن رہے ہیں؟ فرمایا: ملائکہ کے رونے اور امیر المومنین اور حسینؑ کے قاتلوں پر لعنت کی آوازیں اور حسین کی قبر کے ارد گرد جنوں اور فرشتوں کی گریہ وزاری، کہ وہ شدت کے ساتھ جزع و فزع کر رہے ہیں۔ کیا ایسی صورت حال میں کھانا، پانی اور نیند اچھی لگتی ہے؟ ![1]

۶۔ اہل ایمان جنوں کا گریہ

بہت سی روایات میں بیان ہوا ہے کہ مومن جنوں نے بھی دوسری مخلوقات کی طرح امام حسینؑ کے غم میں گریہ کیا ہے۔ ابو بصیر نے امام صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ جن وانس اور چرند و پرند نے امام حسینؑ پر اتنا گریہ کیا کہ ان کے اشک جاری ہو گئے۔[2]

رسول خداؐ کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہؓ نے ایک دن اپنے غلام سے فرمایا:

مجھے لگتا ہے کہ میرا بیٹا حسینؑ شہید ہو گیا ہے، کیونکہ رسول خداؐ کی رحلت بعد اب تک میں نے جنوں کے رونے کی آواز نہیں سنی تھی؛ لیکن گزشتہ شب میں نے ان کے رونے کی آواز سنی ہے، وہ کہتے تھے:

أَلَا یَا عَیْنُ جُوْدِیْ لِیْ بِجُهْدٍ	وَمَنْ یَبْکِیْ عَلَی الشُّهَدَاءِ بَعْدِیْ
اے میری آنکھیں خوب کوشش کرو	میرے بعد شہدا پر کون روئے گا؟
عَلٰی رَهْطٍ تَقُوْدُهُمُ الْمَنَایَا	إِلٰی مُتَجَبِّرٍ مِنْ نَسْلِ عَبْدٍ

۱۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، باب ۲۸، ص ۱۸۷، ح ۲۳۔

۲۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، باب ۲۶، ص ۱۶۵۔

ان پر جن کو موت چلا رہی ہے — غلاموں کی جابر نسل کی طرف۔[1]

اہل سنت کی کتبِ حدیث اور تاریخ میں بھی اس بارے میں بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت میں جناب ابو کلبی کا بیان ہے:

میں کربلا گیا اور وہاں کے ایک بزرگ سے کہا: میں نے سنا ہے کہ آپ لوگ جنوں کے رونے کی آوازیں سنتے ہو۔ اس نے کہا: یہاں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس نے ان کی آواز نہ سنی ہو۔ میں نے پوچھا: تم نے کیا سنا ہے؟ وہ کہنے لگا: میں نے ان کو یہ کہتے سنا ہے:

مَسَحَ الرَّسُوْلُ جَبِیْنَهُ — فَلَهُ بَرِيْقٌ فِي الْخُدُوْدِ

رسول خدا نے اس کی پیشانی پر ہاتھ پھیرا — پس اس کے رخسار چمک رہے تھے

أَبَوَاهُ مِنْ عُلْيَا قُرَيْشٍ — وَجَدُّهُ خَيْرُ الْجُدُوْدِ

اس کے ماں باپ قریش کے بزرگ — اور اس کے اجداد سب سے نیک تھے۔[2]

بعض روایات میں بیان ہوا ہے کہ کچھ علاقوں میں ہاتفِ غیبی سے آواز سنائی دیتی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ جنوں کی آواز ہو، البتہ یہ احتمال بھی ہے کہ شاید وہ فرشتوں یا خدا کی غیب مخلوقات کی آواز ہو۔ چنانچہ ابن قولویہ نے بیت المقدس کے ایک شخص سے نقل کیا ہے کہ شامِ غریباں میں لوگوں نے یہ آواز سنی:

أَتَرْجُوْ أُمَّةٌ قَتَلَتْ حُسَيْنًا — شِفَاعَةَ جَدِّهِ يَوْمَ الْحِسَابِ

کیا حسین کو شہید کرنے والی امت امید رکھتی ہے — روز قیامت اس کے نانا کی شفاعت کی؟!

مَعَاذَ اللهُ لَا نِلْتُمْ يَقِيْنًا — شَفَاعَةَ أَحْمَدَ وَأَبِيْ تُرَابِ

خدا کی پناہ! تم یقیناً نہیں پاسکو گے — احمد اور ابوتراب کی شفاعت

قَتَلْتُمْ خَيْرَ مَنْ رَكِبَ الْمَطَايَا — وَخَيْرَ الشَّيْبِ طُرًّا وَالشَّبَابِ[1]

---

[1]۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، باب ۲۹، ص۱۸۹؛ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج۳، ص۱۶۷، ح۱۱۰۷؛ ابن ابی الدنیا، کتاب الہواتف، ص۸۷۔

۲۔ ذہبی، تاریخ الاسلام، ج۵، ص۱۷،۱۸۔

تم نے قتل کیا ہے بہترین انسان کو　　　　اور بوڑھوں، جوانوں میں سب سے برتر کو

۷۔ حیوانات کا گریہ

روایات میں ہے کہ بعض حیوانات امام حسینؑ پر ہمیشہ گریہ کرتے ہیں۔ سکونی نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے راعبی[2] کبوتروں کے بارے میں فرمایا:

إِتَّخِذُوا الْحَمَامَ الرَّاعِبِيَّةَ فِي بُيُوتِكُمْ فَإِنَّهَا تَلْعَنُ قَتَلَةَ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ لَعَنَ اللّٰهُ قَاتِلَهُ۔[3]

راعبی کبوتر اپنے گھروں میں رکھو، کیونکہ یہ امام حسینؑ کے قاتلوں پر لعنت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قاتلین حسین پر لعنت کرے۔

داؤد ابن فرقد کا بیان ہے کہ میں امام جعفر صادقؑ کے گھر بیٹھا تھا کہ راعبی کبوتر کی آواز آئی۔ امامؑ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا: اے داؤد! کیا تم جانتے ہو یہ پرندہ کیا کہہ رہا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، میں آپ پر فدا ہو جاؤں۔ فرمایا: یہ حسینؑ کے قاتلوں پر لعنت کرتا ہے۔ انہیں اپنے گھروں میں رکھو۔[4]

کامل الزیارات میں اُلّو کے متعلق امام صادقؑ سے منقول ہے، آپ نے اپنے اصحاب سے پوچھا:

هَلْ أَحَدٌ مِنْكُمْ رَآهَا بِالنَّهَارِ؟ قِيلَ لَهُ: لَا تَكَادُ تَظْهَرُ بِالنَّهَارِ وَ لَا تَظْهَرُ إِلَّا لَيْلًا قَالَ: أَمَا إِنَّهَا لَمْ تَزَلْ تَأْوِي الْعُمْرَانَ أَبَدًا فَلَمَّا أَنْ قُتِلَ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ آلَتْ عَلَى نَفْسِهَا أَنْ لَا تَأْوِي الْعُمْرَانَ أَبَدًا وَ لَا تَأْوِيَ إِلَّا الْخَرَابَ فَلَا تَزَالُ

۱۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، باب ۲۴، ص ۷۷، ح ۲۔

۲۔ راعبی کبوتر سرزمین راعب سے منسوب ہیں یا جن کی آواز بلند ہو۔

۳۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، باب ۳۰، ص ۱۹۸؛ کلینی، الفروع من الکافی، ج ۶، ص ص ۵۴۸، ح ۱۳؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۲۱۳، ح ۳۲۔

۴۔ کلینی، الفروع من الکافی، ج ۶، ص ۵۴۷، ح ۱۰؛ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، باب ۳۰، ص ۱۹۸، ح ۲۔

نَهَارَهَا صَائِمَةً حَزِيْنَةً حَتّٰى يُجْنِهَا اللَّيْلُ فَإِذَا جَنَّهَا اللَّيْلُ فَلَا تَزَالُ تَرِثُ [تَرِثُ] عَلَى الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى تُصْبِحَ۔[1]

تم میں سے کسی نے اُلّو کو دن میں دیکھا ہے؟ انہوں کہا: نہیں، اُلّو صرف رات کے وقت دکھائی دیتا ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ پرندہ ہمیشہ آبادیوں میں رہتا تھا، لیکن امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اس نے اپنے ساتھ عہد کیا ہے کہ اب آبادیوں میں نہیں رہے گا، بلکہ ویرانوں میں رہے گا۔ یہ پرندہ پورا دن، رات ہونے تک روزہ رکھتا اور غمگین رہتا ہے اور رات کے وقت صبح تک امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرتا ہے۔[2]

ابن قولویہ رحمہ اللہ نے حرم امام رضا علیہ السلام کے متولی علی بن صاعد بربری سے، اس نے اپنے باپ سے اور اس نے امام رضا علیہ السلام نے نقل کیا ہے:

میں ایک دن امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امام علیہ السلام نے پوچھا: لوگ اُلّو کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا: میں آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں۔ فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانے میں اُلّو گھروں اور محلوں میں رہتے تھے اور کھانے کے وقت دستر خوان کے قریب بیٹھتے تھے۔ لوگ جو غذا ان کے سامنے ڈالتے تھے وہ کھاتے اور پانی پی کر واپس اپنے گھونسلوں کو چلے جاتے تھے؛ لیکن امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد آبادیوں سے باہر چلے گئے اور ویرانوں، پہاڑوں اور بیابانوں میں رہنے لگے اور کہتے تھے کہ تم کتنی بری امت ہو کہ تم نے اپنے پیغمبر کے نواسے کو قتل کیا ہے، پس ہم خود کو تمہارے شر سے محفوظ نہیں سمجھتے۔

---

[1]۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، باب ۳۱، ص ۱۹۹، ح ۱۔

[2]۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، باب ۳۱، ص ۱۹۹، ح ۲۔

۸۔ کاروان حسینی سے لوٹی ہوئی اشیاء کا تبدیل ہو جانا

بعض روایات میں ہے کہ سید الشہداؑ کی شہادت کے بعد آپ کے کاروان سے لوٹی گئی اشیاء یوں بدل گئیں کہ پھر کبھی استعمال کے قابل نہ رہیں۔ اگرچہ یہ روایات شیعہ کتب میں بھی موجود ہیں، لیکن اس سے زیادہ "تاریخ دمشق" جیسے اہل سنت کے منابع میں ذکر ہوئی ہیں۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ ان روایات کا کثرت سے ابن عساکر جیسے غیر شیعہ مؤرخین کی کتب میں ذکر ہونا، قیام حسینی کی ماہیت اور اصلی سبب سے لوگوں کے اذہان کو منحرف کرنے اور اس کے ذریعہ اصل واقعہ میں شک و تردید ایجاد کرنے کی کوشش ہے؛ لیکن یہ نظریہ قابل قبول نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس واقعہ کی عظمت اور اس کے بعد رونما ہونے والے تعجب خیز واقعات نے مخالفین کے لیے انکار کی گنجائش نہیں چھوڑی اور چونکہ یہ واقعات اس ظلم عظیم کی سزا تھی، اس لیے زیادہ تر مخالفین کے علاقوں میں رونما ہوئے ہیں۔

ہم یہاں اسی طرح کی بعض روایات بیان کرتے ہوئے ان کا تحلیلی جائزہ لیتے ہیں۔

الف: مال غنیمت سے آگ نکلنا

بعض روایات میں ہے کہ جب کاروان حسینیؑ سے لوٹی گئی اشیاء کو استعمال کیا گیا تو ان سے آگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ چنانچہ یزید بن ہارون نے اپنے جد سے نقل کیا ہے:

ہمیں حسین بن علیؑ کے اونٹ کے گوشت کا ٹکڑا دیا گیا۔ میں نے اسے اپنی چارپائی کے نیچے رکھا۔ جب اسے دیکھا تو اس سے آگ بھڑک رہی تھی۔[1]

طبرانی نے ابو حمید طحّان سے نقل کیا ہے:

میں قبیلہ خُزاعہ میں موجود تھا کہ امام حسینؑ سے لوٹا ہوا ایک اونٹ لایا گیا۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اسے نحر کریں یا بیچ کر آپس میں تقسیم کر لیں؟ آخرکار

۱۔ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج۳، ص۱۶۵، ح۱۰۹۶۔

نحر کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اسے نحر کیا گیا، پھر پکایا گیا، لیکن جب برتن میں ڈال کر کھانے کے لیے رکھا گیا تو اس سے آگ کے شعلے بلند ہوئے۔[۱]

اس کے علاوہ بہت سی روایات شیعہ اور سنی کتب میں موجود ہیں۔[۲]

ب: گوشت کا خون آلود اور تلخ ہوجانا

شیعہ و سنی کتب میں بیان ہوا ہے کہ خیام حسینیؑ سے لوٹے ہوئے اونٹ کو نحر کر کے پکایا گیا اور جب کھانے کے لیے تیار ہوا تو اس کا گوشت عَلقم[۳] کی طرح اتنا کڑوا تھا کہ ایک لقمہ بھی کھایا نہیں جا سکتا تھا۔[۴]

ایک اور روایت کے مطابق اُس اونٹ کا بھی یہی انجام ہوا جس پر امام حسینؑ کا سر رکھا گیا تھا۔ اس کا گوشت اتنا کڑوا ہو گیا کہ کھانے کے قابل نہ رہا۔[۵]

ایک روایت ہے کہ حرم حسینیؑ سے غارت شدہ اونٹ کا گوشت پکایا گیا تو وہ صرف خون تھا۔[۶]

ج: درہم و دینار اور سونے کا، پتھر اور تانبا بن جانا

ابن شہر آشوب نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ جب شہدائے کربلا کے سروں اور قیدیوں کو سوار کر رہے تھے تو حضرت ام کلثوم نے ابن زیاد کے سپاہی کو کچھ رقم دے کر کہا کہ امام حسینؑ کے سر مبارک کو آگے لے جائے تا کہ لوگوں کی توجہ سر کی طرف ہو اور مخدراتِ عصمت وطہارت کی طرف ان کی نگاہ کم

۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ج۳، ص۱۲۱؛ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، ص۲۴۹، ح۳۰۸۔

۲۔ رجوع کریں: ابن معین، تاریخ ابن معین، ج۱، ص ۳۶۱، ح ۲۴۳۵؛ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج۳، ص ۵۴۱، ح۱۰۹۵، ۱۰۹۶؛ محمد زرندی حنفی، نظم درر السمطین، ص۲۲۰؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص ۳۰۲، ح۳ اور ص ۳۱۰، ح ۱۲۔

۳۔ حنظل یا اندرائن کا درخت جس کا پھل نارنگی جیسا مگر اندر سے انتہائی تلخ ہوتا ہے۔

۴۔ طبرسی، اعلام الوری، ص۲۱۸؛ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۲۵۰، ح۳۰۹؛ ابن حمزہ طوسی، الثاقب فی المناقب، ص۳۳۷؛ ذہبی، تاریخ الاسلام، ج۵، ص۱۶۔

۵۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۶۹؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۸۲۔

۶۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ج۹، ص۱۰۶۔

ہو جائے۔ وہ سپاہی درہم لے کر سر کو آگے لے گیا۔ دوسرے دن جب اس نے درہم نکالے تو دیکھا کہ سارے درہم سیاہ پتھروں میں بدل چکے ہیں اور ان کی ایک طرف یہ آیت لکھی ہوئی ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ[1]

اور خبر دار! خدا کو ظالمین کے اعمال سے غافل نہ سمجھ لینا۔

اور دوسری طرف یہ آیت لکھی ہوئی تھی:[2]

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ[3]

اور عنقریب ظالمین کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس جگہ پلٹا دیئے جائیں گے۔

ابن نما نے نقل کیا ہے کہ شمر بن ذی الجوشن نے امام حسین علیہ السلام کے سامان سے کچھ سونا اٹھایا۔ اس میں سے کچھ سونا اپنی بیٹی کو دیا۔ بیٹی زیور بنوانے کے لیے زرگر کے پاس لے گئی۔ جب زرگر نے وہ سونا آگ میں ڈالا تو وہ تانبا بن گیا۔[4]

د: ورس[5] اور زعفران کا خاک اور خون بن جانا

متعدد روایات میں آیا ہے کہ زعفران، ورس اور خوشبو والی چیزیں جو امام حسین علیہ السلام کے کاروان سے لوٹی گئی تھیں، خاک اور خون میں تبدیل ہو گئیں یا جن لوگوں نے ان کو استعمال کیا وہ برص کی بیماری میں مبتلا ہو گئے یا ان سے نکلنے والی حرارت سے جل گئے۔ کربلا کی جنگ میں شرکت کرنے والے ایک شخص

---

[1] ۔ ابراہیم، ۴۲۔

[2] ۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۶۹؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۸۲۔

[3] ۔ شعراء، ۲۲۷۔

[4] ۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۸۲۔

[5] ۔ ایک قسم کا پودا ہے جو رنگائی کے کام آتا ہے اور ہندوستان، عرب اور حبشہ میں پیدا ہوتا ہے (ہلدی، ہندوستانی زعفران۔ (https://www.almaany.com/ar/dict/ar-ur/)

ابن حاشر نے ایک اونٹ اور کچھ زعفران لوٹا تھا۔ وہ زعفران کو جتنا پیستا جاتا تھا اس سے آگ کے شعلے بلند ہوتے جاتے تھے اور جب اس کی بیوی نے اپنے ہاتھوں پر زعفران لگایا تو اسے برص کی بیماری لگ گئی۔[۱]

ایک روایت کے مطابق لوٹے ہوئے ورس کے دانے مٹی بن گئے۔[۲]

۹۔ کربلا کے ظالموں کا دنیوی انجام

شیعہ و سنی کتب میں کثیر روایات موجود ہیں کہ کربلا میں ظلم ڈھانے والوں کو دنیا میں عجیب و غریب سزائیں ملی۔ یہ روایات، ایک طرف فراوان ہونے کے ساتھ ساتھ معتبر بھی ہیں اور دوسری طرف سنتِ الٰہی سے بھی مطابقت رکھتی ہیں، لہٰذا ان واقعات کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اگرچہ ایسی روایات میں سے بعض کا سلسلہ سند ضعیف ہے جنہیں ہم یہاں ذکر نہیں کریں گے لیکن ہماری کوشش ہوگی کہ اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے مناسب تفصیل کے ساتھ ان سزاؤں کو منظم اور مرتب صورت میں قارئین کی خدمت میں پیش کریں۔

الف: عجی ب و غری ب بی ماری ا□، اعضاء می□ نقائص اور چ□رو□ کا بگا□

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کے خلاف جنگ میں شرکت کی، وہ سب جنون، برص یا جذام وغیرہ جیسی بیماریوں میں مبتلا ہوگئے۔[۳] جابر بن یزید ازدی جس نے امام حسین علیہ السلام کا عمامہ اتارا تھا[۴]، جب اس نے عمامہ اپنے سر پر رکھا وہ دیوانہ ہوگیا۔[۵]

امام حسین علیہ السلام کا لباس لوٹنے والے شخص نے وہ لباس پہنا تو برص کے مرض میں مبتلا ہوگیا، اس کا چہرہ بگڑ گیا اور اس کے بال گر گئے۔[۱]

۱۔ شیخ طوسی، الامالی، ص ۲۷۲، ح ۱۵۲۸؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۶۵؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۳۰۲۔

۲۔ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج ۳، ص ۱۶۶، ح ۱۰۹۷؛ محمد بن سلیمان کوفی، مناقب امیر المؤمنین علیہ السلام، ج ۲، ص ۲۶۳، ح ۷۲۸۔

۳۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، باب ۱۷، ص ۱۳۱؛ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج ۳، ص ۱۶۹، ح ۱۱۱۴۔

۴۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۱۸۷؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۵۳۔

۵۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۶۵؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۷۶؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۳۰۱۔

بحر بن کعب جس نے امام حسینؑ کا لباس لوٹا تھا،[۲] سردیوں میں اس کے ہاتھوں سے خون ٹپکتا تھا اور گرمیوں میں ہاتھ سکڑ جاتے تھے۔[۳]

ان کے علاوہ بعض وہ لوگ جنھوں نے امام حسینؑ کا پانی بند کرنے میں کردار ادا کیا، یا بد کلامی کی تو وہ امامؑ کی بد دعا سے پیاس کے مرض میں مبتلا ہو گئے، چنانچہ کہا گیا ہے کہ روز عاشورہ عمر سعد کے ایک سپاہی نے امام حسینؑ کو پکار کر کہا: اے حسین! کیا آسمان کی طرح صاف و شفاف پانی دیکھ رہے رہو؟ اللہ کی قسم! اس کا ایک قطرہ بھی نہیں چکھ سکو گے اور پیاس کی حالت میں جان دو گے۔ امام حسینؑ نے فرمایا: اے اللہ! اسے پیاسا جہنم واصل کرنا اور اسے ہرگز معاف نہ کرنا۔ اس کا ایک ساتھی کہتا ہے کہ واقعہ عاشورہ کے بعد وہ مریض ہوا، اور میں اس کی عیادت کے لیے گیا؛ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے، میں نے دیکھا کہ وہ مسلسل پانی پی رہا تھا لیکن سیراب نہیں ہو رہا تھا، پھر قے کر دیتا، دوبارہ پانی پیتا لیکن سیر نہ ہوتا تھا، بالآخر اس نے اسی حالت میں جان دی۔[۴]

عمر بن سعد کے ایک اور سپاہی عمرو بن حجاج نے بلند آواز سے کہا تھا: اے حسین! یہ فرات کا پانی ہے جسے کتے، خنزیر اور گدھے پی رہے ہیں؛ لیکن اس کا ایک قطرہ بھی تجھے نہیں مل سکتا، یہاں تک کہ تو جہنم کا پانی پیئے۔[۵] اس کے بارے میں نقل ہوا ہے کہ امام حسینؑ کی بد دعا سے شدید پیاس کی وجہ سے جہنم واصل ہو گیا۔[۶]

قبیلہ اَبان بن دارِم کے ایک شخص نے امام حسینؑ کے فک مبارک (ٹھوڑی) پر تیر مارا۔ آپؑ نے خون آسمان کی طرف پھینکا اور فرمایا: اسی طرح (اس سے مراد ہے اسی حالت میں اللہ سے ملاقات

---

[۱]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۶۵۔

[۲]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۵۳۔

[۳]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۵۳۔

[۴]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۱۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۸۹؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۸۷۔

[۵]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۹۰، ۳۹۶، ۳۹۹، ۴۰۱؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۹۲؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج۲، ص۱۵۲۔

[۶]۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۸، ص۱۸۹۔

کروں گا)۔ اس شخص کو عجیب وغریب مرض لگا، اسے پیٹ میں شدید حرارت محسوس ہوتی اور پشت میں شدید سردی۔ اس کے آگے برف اور پشت کی جانب آگ رکھتے تھے۔ شدید پیاس کی وجہ سے پانی کے بڑے بڑے پیالے پی جاتا تھا، لیکن اس کی پیاس بجھتی نہیں تھی۔ اس کی یہی حالت رہی یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا۔[1]

کچھ لوگوں کے اعضاء ناقص ہوگئے۔ ایک شخص جو لوگوں کو امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خوشخبری سناتا تھا، کچھ عرصے بعد اندھا ہوگیا، لہٰذا اس کا ہاتھ پکڑ کر ادھر اُدھر لے جاتے تھے۔[2]

عبداللہ بن رَباح قاضی نے امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں میں سے ایک شخص کے اندھا ہوجانے کی خبر دی ہے۔

امام حسین علیہ السلام کا قاتل سنان بن انس دیوانہ ہوگیا اور اس کی زبان بند ہوگئی۔ اس نے حجاج بن یوسف کے سامنے فخریہ کہا تھا کہ مَیں حسین کا قاتل ہوں۔ حجاج نے اسے نیک امتحان کے ساتھ تعبیر کیا۔ وہ گھر جا کر پاگل اور گونگا ہوگیا اور جو کچھ کھاتا اسی جگہ پاخانہ کر دیتا تھا۔[3]

واقعہ عاشورہ میں ظلم کرنے والے کچھ افراد باطنی تیرگی کے ساتھ ساتھ ظاہری بدنمائی میں بھی مبتلا ہوگئے؛ چنانچہ نقل ہوا ہے کہ قبیلہ بنی دارم کا ایک شخص سفید چہرے کا مالک اور خوبصورت تھا؛ لیکن واقعہ کربلا کے بعد اس کا چہرہ سیاہ اور بدنما ہوگیا۔ جب اس سے وجہ پوچھی گئی تو کہا: میں نے حسین کے ایک صحابی کو قتل کیا تھا جس کا چہرہ سفید اور آنکھوں کے درمیان سجدے کا نشان تھا۔ وہ ہر رات میرے خواب میں آتا ہے اور مجھے کھینچ کر جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ بھی نقل ہوا ہے کہ اس (قاتل) کے گھر والے رات کے وقت اس کی بے آرامی، بے خوابی دیکھتے اور خوفناک فریادیں سنتے تھے۔

---

[1]۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۸، ص۲۱۴؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۷۱؛ طبری، ذخائر العقبی، ص۱۴۴؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۳۰۱۔

[2]۔ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، ص۲۴۳، ح۲۹۴۔

[3]۔ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، ص۲۴۳، ح۲۹۴۔

راوی کہتا ہے کہ اس ظالم نے اس شہید کے سر کو گھوڑے کی گردن کے ساتھ یوں لٹکایا تھا کہ جب گھوڑا چلتا تو سر اس کے گھٹنوں پر لگتا تھا۔[1] ابن عطیہ سے منقول ہے کہ میں جوانی کے عالم میں ایک شخص کو راستے پر دیکھتا جس کا بدن سفید اور چہرہ سیاہ تھا؛ لوگ کہتے تھے کہ یہ جنگ میں گیا تھا۔[2]

ب: دذیاوی اگ اور خوفناک خواب

بعض حدیثی اور تاریخی کتب میں نقل ہوا ہے کہ ابن زیاد کے ایک دربان نے کہا: حسین کی شہادت کے بعد مَیں ابن زیاد کے قصر میں داخل ہوا۔ اُس کے سامنے اچانک آگ کا شعلہ بلند ہوا۔ اس نے شعلے کو اپنی آستین سے ڈھانپ لیا۔ پھر مجھ سے پوچھا: تو نے دیکھا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: جو کچھ دیکھا ہے اسے چھپائے رکھنا۔[3]

اگرچہ اس واقعہ کو نقل کرنے والا ابن زیاد کا دربان ہے جو کہ قابل اعتماد نہیں ہے؛ لیکن چونکہ ایک دشمن کی زبان سے نقل ہوا ہے لہذا جھوٹ نہیں ہو سکتا اور دوسری روایات بھی اس کی روایت کی تائید کرتی ہیں، لہذا یہ قابل قبول ہے۔

شیخ مفیدؒ نے محمد بن سلیمان سے اور اس نے اپنے چچا سے نقل کیا ہے:

> **حجّاج بن یوسف کے زمانے میں، مَیں اور میرے کچھ دوست کوفہ سے چھپ کر نکلے اور کربلا کی طرف چلے۔ ہمارے پاس کوئی جائے سکونت نہ تھی۔ ہم نے فرات کے کنارے گارے کا ایک چھوٹا سا کمرہ بنایا اور اس میں رہنے لگے۔ ایک اجنبی شخص آیا اور کہا: میں مسافر ہوں مجھے آج رات اپنے ساتھ جگہ دے دو۔ ہم نے اسے جگہ دے دی۔ سورج غروب ہوا تو ہم نے تیل کا دیا جلایا اور حسینؑ اور ان کی مصیبت کے بارے میں محو گفتگو ہوئے۔ بات یہاں تک پہنچی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سب قاتلوں کو کسی نہ کسی**

---

[1] شیخ صدوق، ثواب الاعمال، ص ۲۵۹۔

[2] شیخ طوسی، الامالی، ص ۷۲۷، ح ۱۵۲۹؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۳۰۸، ح ۷ اور ص ۳۲۳، ح ۱۷۔

[3] طبرانی، المعجم الکبیر، ج ۳، ص ۱۱۲، ح ۲۸۳۱؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۳۰۹، ح ۱۱۔

جسمانی بیماری یا مصیبت میں مبتلا کیا ہے۔ اس شخص نے کہا: میں بھی حسین کے قاتلوں میں شامل تھا، لیکن میں ابھی تک کسی بیماری یا مصیبت میں مبتلا نہیں ہوا ہوں؛ تم لوگ جھوٹ بول رہے ہو۔ ہم خاموش ہو گئے پھر کچھ نہیں بولے۔ اتنے میں چراغ کی لَو ماند پڑ گئی۔ وہ شخص اسے درست کرنے کے لیے اٹھا۔ اچانک اس کا ہاتھ آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ وہ اٹھا اور دوڑ کر دریائے فرات میں چھلانگ لگائی، لیکن آگ پانی کے اوپر پھیل گئی اور اس نے مجبور ہو کر اپنا سر پانی میں ڈبو دیا تاکہ آگ سے محفوظ رہے، لیکن وہ جونہی سر اوپر نکالتا، آگ لگ جاتی تھی؛ بار بار یونہی ہوتا رہا، یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو گیا۔[1]

ان سنگ دل ظالموں کو عالمِ خواب میں بھی آرام نہیں ملتا تھا بلکہ خوفناک خوابوں میں گرفتار رہتے تھے جو حقیقت میں اسی دنیا سے عذاب کے شروع ہونے کی خبر تھی۔ مثال کے طور پر عبد اللہ بن رباح قاضی نے ایک شخص سے نابینا ہونے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا:

میں بھی دیگر نو افراد کے ہمراہ حسین علیہ السلام کے قتل کا شاہد تھا، لیکن میں نے ان کی طرح نیزہ، تیر یا تلوار نہیں مارا۔ حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد گھر گیا اور نماز عشاء پڑھ کر سو گیا۔ خواب میں کسی شخص نے آ کر مجھے کہا: رسول خدا علیہما السلام کے پاس آؤ۔ میں نے کہا: مجھے رسول خدا علیہما السلام سے کیا سروکار ہے؟ لیکن وہ شخص میرا گریبان پکڑ کر صحرا کی طرف لے گیا، جہاں رسول خدا علیہما السلام بیٹھے ہوئے تھے اور آپ علیہما السلام نے آستینیں چڑھائی ہوئی تھیں اور ہاتھ میں نیزہ تھا۔ آپ کے سامنے ایک فرشتہ کھڑا ہوا تھا، جس کے ہاتھ میں آگ کی تلوار تھی۔ اس نے میرے ساتھی نو افراد کو آگ کے وار سے قتل کر دیا۔ یہ دیکھ کر میں نے پیغمبرِ خدا علیہما السلام کے سامنے گھٹنے ٹیکے اور سلام کیا۔ آپ علیہما السلام نے سلام کا جواب نہ دیا اور بہت سی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا: اے دشمن خدا! تو نے میری حرمت پامال

---

[1] شیخ طوسی، الامالی، ص ۱۶۳، ح ۱۶۹؛ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج ۳، ص ۵۴۴، ح ۱۱۱۴؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۱۱۰؛ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۲۵۲، ح ۳۱۳؛ طبری، ذخائر العقبی، ص ۱۴۵؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۶۷۔

کی ہے، میری عترت کو قتل کیا ہے اور میرے حق کا خیال نہیں رکھا۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ علیہ السلام میں نے کوئی تیر، تلوار یا نیزہ نہیں مارا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: لیکن تو (دشمن کے) لشکر کا حصہ تو تھا! میرے قریب آ؛ میں قریب گیا۔ آپ علیہ السلام نے سامنے رکھے خون سے بھرے طشت سے میری آنکھوں پر خون لگایا اور فرمایا: یہ حسین کا خون ہے۔ میں تڑپ کر نیند سے اٹھا تو نابینا ہو چکا تھا۔[1]

ج: حیوانات کا غلبہ

جب حیوانات سمیت پوری کائنات، اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع اور اس کے سپاہی ہیں تو عجیب بات نہیں ہے کہ کربلا کے بعض ظالموں کو حیوانات کے ذریعہ سزا ملی ہو؛ مثلاً متعدد کتبِ حدیث و تاریخ میں عمارہ بن عُمیر تمیمی سے منقول ہے کہ جناب مختار ثقفی کے انتقام کے بعد ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا اور وہ یوں ہے:

جناب مختار ثقفی کے قیام کے نتیجہ میں ابن زیاد کی شکست اور اس کے قتل کے بعد، جب ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر مسجد کوفہ میں لائے گئے تو لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے: وہ آگیا، وہ آگیا! اچانک ایک سانپ سروں سے گزرتا ہوا ابن زیاد کے سر کے قریب آیا اور ناک کے ایک سوراخ میں داخل ہوا اور دوسرے سے نکل گیا۔ دو یا تین مرتبہ ایسا ہوا۔[2]

شیخ طوسیؒ کی روایت کے مطابق ایک سفید رنگ کا سانپ، تمام سروں سے گزرتا ہوا ابن زیاد کے سر تک پہنچا، پھر اس کی ناک میں داخل ہوا اور کان سے باہر آیا، پھر کان میں داخل ہوا اور منہ سے نکلا۔

---

[1]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۶۶؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۸۰؛ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۸۳، ۱۸۴؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۳۰۶؛ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج ۳، ص ۱۷۱، ح ۱۱۲۰۔

[2]۔ ترمذی، سنن الترمذی، ج ۵، ص ۳۲۵، ح ۳۸۶۹؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۶۸، ۶۹؛ ابن بطریق، العمدة، ص ۴۰۴؛ ابن کثیر، البدایہ و النہایہ، ج ۸، ص ۳۱۵؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۳۰۵۔

اسی روایت میں مزید بیان ہوا ہے کہ جناب مختار نے ابن زیاد اور کچھ دوسرے قاتلوں کے سر جناب محمد بن حنفیہ کے پاس مکہ بھیجے اور آخر کار ابن زیاد کا سر، ابن زبیر کے پاس پہنچا۔ ابن زبیر نے اسے ایک لکڑی پر لٹکایا لیکن ہوا نے نیچے گرا دیا؛ پھر پردے کے پیچھے سے ایک سانپ برآمد ہوا اور اس کی ناک کو دانتوں کے ساتھ ڈسنے لگا۔ دوبارہ سر کو لکڑی پر نصب کیا گیا لیکن پھر ہوا نے اسے گرا دیا اور سانپ دوبارہ آیا اور اس کی ناک کو ڈسنے لگا۔ تین مرتبہ یہی ہوا اور بالآخر ابن زبیر نے حکم دیا کہ سر کو مکہ کے کسی درے میں پھینک دیا جائے۔[1]

د: وقت سے پہلے موت اور دنیاوی ناکامی

متعدد روایات میں ذکر ہوا کہ امام حسین علیہ السلام کے قاتل یا آپ کے قتل میں شرکت کرنے والوں کی موت بہت جلد آ پہنچی اور انہوں نے جس مقصد کے حصول (یعنی دنیاوی کامیابی) کے لیے کربلا کے ظلم میں شرکت کی، اس میں ناکام رہے۔ اس کا سب سے واضح نمونہ عمر بن سعد ملعون ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے اسے فرمایا:

إِنَّهُ يُقِرُّ عَيْنِي أَلَّا تَأْكُلُ بُرَّ الْعِرَاقِ بَعْدِي إِلَّا قَلِيلًا[2]

میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ تو میرے بعد عراق کی گندم زیادہ نہیں کھا سکے گا۔

اس ملعون نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا: میرے لیے جَو کافی ہیں۔[3] واقعہ عاشورہ کے بعد امام حسین علیہ السلام کی پیشنگوئی سچ ثابت ہوئی۔ عمر بن سعد کی نہ صرف حکومتِ ری کی خواہش پوری نہ ہوئی بلکہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ خود ہی جناب مختار ثقفی کے ہاتھوں واصل جہنم ہو گیا۔[4]

جنہوں نے اہل بیت علیہم السلام کا مال و اسباب لوٹ کر اپنی دنیا بنانے کی کوشش کی، وہ اس مال سے استفادہ نہ کر سکے بلکہ تنگدستی کا شکار ہو گئے۔ مثلاً مالک بن نُسیر بدّی کندی نے روز عاشورہ امام حسین علیہ السلام کے سر

---

[1] ۔ شیخ طوسی، الامالی، ص ۲۴۲۔

[2] ۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۳۲؛ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ج ۴۸، ص ۱۳۱؛ اربلی، کشف الغمہ، ج ۲، ص ۲۱۸؛ ذہبی، تاریخ الاسلام، ج ۵، ص ۱۹۵۔

[3] ۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۶۲؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۳۰۰، ح ۱۔

[4] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۶، ص ۶۰۔

مبارک پر تلوار کا وار کیا جس سے آپ کی ٹوپی گر گئی۔ اس نے ٹوپی اٹھالی۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: تجھ پر کھانا پینا حرام ہو، اللہ تعالیٰ تجھے ظالموں کے ساتھ محشور فرمائے۔ وہ ٹوپی لے کر اپنی بیوی کے پاس گیا، لیکن اس کی بیوی اعتراض کرتے ہوئے چلّائی: تُو حسین کا لباس لوٹ کر میرے گھر لے آیا ہے؟! آج کے بعد میں اور تُو ایک چھت کے نیچے نہیں رہیں گے۔ اس کے بعد مالک بن نُسیر آخری عمر تک تنگدستی اور غربت کی لعنت میں مبتلا رہا۔[1]

۱۰۔ خاک کربلا میں شفا اور خوشبو

کچھ لوگ امام حسین علیہ السلام کی تربت سے خوشبو سونگھتے تھے۔ ابن کثیر کی روایت کے مطابق جب امام حسین علیہ السلام کی قبر کا نشان مٹانے کے لیے قبر پر پانی چھوڑا گیا اور چالیس دن کے بعد، جب پانی خشک ہو گیا تو ایک صحرا نشین عرب، مقتل گاہ میں آیا اور خاک کی مٹھیاں بھر بھر کر سونگھتا ہوا آپ علیہ السلام کی قبر پر پہنچا اور گریہ کرتے ہوئے کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں! آپ کی تربت کتنی خوشبودار ہے! پھر یہ شعر پڑھا:

أَرَادُوا لِيُخْفُوا قَبْرَهُ عَنْ عَدَاوَةٍ	فَطِيبُ تُرَابِ الْقَبْرِ دَلَّ عَلَى الْقَبْرِ[2]
انہوں نے دشمنی کی وجہ سے اس کی قبر کو مخفی کیا	لیکن قبر کی مٹی کی خوشبو، قبر کا پتہ دیتی ہے

اللہ تعالیٰ نے تربتِ امام حسین علیہ السلام کو شفابخش بنایا ہے؛ بہت زیادہ اور معتبر روایات میں اس کا تذکرہ ہوا ہے۔[3] عرصہ دراز سے اب تک بہت سے لوگوں نے اس تربت کی برکت سے شفا پائی۔ نمونہ کے طور پر صرف دو روایتیں ذکر کی جاتی ہیں جو شیخ طوسیؒ نے اپنی کتاب امالی میں نقل کی ہیں:

۱۔ سالم نامی ایک شخص کہتا ہے:

---

[1]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۶۵؛ ابن دمشقی، جواہر المطالب فی مناقب الامام علی، ص ۲۸۷؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۳۰۲۔

[2]۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایہ، ج۸، ص ۲۲۲۔

[3]۔ رجوع کریں: ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، باب ۹۲ (ان طین قبر الحسین شفاء وامان)، ص ۴۶۵۔

میں پیٹ کے درد میں مبتلا ہوا۔ کوئی علاج فائدہ مند نہ ثابت ہوا۔ مجھے اپنی جان کا خوف لاحق ہو گیا۔ ایک دن ایک کوفی عورت سے میری ملاقات ہوئی، جس کا نام سلمہ تھا۔ اس نے کہا: اے سالم! کیا تو چاہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے اذن سے تیرا علاج کروں؟ میں نے کہا: میری سب سے بڑی خواہش یہی ہے۔ اس نے مجھے پانی کا ایک پیالہ دیا۔ میں نے جونہی پانی پیا، میرا درد ختم ہو گیا۔ چند ماہ بعد میں نے اس عورت سے پوچھا کہ تو نے میرا علاج کیسے کیا تھا؟ اس نے کہا: اس تسبیح کے ایک دانے سے۔ میں نے پوچھا: یہ تسبیح کس چیز کی ہے؟ اس نے کہا: قبر حسین علیہ السلام کی خاک سے بنی ہے۔ میں نے کہا: اے رافضیہ! تم نے اس کے ساتھ میرا علاج کیا ہے؟! یہ سننا تھا کہ وہ عورت غصے سے اٹھ کر چلی گئی۔ مجھے پہلے سے زیادہ پیٹ میں درد ہونے لگا۔[1]

۲۔ ابو موسیٰ بن عبد العزیز (حدیث کے راوی) نے ایک نصرانی طبیب کا واقعہ بیان کیا ہے؛ راوی کہتا ہے:

شاہراہ ابو احمد پر ایک نصرانی طبیب سے میری ملاقات ہوئی۔ اس نے مجھ سے پوچھا: تجھے اپنے دین اور پیغمبر کی قسم، مجھے بتا کہ تمہارے گروہ میں سے جس شخص کی قبر قصر ابن ہُبَیرہ کے علاقہ میں ہے وہ کون ہے؟ کیا وہ تمہارے نبی کا صحابی ہے؟ میں نے کہا: وہ ہمارے نبی کا نواسہ ہے، لیکن تم نے یہ سوال کیوں پوچھا ہے؟ اس نے کہا: میرے پاس اس کے متعلق ایک حیرت انگیز واقعہ ہے۔ میں نے کہا: مجھے بتاؤ۔ اس نے کہا: ایک رات ہارون الرشید کے خادم سابور کبیر نے مجھے بلایا تا کہ ہم اکٹھے موسیٰ بن عیسیٰ ہاشمی کے پاس جائیں۔ مجھے محسوس ہوا کہ اس کی عقل زائل ہو چکی تھی، اور وہ ایک سرہانے پر تکیہ لگائے ہوئے تھا۔ اس کے سامنے ایک طشت میں اس کی انتڑیاں اور اندر کا سب کچھ پڑا تھا۔ سابور نے موسیٰ بن عیسیٰ کے خادم سے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے بتایا کہ کچھ دیر

---

[1] شیخ طوسی، الامالی، ص ۳۱۹، ح ۶۴۸؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۷۱۔

پہلے موسی بن عیسی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بیٹھا ہوا تھا کہ حسین بن علی عليه‌السلام کا نام آیا۔ موسی نے کہا: اس کے حق میں رافضی (شیعہ) مبالغہ کرتے ہیں کہ اس کی قبر کی مٹی میں شفا ہے۔ اتنے میں بنی ہاشم کے ایک شخص نے کہا: میں سخت مریض تھا۔ جو بھی علاج کیا، کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر میں نے تربتِ حسین عليه‌السلام کے ذریعہ شفا پائی اور میری بیماری دور ہو گئی۔ موسی نے پوچھا: تیرے پاس تربتِ حسین عليه‌السلام ہے؟ اس نے کہا: ہاں اور اسے تھوڑی سی تربت دے دی۔ موسی بن عیسی نے تربت لے کر اس کا مذاق اڑاتے ہوئے اپنی مسند پر رکھ دیا اور اچانک اس کی فریاد بلند ہوئی: آگ آگ، طشت طشت! اس کے لیے طشت لایا گیا تو اس کے پیٹ کا سب کچھ طشت کے اندر گر گیا۔ اس کے بعد اس کے ساتھی چلے گئے اور محفل، ماتم کدہ بن گئی۔

یہ دیکھ کر سابور نے مجھ سے پوچھا: کیا تو اس کا علاج کر سکتا ہے؟ میں نے کہا: مردوں کو زندہ کرنے والے حضرت عیسی عليه‌السلام کے علاوہ کسی کا کام نہیں ہے۔ سابور نے میری بات کی تصدیق کی اور کہا: بہر حال یہاں ٹھہریں تاکہ صورتحال واضح ہو جائے۔ میں اس رات وہاں ٹھہرا۔ موسی بن عیسی سحر تک اسی حالت میں رہا اور آخر کار ہلاک ہو گیا۔[1]

خلاصہ

- امام حسین عليه‌السلام کی شہادت ایک عظیم واقعہ ہے جس کے اثرات تاریخ بشریت میں بے مثال ہیں۔
- کائنات کی تمام اشیاء شعور رکھتی ہیں اور ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے؛ جس کی قرآن، روایات اور عقل تائید کرتی ہے۔

---

[1] ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۷۱، ۲۷۔

- ظالموں کو آخرت کے دردناک عذاب کے علاوہ دنیا میں بھی سزا ملتی ہے اور یادِ خدا سے غفلت، انسان کی زندگی کو تلخ بنا دیتی ہے۔

وَ مَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِی فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكاً۔ (طه، ۱۲۴)

اور جو میرے ذکر سے منہ پھیرے گا اس کے لیے زندگی کی تنگی بھی ہے۔

- امام حسین علیہ السلام اور آپ کے قیام کی قدر و منزلت کی وجہ سے آپ کے مزار مقدس اور تربتِ پاک کو خاص اور معجزہ نما حیثیت حاصل ہے، جس کے آثار تاریخ کے مختلف ادوار میں مشاہدہ کیے جا چکے ہیں۔

آٹھویں فصل

سید الشہدا علیہ السلام کے چہلم پر تحقیق

اہل تشیع کے درمیان مشہور یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے بزرگ صحابی جناب جابر بن عبد اللہ انصاری نے بیس صفر کو امام حسین علیہ السلام کی قبرِ مبارک کی زیارت کی اور اسی دن اہل بیت علیہم السلام بھی شام سے واپسی پر کربلا پہنچے اور جابر کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ اسی طرح یہ بھی مشہور ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا سرِ مبارک، اسی دن آپ کے بدن کے ساتھ رکھا گیا۔

ہماری کوشش ہے کہ اس باب میں امام حسین علیہ السلام کے اربعین (چہلم) اور اہل بیت علیہم السلام کے کربلا واپس لوٹنے کے بارے میں سیر حاصل گفتگو کریں۔

شیخ مفیدؒ، شیخ طوسیؒ اور علامہ حلیؒ نے اس بارے میں لکھا ہے:

اہل بیت علیہم السلام، بیس صفر کو شام سے مدینہ کی طرف واپس لوٹے اور جابر بن عبد اللہ انصاری بھی اسی دن امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لیے مدینہ سے کربلا گئے اور امام حسین علیہ السلام کی قبر کے سب سے پہلے زائر آپ ہی ہیں۔[1]

جناب جابر کی قبرِ امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرنے کے بارے میں کتبِ تاریخ نے دو قسم کی روایات نقل کی ہیں۔ ایک روایت ابو جعفر محمد بن ابی القاسم طبری امامی (چھٹی صدی ہجری کے عالم) کی ہے جو انہوں نے جناب جابر اور عطیہ عَوفی کی زیارت کے بارے میں اپنی کتاب "بشارة المصطفى لشيعة المرتضى" میں اسناد کے ساتھ مفصل طور پر بیان کی ہے، لیکن اس میں اہل بیت علیہم السلام کی ان کے ساتھ ملاقات کی بات نہیں کی۔

دوسری روایت سید بن طاووس کی ہے، جس میں انہوں نے حضرت جابر اور بنی ہاشم کے کچھ افراد کی زیارت کے بارے میں مختصر بیان کیا ہے اور جناب جابر کی اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ شام سے واپسی پر

---

[1]۔ شیخ مفید، مسارّ الشیعہ، ص۴۶؛ شیخ طوسی، مصباح المتہجد، ص۷۸۷؛ رضی الدین علی بن یوسف بن مطہر حلی، العُدد القویہ، ص۲۱۹۔

ملاقات کا اضافہ بھی کیا ہے، لیکن ملاقات کا دن معین نہیں کیا۔ ہم یہاں پہلے طبری اور پھر ابن طاووس کی روایت نقل کرتے ہیں۔

ابو جعفر بن ابی القاسم طبری نے اپنے سلسلہ سند کے ساتھ عطیہ بن سعد بن جنادہ کوفہ جُدَلی سے نقل کیا ہے:

میں اور جابر بن عبد اللہ، امام حسینؑ کی زیارت کے ارادے سے چلے؛ جب کربلا پہنچے تو جابر نے فرات سے غسل کیا، پھر ایک کپڑا اپنی کمر کے ساتھ باندھا، اور ایک کندھے پر ڈالا، عطر لگایا اور ذکر پڑھتے ہوئے امام حسینؑ کی قبر کی طرف چل پڑا۔ جب قبر کے نزدیک پہنچا تو کہا: میرا ہاتھ پکڑ کر قبر پر رکھو۔ میں نے اس کا ہاتھ قبر پر رکھا۔ جابر نے اپنے آپ کو قبر پر گرا دیا اور اتنا گریہ کیا کہ بے ہوش گیا۔ میں نے اس پر پانی چھڑکا اور وہ ہوش میں آیا۔ پھر تین مرتبہ یا حسین کہا۔ پھر کہا: دوست اپنے دوست کو جواب نہیں دیتا!؛ ہاں، آپ کیسے جواب دیں، جبکہ آپ کی گردن کی رگیں کٹ چکی ہیں، سر کو بدن سے جدا کر دیا گیا ہے؟!۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو خاتم المرسلین، مومنین کے سردار اور اہل تقوی کا فرزند، اہل ہدایت کی ذریت اور اصحاب کساء کا پانچواں فرد ہے۔ تو سرداروں کے سردار، سیدۃ نساء العالمین کا فرزند ہے۔ آپ کیسے نہ ہوں، جبکہ آپ نے سرور انبیاء کے دست مبارک سے غذا کھائی ہے، متقیوں کے دامن میں پرورش پائی ہے، ایمان کے سینہ سے دودھ پیا ہے اور اسلام کے دامن میں پروان چڑھے ہیں۔ آپ تو موت وحیات میں خوش نصیب ہیں، لیکن مومنین کے دل آپ کی جدائی میں غمزدہ ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ آپ پر جو مصیبت آئی، اس میں خیر ہے۔ آپ پر اللہ کا درود و سلام ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اسی راستے پر چلے ہیں جس پر حضرت یحیٰؑ بن زکریاؑ چلے تھے۔

پھر قبر کے ارد گرد دیکھا اور کہا: سلام ہو تمہاری پاک روحوں پر، جو حسین کی راہ میں قربان ہوئی ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے نماز قائم کی، زکات ادا کی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انجام دیا، کفار کے ساتھ جہاد کیا اور خدا کی عبادت کی، یہاں تک کہ تمہاری اجل آ پہنچی۔ اس اللہ کی قسم، جس نے محمدؐ کو حق دے کر بھیجا ہے، ہم تمہارے ساتھ اس راستے میں شریک ہیں۔

میں نے جابر سے کہا: ہم کیسے ان کے ساتھ شریک ہیں جبکہ ہم لوگ، نہ ہی ان کے ساتھ کسی وادی میں اترے نہ کسی بلندی یا پہاڑ پر چڑھے اور نہ تلوار چلائی؛ لیکن ان کے سر جسموں سے جدا ہوئے، ان کے بچے یتیم ہوئے اور ان کی بیویاں بیوہ ہوئی ہیں؟

جابر نے کہا: اے عطیہ! میں نے رسول خداؐ سے سنا ہے: جو شخص کسی گروہ کو دوست رکھتا ہے وہ اس کے ساتھ اس کے عمل میں شریک ہے۔ مجھے اس ذات کی قسم جس نے محمدؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میری اور میرے دوستوں کی نیت وہی ہے جو حسینؑ اور ان کے اصحاب کی تھی۔ مجھے کوفیوں کے گھروں کی طرف لے جاؤ۔

ابھی تھوڑا ہی چلے تھے کہ جابر نے مجھ سے کہا: اے عطیہ !تو چاہتا کہ میں تجھے نصیحت کروں؟ مجھے گمان ہے کہ اس سفر کے بعد میں تجھ نہیں مل سکوں گا۔ اہل بیتِ محمدؐ سے محبت کرنے والے جب تک اس محبت پر باقی رہیں، اُن کے ساتھ محبت رکھنا اور اہل بیتِ محمدؐ سے دشمنی کرنے والے جب تک دشمنی پر باقی رہیں، ان کے ساتھ دشمنی رکھنا، اگرچہ وہ سب سے زیادہ نمازی اور روزہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اہل بیتؑ کے حبداروں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا، اگرچہ گناہوں کی وجہ سے ان کا ایک قدم

لڑکھڑائے اور دوسرا قدم ان کی محبت پر محکم ہو۔ آل محمدؐ کا دوست جنت میں جائے گا اور ان کا دشمن جہنم میں۔[1]

واضح ہے کہ مذکورہ بالا روایت میں اہل بیتؑ کے کربلا آنے اور جناب جابر بن عبد اللہ انصاری کے ساتھ ملاقات کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا؛ لیکن سید بن طاووس نے یہ واقعہ یوں بیان کیا ہے:

جب اہل بیتؑ شام سے عراق پہنچے تو اپنے قافلے کے راہنما سے کہا: ہمیں کربلا کی طرف سے لے جاؤ۔ جب اہل بیتؑ مقتل میں پہنچے تو جابر بن عبد اللہ انصاری، بنی ھاشم کے کچھ افراد اور خاندانِ پیغمبرؐ کے کچھ مردوں کے ساتھ ملاقات ہوئی، جو امام حسینؑ کی قبر کی زیارت کرنے آئے تھے۔ سب نے گریہ اور منہ پر ماتم کرنا شروع کیا۔ انہوں نے ایسی عزاداری اور نوحہ خوانی کی کہ جگر جلتا تھا۔ عراق کی عورتیں اہل بیتؑ کے پاس آئیں اور انہوں نے بھی چند دن عزاداری کی۔[2]

اس روایت میں یہ بیان ہوا ہے کہ اہل بیتؑ اور جابر بن عبد اللہ اکٹھے کربلا آئے؛ لیکن اس بات کا تذکرہ نہیں ہوا کہ یہ واقعہ بیس صفر کو پیش آیا۔

اس بارے میں ایک اور قول ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اہل بیتؑ بیس صفر کو شام سے کربلا واپس پہنچے۔ چنانچہ اس بارے میں سید ابن طاووس نے لکھا ہے کہ کتاب "**مصباح المتہجد**" کے علاوہ دیگر کتب میں ذکر ہوا ہے کہ اہل بیتؑ بیس صفر کو شام سے کربلا پہنچے تھے۔[3]

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد اہل بیتؑ کے کربلا پہنچنے کا وقت معین کرنا، تاریخ عاشورہ کے مشکل ترین مسائل میں سے ہے؛ کیونکہ حدیثی اور تاریخی کتب میں اس کے متعلق مجمل روایات بیان ہوئی ہیں جن سے حتمی نتیجہ نہیں لیا جا سکتا کہ یہ واقعہ بیس صفر اکسٹھ ہجری کو پیش آیا ہو۔ بہت سے پرانے

---

[1] ۔ ابو جعفر محمد بن ابی القاسم طبری، بشارۃ المصطفی لشیعۃ المرتضی، ص ۷۴، ۷۵۔

[2] ۔ سید بن طاووس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص ۲۲۵؛ ابن نما حلی، مثیر الاحزان، ص ۱۰۷۔

[3] ۔ سید ابن طاووس، الاقبال بالاعمال الاحسنۃ، ج ۳، ص ۱۰۰۔

مصادر میں صرف یہ ذکر ہوا ہے کہ اس دن امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک ان کے بدن کے ساتھ ملحق ہوا۔ ہم آنے والی ابحاث میں ان روایات کو ذکر کریں گے۔ اسی طرح کہا گیا ہے کہ بیس صفر کو ہی اہل بیت علیہم السلام شام سے مدینہ واپس پلٹے۔

بعد والی صدیوں میں انہی اقوال اور روایات کی بنا پر علمائے شیعہ کے درمیان دو نظریئے وجود میں آئے۔ کچھ اس نظریئے پر قائم رہے کہ اہل بیت علیہم السلام بیس صفر اکسٹھ ہجری کو کربلا پہنچے جبکہ بعض نے اس بات کا انکار کیا ہے۔

ہم یہاں دونوں نظریات کو نقل کرنے کے بعد اصل واقعہ کا تحلیلی جائزہ لیں گے۔

پہلے چہلم پر اہل بیت علیہم السلام کے کربلا جانے کا انکار کرنے والے

اہل بیت علیہم السلام کے شام جانے اور وہاں رہنے کی مدت بارے میں جو کچھ کتب میں ذکر ہوا ہے اس کی بنا پر بعض علمانے پہلے چہلم پر اہل بیت علیہم السلام کے کربلا جانے کو محال قرار دیا ہے۔ ہم ذیل میں یہ نظریہ رکھنے والے مشہور علما کا بطور خلاصہ تذکرہ کرتے ہیں:

۱۔ ابن نما حلیؒ:

عرصہ دراز سے شیعوں کے درمیان مشہور ہے کہ ابن نما حلی (۶۴۵ ہجری) نے "**مثیر الاحزان**" اور سید بن طاوس نے "**ملہوف**" میں اہل بیت علیہم السلام کے پہلے اربعین پر کربلا آنے کی تائید کی ہے۔

لیکن یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ ابن نما حلی اور سید بن طاوس نے اہل بیت علیہم السلام کے کربلا میں صرف داخل ہونے اور جابر بن عبداللہ انصاری کے ساتھ ملاقات کا تذکرہ کیا ہے جبکہ ملاقات کی تاریخ بیان نہیں کی۔ ابن نما کے الفاظ یہ ہیں:

وَلَمَّا مَرَّ عِيَالُ الْحُسَيْنِ عليه السلام بِكَرْبَلَاءَ وَجَدُوا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِي رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ وَ جَمَاعَةً مِنْ بَنِي هَاشِمٍ قَدِمُوا لِزِيَارَتِهِ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ فَتَلَاقَوْا بِالْحُزْنِ وَ الْاِكْتِئَابِ وَ النَّوْحِ عَلَى هٰذَا الْمُصَابِ الْمُقْرِحِ لِأَكْبَادِ الْأَحْبَابِ.[1]

جب حسینؑ کے اہل بیت کربلا سے گزرے تو اسی وقت جابر بن عبد اللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ اور بنی ہاشم کے کچھ افراد کو وہاں پایا جو آپؑ کی زیارت کے لیے آئے تھے اور ان کے ساتھ اس دلسوز مصیبت پر حزن وملال اور نوحہ وبکا کے ساتھ ملاقات کی۔

سید ابن طاوس نے اپنی کتاب "الاقبال بالاعمال الحسنہ" اس نظریہ کی واضح نفی کرتے ہوئے لکھا ہے:

میں نے کتاب مصباح المتہجد میں دیکھا ہے کہ اہل بیتؑ، امام زین العابدینؑ کے ہمراہ بیس صفر کو مدینہ پہنچے اور مصباح کے علاوہ (دیگر کتب میں بھی) دیکھا ہے کہ وہ شام سے واپسی پر اسی دن (بیس صفر کو) کربلا پہنچے۔ یہ دونوں قول حقیقت سے دور معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ ابن زیاد لعنت اللہ علیہ نے یزید کو خط لکھ کر اسیروں کو شام بھیجنے کی اجازت مانگی اور جب تک اسے یزید کا جواب نہیں ملا، اس نے اہل بیت کو شام نہیں بھیجا۔ واضح ہے کہ اس پر بیس یا اس سے زیادہ دن لگے ہوں گے۔ اسی طرح انہوں نے کہا ہے کہ شام آنے کے بعد اہل بیتؑ ایک مہینہ تک ایسی جگہ قیدی تھے جہاں گرمی اور سردی سے حفاظت کا بندوبست نہ تھا۔ حالانکہ مذکورہ بالا دونوں اقوال کے مطابق اہل بیتؑ، امام حسینؑ کی شہادت سے چالیس دن گزرنے کے بعد عراق یا مدینہ پہنچے ہیں۔ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ وہ واپسی پر کربلا سے گزرے ہوں، لیکن بیس صفر کو یقیناً کربلا نہیں پہنچے، کیونکہ روایت کے مطابق انہوں نے جابر بن عبد اللہ انصاری کے ساتھ وہاں ملاقات کی۔

---

[1] ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۱۰۷۔

> **اگر جابر بن عبد اللہ انصاری زیارت کے لیے حجاز سے کربلا روانہ ہوا ہو تو اس تک (شہادت کی) خبر کے پہنچنے اور پھر کربلا آنے کے لیے چالیس دن سے زیادہ عرصہ درکار ہے۔** [1]

پس سید ابن طاوس نے اپنی دونوں کتابوں "**ملہوف**" اور "**اقبال**" میں اہل بیتؑ کے کربلا آنے کی نفی نہیں کی؛ لیکن کتاب "**اقبال**" سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے "**ملہوف**" میں بھی اربعین کے دن اہل بیتؑ کے کربلا آنے کا نظریہ نہیں دیا، کیونکہ اگر ان کا یہ نظریہ ہوتا تو کتاب اقبال میں بھی بیان کرتے اور کہتے کہ میں نے اپنا پہلا نظریہ بدل دیا ہے، کیونکہ انہوں نے یہ کتاب، ملہوف سے کئی سال بعد لکھی ہے۔ اسی طرح ابن نما کی روایت بھی اہل بیتؑ کے صرف کربلا میں آنے کو بیان کر رہی ہے، لیکن اس کی تاریخ بیان نہیں ہوئی۔

۲۔ علامہ مجلسی (۱۱۱۱ ہجری):

اس بارے میں لکھتے ہیں:

> **روایات میں زیارتِ اربعین کے مستحب ہونے کی وجہ بیان نہیں ہوئی؛ لیکن علما میں اس کی یہ وجہ مشہور ہے کہ اہل بیتؑ اسی دن (یعنی بیس صفر کو) شام سے واپسی پر کربلا پہنچے اور امام زین العابدینؑ نے شہدا کے سر، ان کے جسموں کے ساتھ ملحق کیے۔ اس بارے میں ایک اور قول بھی ہے کہ اہل بیتؑ اسی دن مدینہ واپس لوٹے؛ لیکن دونوں قول حقیقت سے بہت دور ہیں، کیونکہ یہ مدت (یعنی چالیس دن) ان دونوں کاموں (یعنی کربلا یا مدینہ پہنچنے) کے لیے کافی نہیں ہے، جیسا کہ روایات اور قرائن سے یہ بات واضح ہے۔ البتہ اس واقعہ کا دوسرے سال پیش آنا بھی ناممکن ہے۔** [2]

۳۔ میرزا حسین نوریؒ (۱۲۵۴ – ۱۳۲۰ ہجری):

---

[1] سید ابن طاوس، الاقبال بالاعمال الحسنہ، ج ۳، ص ۱۰۰، ۱۰۱؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۹۸، ص ۳۳۵، ۳۳۶۔

[2] مجلسی، بحار الانوار، ج ۹۸، ص ۳۳۴۔

انہوں نے کتاب "**اللؤلؤ والمرجان**" میں سید ابن طاووس کی "**ملہوف**" والی عبارت نقل کرنے کے بعد اس کو رد کیا ہے۔

۴۔ شیخ عباس قمیؒ (۱۳۵۹ ہجری)۔[1]

۵۔ ابوالحسن شعرانیؒ (۱۳۵۹ ہجری)۔[2]

۶۔ استاد شہید مطہریؒ:

آپ کہتے ہیں: صرف یہ بات سید ابن طاووس نے ملہوف میں کہی ہے۔ ان کے علاوہ کسی نے یہ نہیں کہا، حتی کہ خود سید ابن طاووس نے بھی اپنی دوسری کتابوں میں یہ بات نہیں کہی اور کوئی عقلی دلیل بھی اس کے موافق نہیں ہے۔[3]

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اگر جابر بن عبد اللہ کی ملاقات سے استاد مطہری کی مراد، اربعین کا دن ہے تو سید ابن طاووس نے ملہوف میں ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے۔

۷۔ محمد ابراہیم آیتی:

ان کا نظریہ ہے کہ اس پر کوئی قابل اعتماد سند نہیں لائی جاسکتی۔[4]

۸۔ ڈاکٹر سید جعفر شہیدی[5]

---

[1]۔ شیخ عباس قمی، منتہی الآمال، ج ۲، ص ۱۰۱۴، ۱۰۱۵۔

[2]۔ شعرانی، ترجمہ کتاب نفس المہموم، ص ۴۳۱۔

[3]۔ مرتضی مطہری، حماسہ حسینی، ج ۱، ص ۳۰۔

[4]۔ محمد ابراہیم آیتی، بررسی تاریخ عاشورہ، ص ۱۴۸ تا ۱۵۰۔

[5]۔ سید جعفر شہیدی، زندگانی فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا، ص ۲۶۱۔

پہلے چہلم پر اہل بیت علیہم السلام کے کربلا جانے کے قائلین

بعض علما اس بات کے قائل ہیں کہ اہل بیت علیہم السلام پہلے اربعین پر کربلا تشریف لے گئے۔ کچھ علما نے اس پر کوئی دلیل بیان نہیں کی، لیکن بعض نے علمائے شیعہ کے درمیان شہرت کو دلیل بناتے ہوئے اسے ثابت کرنے کے لیے، بہت سی دلیلیں بھی بیان کی ہیں؛ جن کا مختصر مطالعہ کرتے ہیں۔

۱۔ ابوریحان بیرونی (۴۴۰ ہجری) لکھتے ہیں:

وَفِی الْعِشْرِیْنَ رُدَّ رَأْسُ الْحُسَیْنِ اِلٰی جُثَّتِہٖ حَتّٰی دُفِنَ مَعَ جُثَّتِہٖ وَفِیْہِ زِیَارَۃُ الْاَرْبَعِیْنَ وَھُمْ حَرَمُہٗ بَعْدَ انْصِرَافِھِمْ مِنَ الشَّامِ۔[1]

بیس (صفر) کو حسین علیہ السلام کا سر آپ کے بدن کے ساتھ ملحق ہوا اور اسی مقام پر دفن کیا گیا اور زیارت اربعین بھی اسی دن ہوئی اور وہ (زیارت کرنے والے) شام سے واپسی پر آپ کے اہل بیت علیہم السلام تھے۔

ابوریحان بیرونی نے اس عبارت میں زیارت اربعین کی وجہ تسمیہ بھی بیان کی ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کے چالیس افراد نے بیس صفر کو سید الشہدا علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کی اسی لیے اسے زیارت اربعین کہتے ہیں۔

۲۔ ابن اعثم کوفی کی کتاب کے مترجم مستوفی ہروی (چھٹی صدی کے مؤرخ) کا نظریہ ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام دیگر اہل بیت علیہم السلام کے ہمراہ بیس صفر کو کربلا تشریف لائے۔[2]

۳۔ ملا حسین واعظ کاشفی (۹۱۰ ہجری) نے خوارزمی کا قول نقل کیا ہے: امام زین العابدین علیہ السلام، اپنے بابا کا سر مبارک دوسرے سروں کے ہمراہ کربلا لے گئے اور بیس صفر کو بدن کے ساتھ ملا دیا۔[3]

---

[1]۔ ابوریحان بیرونی، الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ، ص ۳۳۱۔

[2]۔ محمد بن احمد مستوفی ہروی، ترجمۃ الفتوح، ص ۹۱۶۔

[3]۔ کاشفی، روضۃ الشہدا، ص ۳۹۱۔

۴۔ اسفر ائینی بھی اسی بات کے قائل ہیں کہ اہل بیتؑ، بیس صفر کو کربلا گئے اور وہاں جابر اور اہل مدینہ کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی۔[1]

۵۔ شیخ بہائی(۱۰۳۰ہجری) کہتے ہیں: انیس صفر کو سید الشہداؑ کی زیارت ہے... اس دن امام حسینؑ کی شہادت کو چالیس دن گزر گئے۔ اسی دن جابر بن عبد اللہ انصاری آپ کی قبر پر زیارت کے لیے آئے اور اہل بیتؑ بھی اسی دن شام سے کربلا آن پہنچے تھے، جبکہ وہ مدینہ جانا چاہتے تھے۔[2]

۶۔ میرزا محمد اشراقی المعروف ارباب (۱۳۴۱ہجری)، بشارۃ المصطفی میں طبری کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> **اس معتبر روایت میں ذکر نہیں ہوا کہ جابر نے بیس صفر کو زیارت کی، یا کسی اور دن۔ اسی طرح یہ بھی ذکر نہیں ہوا کہ جابر نے شہادت کے پہلے سال زیارت کی یا بعد میں؛ لیکن شیعہ کتب میں دونوں باتوں(جابر کی زیارت اور پہلے سال) کی تحقیق موجود ہے۔ بہر حال شیعہ اور سنی علما نے اہل بیتؑ کے بیس صفر کو کربلا جانے کے بارے میں بہت کچھ بیان کیا ہے... اور سیرت اور تاریخ میں محفوظ ہے کہ شہادت والے سال کے بعد، اہل بیتؑ نے عراق کا سفر نہیں کیا۔[3]**

۷۔ سید محمد علی قاضی طباطبائی نے منکرین میں سے محدث نوری کے شبہات کا جواب دیا اور اکسٹھ ہجری کو اربعین کے دن اہل بیتؑ کے کربلا داخل ہونے پر دلائل پیش کیے۔[4]

ہم آئندہ صفحات میں شبہات کے جوابات کی طرف اشارہ کریں گے۔ ان شاءاللہ

---

[1]۔ ابراہیم بن محمد نیشاپوری اسفرائینی، نور العین فی مشہد الحسین، ص ۷۲۔

[2]۔ بہاؤالدین محمد بہائی، توضیح المقاصد، ص ۷،۶۔

[3]۔ میرزا محمد اشراقی، الاربعین الحسینیہ، ص ۲۰۵۔

[4]۔ قاضی طباطبائی، تحقیق دربارہ اول اربعین حضرت سید الشہدا، ص ۶ تا ۷۷۔

تحقیق

مخالفین میں سے مرحوم محدث نوریؒ نے سید ابن طاووس کے نظریہ پر سات اعتراض کیے ہیں۔ ہم اختصار کے ساتھ ان اعتراضات اور جوابات کو ذکر کریں گے۔ ان میں سے اکثر جوابات شہید قاضی طباطبائی کے ہیں۔

پہلا اعتراض: واقعہ کے ساتھ مدت کی عدم مطابقت

محدث نوری فرماتے ہیں: ابن زیاد کے یزید کو خط لکھنے اور اسیروں کے متعلق اپنی ذمہ داری معین کرنے کے لیے کم از کم بیس یا اس سے زیاد دن درکار ہیں۔ اس کے علاوہ اہل بیتؑ کے شام میں اس مکان پر رہنے کی مدت ایک یا ڈیڑھ مہینہ تھی جو سردی اور گرمی سے محفوظ نہیں تھا۔ پس ابن زیاد کا یزید سے اپنی ذمہ داری پوچھنے، اہل بیتؑ کے شام جانے، وہاں رہنے اور پھر واپس پلٹنے کا عرصہ چالیس دن سے بہت زیادہ تھا، لہٰذا اکسٹھ ہجری کو ان کا کربلا جانا قابل قبول نہیں ہے۔[1]

جواب

کثیر تاریخی شواہد گواہ ہیں کہ بعض لوگوں نے کوفہ سے شام کا راستہ دس دن بلکہ اس سے بھی کم عرصہ میں طے کیا ہے۔[2] لہٰذا محدث نوری کا قول تاریخی روایات سے رد ہوتا ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ قدیمی مصادر میں ابن زیاد کے یزید کو خط لکھنے اور اسیروں اور شہدا کے سروں کے متعلق ذمہ داری پوچھنے کے بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ البتہ بعض کتب میں اشارہ ہوا ہے کہ یزید کی جانب سے ایک قاصد آیا اور اہل بیتؑ کو شام بھیجنے کی ذمہ داری ابن زیاد کو سونپی۔[3] پھر بعد والی کچھ کتب مثلاً ملہوف میں کہا گیا ہے کہ ابن زیاد نے یزید کو امام حسینؑ کے قتل اور

---

[1] محدث نوری طبرسی، لؤلؤ و مرجان، ص ۱۵۲۔

[2] قاضی طباطبائی، تحقیق درباره اول اربعین حضرت سید الشہدا، ص ۳۳ تا ۳۳۔

[3] ابن سعد، ترجمۃ الحسین و مقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش ۱۰، ص ۱۹۰۔

ان کے خاندان کی اسیری سے آگاہ کیا اور یزید نے اس کو حکم دیا کہ امامؑ کا سر، قیدی اور دیگر شہدا کے سر شام بھیج دے؛[1] لیکن اس میں یہ وضاحت نہیں ہوئی کہ ان خطوط پر کتنی مدت صرف ہوئی۔ البتہ اس کے مقابلے میں کچھ قدیمی روایات اس بات کی حکایت کرتی ہیں کہ اسیر، تھوڑی سی مدت کوفہ رہے۔[2]

اس بنا پر جن روایات میں ابن زیاد کے یزید سے ذمہ داری معلوم کرنے کی بات آئی ہے وہ قابل اعتبار نہیں، کیونکہ طبری نے واقعہ کربلا کو امام باقرؑ، حُصین بن عبد الرحمٰن اور ہشام کلبی (ابو مخنف کے شاگرد) سے نقل کیا ہے جس میں خط و کتابت کی بات نہیں ہوئی۔ طبری نے یہ ماجرا صرف عوانہ بن حکم سے نقل کیا ہے؛[3] لیکن بعض روایات کی بنا پر عوانہ عثمانی مذہب تھا اور بنی امیہ کے لیے حدیثیں جعل کرتا تھا،[4] لہٰذا اس کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرا اعتراض: اس واقعہ کے بارے میں قدیم کتب کی خاموشی

طبری[5] اور شیخ مفید[6] جنہوں نے واقعہ عاشورہ کو ابی مخنف سے نقل کیا، اور پھر طبرسی[7] (۵۴۸ ہجری)، خوارزمی[8] (۵۶۸ ہجری)، ابن اثیر (۶۳۰ ہجری)، سبط ابن جوزی اور عماد الدین طبری[9] نے پہلے اربعین پر اہل بیتؑ کے کربلا پہنچنے کا ذکر نہیں کیا۔ محدث نوری کہتے ہیں: ایسا نہیں ہے کہ وہ جاتے ہوئے کربلا

---

[1] ۔ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۲۰۷، ۲۰۸۔

[2] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۶۰؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۱۴ تا ۱۱۹۔

[3] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۶۳۔

[4] ۔ ابن حجر عسقلانی، لسان المیزان، ج ۴، ص ۳۸۴۔

[5] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۶۱۔

[6] ۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۲۲۔

[7] ۔ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص ۲۵۰۔

[8] ۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۳۰۲۔

[9] ۔ عماد الدین طبری، کامل بہائی، ج ۲، ص ۳۰۲۔

گئے ہوں، جابر سے ملاقات ہوئی ہو اور چند روز وہاں عزاداری کی ہو، لیکن شیخ مفیدؒ نے اسے کسی قابل اعتماد جگہ پر نہ دیکھا ہو، یا دیکھا ہو لیکن یہاں اس کی طرف اشارہ نہ کیا ہو۔[۱]

جواب

اولاً: مؤرخین کا تصریح نہ کرنا، ان کے انکار یا اصلاً واقعہ پیش نہ آنے کی دلیل نہیں بن سکتا، کیونکہ بہت سے واقعات مختلف اسباب کی وجہ سے کتبِ تاریخ میں ذکر نہیں ہوئے۔[۲]

ثانیاً: شیخ مفید نے کتاب "الارشاد" میں کچھ تاریخی واقعات کو حذف کیا ہے۔ شاید انہوں نے اختصار کو مد نظر رکھتے ایسا کیا ہے یا صرف متواتر یا کم از کم مستفیضہ روایات نقل کی ہیں۔ احتمال ہے کہ انہیں اس ماجرا کے متعلق کوئی متواتر روایت نہ ملی ہو لہٰذا انہوں نے اسے نقل کرنے سے پرہیز کیا ہے۔[۳]

تیسرا اعتراض: اہل بیت علیہم السلام کا بیس صفر کو شام سے مدینہ روانہ ہونا

شیخ مفید نے کتاب "مسارّ الشیعہ" میں، ان کے بعد شیخ طوسی نے "مصباح المتہجد" میں[۴]، علی بن یوسف حلی نے "العدد القویہ"[۵] اور "منہاج الصلاح" میں اور کفعمی نے "مصباح"[۶] میں نہ صرف اہل بیت علیہم السلام کے کربلا جانے کا تذکرہ نہیں کیا، بلکہ واضح طور پر کہا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام بیس صفر کو شام سے مدینہ روانہ ہوئے۔[۷]

۱۔ محدث نوری طبرسی، لؤلؤ و مرجان، ص ۱۵۳۔

۲۔ مثلاً شیخ مفیدؒ نے اپنے زمانے کے معروضی حالات کی وجہ سے سقیفہ کی بہت سی جزئیات ذکر نہیں کی ہیں (شیخ مفید، الارشاد، ج ۱، ص ۱۸۹)۔

۳۔ رجوع کریں: قاضی طباطبائی، تحقیق درباره اول اربعین سید الشہدا، ص ۱۵۷۔

۴۔ شیخ طوسی، مصباح المتہجد، ص ۷۸۷۔

۵۔ علی بن یوسف بن مطہر حلی، العدد القویہ لدفع المخاوف الیومیہ، ص ۲۱۹۔

۶۔ کفعمی، المصباح، ص ۵۱۰۔

۷۔ محدث نوری طبرسی، لؤلؤ و مرجان، ص ۱۵۴۔

جواب

مذکورہ بالا کتب میں واضح نہیں ہے کہ اہل بیتؑ کربلا نہیں گئے۔ پس کہا جا سکتا ہے کہ شاید اہل بیتؑ کے کربلا جانے کی روایات موجود تھیں، لیکن انہیں ملی نہیں، یا ملی ہیں لیکن کچھ وجوہات کی بنیاد پر ان کا ذکر نہیں کیا؛ نیز یہ کہ ابوریحان اور شیخ بہائی نے واضح کہا ہے کہ اہل بیتؑ اربعین کے دن کربلا میں موجود تھے۔[1]

چوتھا اعتراض: جابر اور اہل بیتؑ کی ملاقات کے متعلق کتبِ تاریخ کی خاموشی

"بشارۃ المصطفی"، "مقتل الحسین خوارزمی" اور "مصباح الزائر" جیسی جن کتب میں اربعین کے دن جابر کے کربلا جانے کا تذکرہ ہوا ہے، ان میں بھی جابر اور اہل بیتؑ کی ملاقات کا ذکر نہیں ہوا، جبکہ اگر ایسی کوئی ملاقات ہوتی تو یقیناً بیان ہوتی۔[2]

جواب

پہلے بیان کیا گیا ہے کہ بیرونی، ابن نما، سید ابن طاووس اور شیخ بہائی جیسے بعض مؤرخین نے اہل بیتؑ کے قبرِ حسین کی زیارت کا تذکرہ کیا ہے اور ابن نما اور سید ابن طاووس نے واضح کہا ہے کہ جابر نے اہل بیتؑ کے ساتھ ملاقات بھی کی؛ پس نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ ملاقات اربعین کے دن تھی، البتہ ابن نما اور سید ابن طاووس کی روایت کی توجیہ، طبری اور خوارزمی کی روایت کے ساتھ کی جائے تو کہا جائے گا: جابر بن عبد اللہ انصاری کم از کم دو مرتبہ امام حسینؑ کی قبر مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے: ایک مرتبہ عطیہ عوفی کے ہمراہ، جیسا کہ طبری، خوارزمی اور سید ابن طاووس نے کہا ہے؛ اور دوسری مرتبہ (تنہا)، جیسا کہ ابن نما حلی اور سید ابن طاووس نے کہا ہے۔ چونکہ سید ابن طاووس نے اختصار کو مد نظر رکھا ہے اور ان کی نظر میں صرف جابر اور اہل بیتؑ کی ملاقات مہم تھی، اور اس بات کی کچھ خاص اہمیت نہ تھی کہ یہ

---

[1]۔ رجوع کریں: قاضی طباطبائی، تحقیق درباره اول اربعین حضرت سید الشہدا، ص ۳۰۔

[2]۔ محدث نوری طبرسی، لؤلؤ و مرجان، ص ۱۵۵، ۱۵۶۔

ملاقات کیسے ہوئی، لہٰذا انہوں نے صرف ملاقات والی روایت نقل کی ہے اور عطیہ عوفی کے ساتھ ہونے کی بات نہیں چھیڑی۔

پانچواں اعتراض: شام سے کربلا کا طولانی راستہ

محدث نوری کا نظریہ ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کوفہ سے شام، یا سلطانی کے راستہ کی طرف سے گئے یا بادیہ کی جانب سے۔ محدث نوری نے اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کہا ہے:

اگرچہ اصل مقتل ابی مخنف ہماری دسترس میں نہیں ہے اور جو دسترس میں ہے وہ بھی تبدیلی ہو چکی ہے، جس کی وجہ سے اس پر اعتماد کم ہو گیا ہے؛ لیکن اس کے متعدد نسخہ جات اس بات پر متفق ہیں کہ اہل بیت علیہم السلام کو تکریت، موصل، نصیبین اور حلب کے راستے سے شام لے جایا گیا اور یہ سب شہر سلطانی کے راستے میں آتے ہیں۔ غالباً یہ راستہ آباد اور بہت سے دیہاتوں اور شہروں سے گزرتا تھا اور کوفہ سے شام تک تقریباً چالیس منزل کا فاصلہ تھا۔ ان منازل میں قیدیوں کے قافلہ کے ساتھ متعدد واقعات پیش آئے اور کچھ کرامات بھی رونما ہوئیں؛ مثلاً راہب قِنّسرین کا واقعہ جو کہ ابن حبّان[1] (۳۵۴ ہجری) خوارزمی[2] (۵۶۸ ہجری)، قطب الدین راوندی[3] (۵۷۳ ہجری)، ابن شہر آشوب[4] (۵۸۸ ہجری) اور سبط ابن جوزی[5] (۶۵۴ ہجری) نے لکھا ہے؛ ان سب کو جھوٹا نہیں کہا جا سکتا کیونکہ یہ بات حقیقت سے دور ہے کہ ان لوگوں کے (روایات) گھڑنے کی کوئی وجہ ہو۔

پس اگر اس راستے اور اہل بیت علیہم السلام کے شام میں ٹھہرنے کی کمترین مدت کو دیکھا جائے تو ان کا پہلے چہلم پر کربلا پہنچنا محال نظر آتا ہے۔

---

[1]۔ ابن حبان تمیمی بستی، کتاب الثقات، ج ۲، ص ۳۱۲۔

[2]۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۱۱۵، ۱۱۶۔

[3]۔ قطب الدین راوندی، الخرائج والجرائح، ج ۲، ص ۵۷۸۔

[4]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۶۷۔

[5]۔ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۲۶۴۔

فرض کریں، اگر بادیہ کے راستے سے گئے ہوں تب بھی پہلے چہلم کو واپس پلٹنا مشکل ہے، کیونکہ کوفہ سے شام کا سب سے کم فاصلہ ۱۷۵ فرسنگ یعنی ۱۰۵۰ کلومیٹر ہے۔ اس کے علاوہ اہل بیت علیہم السلام بارہ محرم کو کوفہ میں داخل ہوئے اور تیرہ محرم کو ابن زیاد کے محل میں گئے۔ پس "اقبال" میں سید ابن طاوس کی روایت کے مطابق، قاصد کے کوفہ سے شام جانے اور واپس کوفہ پلٹنے کے لیے کم از کم بیس دن چاہیے ہیں۔ ابن اثیر نے "کامل" میں قاصد بھیجنے اور اس کے واپس پلٹنے کا واقعہ درج کیا ہے۔[1] کبوتر بھیجنے کا احتمال ضعیف ہے، کیونکہ اس زمانے میں کبوتر بھیجنے کا رواج نہیں تھا؛ کیونکہ سب سے پہلے نور الدین محمود بن زنگی نے سنہ ۵۶۵ ہجری میں کبوتر بھیجنے کا رواج ڈالا۔

اگر فرض کریں، قافلہ نے دن رات میں آٹھ فرسنگ یعنی ۴۸ کلومیٹر طے کیے ہوں تو واضح ہے کہ تقریباً بائیس دن کوفہ اور شام کے راستے میں رہا، حتی اگر راستے میں آرام کو مد نظر نہ رکھا جائے پھر بھی اس راستے سے آنے جانے کے لیے چالیس دن سے زیادہ وقت درکار ہے، خصوصاً ایسے قافلہ کے لیے دن رات میں آٹھ فرسنگ (۴۸ کلومیٹر) طے کرنا ممکن نہیں ہے جس میں عورتیں، بچے اور ضعیف ہوں۔[2]

جواب

کاروانِ اہل بیت علیہم السلام کے کوفہ سے دمشق جانے کا راستہ معین کرنا، تاریخ عاشورہ کے مشکل ترین مسائل میں سے ہے۔ تاریخ کی قدیمی کتب میں اہل بیت علیہم السلام کے کوفہ سے شام جانے کے راستے کے بارے میں کوئی معتبر روایت بیان نہیں ہوئی؛ حتی کہ مقتل ابی مخنف کے مختلف نسخہ جات کا مطالعہ کرنے سے بھی یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا، کیونکہ اس کی معتبر روایت جو طبری نے نقل کی ہے اور جس کا راوی ابو مخنف شاگرد ہشام کلبی ہے، اس میں بھی اس کاروان کے راستے کے بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی؛ لیکن قدیم کتبِ تاریخ اور جغرافیائی نقشہ کے ذریعہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کوفہ سے شام جانے کے لیے تین راستے تھے:

---

[1] ۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۷۶۔

[2] ۔ محدث نوری طبرسی، لؤلؤ و مرجان، ص ۱۵۶ تا ۱۶۰۔

پہلا راستہ

راہِ سلطانی: یہ راستہ بعض شہروں سے گزرتا تھا۔ یہ وہی راستہ ہے جو محدث نوری نے عماد الدین طبری کی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ ایک ہم عصر محقق نے اس راستے کے بارے تحقیق کر کے یوں لکھا ہے: تکریت، موصل، لبّا، کحیل، تَلّ اعفر، نصیبین، حرّان، معرّہ النعمان، شیزر، کَفَر طاب، حماۃ، حِمص اور دمشق۔[1]

اسی راستے کو بیان کرتے ہوئے فرہاد مرزا نے تھوڑا تفصیل کے ساتھ یوں لکھا ہے: حصاصہ، تکریت، اعمی، دیر عروہ، صلیتا، وادی النخلہ، ارینا، لبنا، کحیل، جہینہ، موصل، تل اعفر، سنجار، نصیبین، عین الوردہ، رقہ، جوسق، بِشر، بِسر، حلب، سرمین، قنسرین، معرہ النعمان، شیزر، کفر طاب، سیبور، عقر، حماہ، حمص، بعلبک، دمشق۔[2]

اس بناپر، شام جانے کے لیے اسیروں کا کاروان عراق کے شمال سے ہوتا ہوا جزیرہ (یعنی موجودہ عراق کے شمال اور سوریہ کے شمال مشرق) کے علاقہ میں داخل ہوا اور پھر موصل سے نصیبین اور موجودہ ترکی اور سوریہ کی حدود سے ہوتا ہوا حران جا پہنچا۔ آخر کار ایک ہزار پانچ سو کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اور سوریہ کے مغربی علاقے سے گزرتے ہوئے، حلب، معرہ النعمان، حماۃ اور حمص کے علاقوں سے گزر کر دمشق پہنچا۔

دوسرا راستہ

یہ راستہ کوفہ سے سیدھا شام جانے کے لیے بادیۃ الشام کے علاقہ سے گزرتا ہے۔ اگرچہ محدث نوری نے اس راستے کا احتمال بھی دیا ہے، لیکن قرائن اور تاریخی شواہد اس راستے سے اہل بیتؑ کے شام جانے کی تائید نہیں کرتے۔ مثلاً حضرت زینبؑ نے یزید کو مخاطب کر کے فرمایا:

---

[1]۔ سید جعفر شہیدی، زندگانی علی بن الحسین، ص ۶۲ (حاشیہ)۔

[2]۔ فرہاد میرزا معتمد الدولہ، قمقام زخار و صمصام بتار، ج ۲، ص ۵۴۸ تا ۵۵۰۔

أَ مِنَ الْعَدْلِ يَا ابْنَ الطُّلَقَاءِ تَخْدِيرُكَ حَرَائِرَكَ وَ إِمَاءَكَ وَ سَوْقُكَ بَنَاتِ رَسُولِ اللهِ ص سَبَايَا؟ قَدْ هَتَكْتَ سُتُورَهُنَّ وَ أَبْدَيْتَ وُجُوهَهُنَّ تَحْدُو بِهِنَّ الْأَعْدَاءُ مِنْ بَلَدٍ إِلَى بَلَدٍ وَ يَسْتَشْرِفُهُنَّ أَهْلُ الْمَنَاهِلِ وَ الْمَنَاقِلِ[1]

اے آزاد شدہ غلاموں کی اولاد! تمہارا اپنی عورتوں اور کنیزوں کو پردہ کے پیچھے بٹھانا اور رسول زادیوں کو اسیر بنا کے دربدر پھیرانا، کیا یہ عدل ہے...؟! تم نے رسول زادیوں کو بے ردا اور ان کے چہروں کو بے پردہ کیا، دشمن انہیں (جانوروں کی طرح) ہانکتے ہوئے شہر بہ شہر لائے، مسافر نظریں اٹھا اٹھا کر انہیں دیکھتے، اور باپردہ بیبیاں مختلف جگہوں کے رہائشی لوگوں کے سامنے بے پردہ ہو گئیں۔

واضح ہے بادیۃ الشام کا یہ راستہ بے آب و گیاہ صحرا سے گزرتا تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حضرت زینب علیہا السلام بچوں اور قیدیوں کی بھوک، پیاس جیسے مسائل کا شکوہ کرتیں؛ لیکن انہوں نے مختلف شہروں اور اجنبی لوگوں سے عبور کرائے جانے کی شکایت کی ہے۔

اس کے علاوہ ابن اعثم اور خوارزمی نے کوفہ سے شام کے راستے کے بارے میں واضح کہا ہے کہ اسیران اہل بیت علیہم السلام کو ترک اور دیلم کے قیدیوں کی طرح ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ پھیراتے ہوئے لایا گیا۔[2]

تیسرا راستہ

کوفہ سے شام جانے کا عام راستہ، یعنی جو راستہ دریائے فرات کے مغربی ساحل سے ہوتا ہوا، انبار، ہیت، قرقیسیا، رقہ اور صفین سے گزرتا ہے۔ نقشہ میں دیکھا جا سکتا ہے کہ یہ راستہ صفین کے بعد فرات کے ساحل سے حلب جا پہنچتا ہے اور پھر حماۃ، حمص اور دمشق کی منازل پر راہِ سلطانی سے جا ملتا ہے۔ یہ وہی راستہ

[1]۔ طبرسی، الاحتجاج، ج۲، ص۱۲۵؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۷۲؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۱۳۴و۱۵۸؛ ابن طیفور، بلاغات النساء، ص۲۱۔

[2]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۲۷؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۶۲۔

ہے جس سے امیر المومنین حضرت علیؑ کی فوج، معاویہ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے گئی؛[1] اور معاویہ کی فوج نے امام حسنؑ کی فوج سے مقابلہ کرنے کے لیے بھی اسی راستہ سے عبور کیا۔ یہ راستہ راہِ سلطانی سے مختصر اور بادیہ الشام کے راستے سے زیادہ آباد ہے۔ اسیر ان اہل بیتؑ کے اس راستے سے عبور کرنے کا احتمال زیادہ ہے۔ البتہ تاریخی شواہد اور حلب، قنسرین، حماۃ، حمص اور راہب کے دیر جیسے مختلف علاقوں میں امام حسینؑ کے سر مبارک اور اہل بیتؑ سے ظاہر ہونے والی کرامات بھی اس مشکل کو حل کرنے میں مدد نہیں دیتیں، کیونکہ یہ علاقے راہِ سلطانی اور درمیانے راستے کے درمیان مشترک ہیں ؛ لیکن اگر ان روایات کو قبول کر لیا جائے تو کاروان کے بادیۃ الشام سے جانے کی یقینی طور پر نفی ہو جاتی ہے۔

گذشتہ بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اہل بیتؑ کا پہلے راستے سے جانا نفی تو نہیں ہوتا لیکن اس پر کوئی یقینی دلیل موجود نہیں ہے۔ لہٰذا کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس کی بنا پر شام اور عراق کے درمیان مسافت کا اندازہ اور طول کی تحقیق کی جا سکے۔ کاروان کا تیسرے راستے سے شام جانے کا احتمال زیادہ ہے، کیونکہ اس طرف سے سفر کم اور آمد و رفت زیادہ تھی۔ اس کے علاوہ بہت سے تاریخی شواہد (جیسا کہ پہلے اعتراض کے جواب میں گزر چکا ہے) موجود ہیں کہ بعض لوگوں نے کوفہ سے شام کا راستہ دس دنوں حتیٰ کہ چار دنوں سے بھی کم مدت میں طے کیا ہے۔ اسی لیے اگرچہ یہ کاروان اپنے خاص حالات کے پیش نظر کسی تیز رفتار قاصد سے بہت آہستہ بھی چلے تو بھی اس کا دس یا اس سے کچھ زیادہ دنوں میں کوفہ سے شام پہنچنا محال نہیں ہے۔[2]

---

[1]۔ نصر بن مزاحم مِنقری، وقعۃ صفین، ص ۱۴۲، ۱۴۳؛ محمدی ری شہری، موسوعۃ الامام علی بن ابی طالب، ج ۶، ص ۵۹ تا ۶۸۔

[2]۔ رجوع کریں: قاضی طباطبائی، تحقیق درباره اول اربعین حضرت سید الشہدا، ص ۳۳ تا ۵۷۔

چھٹا اعتراض: جابر بن عبد اللہ انصاری کو پہلا زائر کیوں کہا جاتا ہے؟

اگر اہل بیت علیہم السلام اور جابر بن عبد اللہ انصاری ایک ہی دن، بلکہ ایک وقت میں امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے مشرف ہوئے تو پھر جابر بن عبد اللہ انصاری کو پہلا زائر کیوں کہا جاتا ہے؟[1]

جواب

سید بن طاووس کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جابر بن عبد اللہ انصاری، اہل بیت علیہم السلام سے پہلے کربلا پہنچے تھے:

> فَوَصَلُوْا اِلٰی مَوْضِعِ الْمَصْرَعِ، فَوَجَدُوْا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ الْاَنْصَارِی وَ جَمَاعَةً مِنْ بَنِیْ هَاشِمٍ وَ رِجَالاً مِنْ آلِ رَسُوْلِ اللهِ قَدْ وَرَدُوْا لِزِیَارَةِ قَبْرِ الْحُسَیْنِ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَوَافَوْا فِیْ وَقْتٍ وَاحِدٍ وَ تَلَاقَوْا...۔[2]
>
> **جب اہل بیت علیہم السلام مقتل میں پہنچے تو جابر بن عبد اللہ انصاری کو بنی ھاشم کے کچھ افراد اور خاندانِ پیغمبر علیہ السلام کے کچھ مردوں کے ساتھ وہاں پایا جو امام حسین علیہ السلام کی قبر کی زیارت کرنے آئے تھے، وہ ایک ہی وقت میں وہاں پہنچے اور ان کی ملاقات ہوئی...۔[3]**

گویا محدث نوری نے اس جملہ "فَوَافَوْا فِیْ وَقْتٍ وَاحِدٍ" سے یہ مراد لی ہے کہ اہل بیت اور جابر کربلا میں اکھٹے پہنچے، جبکہ اگر ان دو جملوں "فَوَصَلُوْا" یعنی وہ پہنچے اور "فَوَجَدُوْا" یعنی انہوں نے پایا، کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ "فَوَافَوْا" سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں گریہ اور عزاداری کرنے میں مشغول ہوئے، نہ کہ ایک وقت میں کربلا پہنچے۔ پس کہا جا سکتا ہے کہ سب سے پہلے جابر کربلا پہنچا، پھر بنی ہاشم اور آخر میں اہل بیت علیہم السلام کربلا میں پہنچے۔[4]

---

[1]۔ محدث نوری طبرسی، لؤلؤ و مرجان، ص ۱۶۰۔

[2]۔ سید ابن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص ۲۲۵۔

[3]۔ سید بن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص ۲۲۵؛ ابن نما حلی، مثیر الاحزان، ص ۱۰۷۔

[4]۔ رجوع کریں: قاضی طباطبائی، تحقیق درباره اول اربعین سید الشہدا، ص ۲۷۵، ۲۷۶۔

ساتواں اعتراض: شام اور مدینہ کے راستے میں کربلا نہیں ہے

اس اعتراض میں تین نکات ہیں:

۱۔ شام سے مدینہ اور شام سے عراق کے راستے میں کوئی مشترک مقام نہیں آتا۔

۲۔ شام میں کربلا جانے کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی کیونکہ یزید نے پشیمانی کا اظہار کرنے کے بعد اہل بیت علیہم السلام کو شام میں رہنے یا مدینہ جانے کا اختیار دیا اور اہل بیت علیہم السلام نے مدینہ جانے کا فیصلہ کیا؛ جبکہ وہاں کربلا جانے کی کوئی بات نہیں ہوئی۔

۳۔ اگر اہل بیت علیہم السلام کے کربلا سے گزرنے کی بات ہوتی تو ممکن تھا کہ یزید ملعون نہ مانتا۔[1]

جواب

دوسرے اور تیسرے نکتے کے متعلق کتبِ تاریخ میں واضح کہا گیا ہے کہ یزید نے اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ اپنے کیے پر پشیمانی کا اظہار کیا اور امام حسین علیہ السلام اور اصحاب کے قتل کا گناہ ابن زیاد کی گردن میں ڈال دیا۔ اس پشیمانی کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے اہل بیت علیہم السلام کو اختیار دیا کہ شام میں رہیں یا مدینہ چلے جائیں۔ اہل بیت علیہم السلام نے مدینہ جانے کا فیصلہ کیا۔ یزید نے اپنے افراد کو حکم دیا کہ راستے میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں اور وہ لوگ جب اور جہاں آرام کرنا چاہیں ان کی بات مانیں۔[2] پس اگر اہل بیت علیہم السلام دمشق میں یزید کو کربلا جانے کا کہتے تو حالات کے پیش نظر وہ ماننے پر مجبور تھا، اگرچہ اس رویہ کی تبدیلی، اُس کی نجس فطرت کے ساتھ ہم آہنگ نہیں تھی۔

اگر فرض کریں، اہل بیت علیہم السلام دمشق سے نکلنے کے بعد یزید کے فوجیوں سے کہتے کہ انہیں کربلا لے جائیں تو وہ بھی یزید کے حکم کے مطابق ان کی بات مان لیتے، جیسا کہ ابن سعد نے بھی لکھا ہے۔ اس بنا پر اگر شام میں کربلا جانے کی بات کا کوئی ذکر نہیں ملتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل بیت علیہم السلام نے دمشق سے خارج

---

[1] ۔ محدث نوری طبرسی، لؤلؤ و مرجان، ص ۱۶۱، ۱۶۲۔

[2] ۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین و مقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش ۱۰، ص ۱۹۳۔

ہونے کے بعد یہ درخواست کی ہے اور شام میں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی ؛ یا اگر یزید کے سامنے یہ تقاضا پیش بھی کیا گیا ہے تو چونکہ ان کا آخری مقصد مدینہ تھا اور مدینہ کے راستے میں کربلا ایک منزل شمار ہوتی تھی، اس لیے کربلا کا خاص طور پر ذکر نہیں ہوا اور گویا یوں یزید نے کربلا میں اترنے کی بھی اجازت دی تھی ۔اس اجازت کے پیشِ نظر کوئی حرج نہیں ہے کہ جو شخص مدینہ جانا چاہتا ہے وہ کربلا سے عبور کرے۔[1]

مذکورہ بیان کے تناظر میں، اہل بیتؑ نے کربلا جانے کا تقاضا دمشق میں کیا ہو یا دمشق سے باہر؛ کسی صورت میں کوئی مسئلہ پیش نہیں آتا۔

اب رہا پہلا نکتہ کہ شام سے مدینہ کے راستے پر کوئی ایسا مشترک نقطہ نہیں ہے جو عراق اور مدینہ کے درمیان (ان کو ملاتا) ہو؛ بلکہ شام اور مدینہ کا راستہ، دمشق سے ہی عراق سے جدا ہو جاتا ہے۔

جدید تحقیق بتاتی ہے کہ دمشق سے مدینہ کا راستہ (جو تقریباً ۱۲۲۹ کلو میٹر ہے) تقریباً ۱۲۰ کلو میٹر عراق کے ساتھ مشترک ہے۔[2] بہر حال بعض شیعہ علما، مثلا: ابن نما اور سید ابن طاووس نے جابر بن عبد اللہ انصاری کی اہل بیتؑ کے ساتھ ملاقات کو واضح طور پر بیان کیا ہے؛ گویا ان کے عقیدہ کے مطابق شام سے مدینہ کا راستہ عراق سے گزرتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ جب اہل بیتؑ کا قافلہ عراق سے گزر رہا تھا تو اہل بیتؑ نے راہنما سے کہا کہ انہیں کربلا لے جائے۔[3] جغرافیا دانوں کے مطابق شام سے مدینہ کا راستہ شروع سے ہی عراق کے راستہ سے جدا ہو جاتا ہے چنانچہ ابن خرداد بہ نے کوفہ سے شام کا راستہ یوں بتایا ہے: حیرہ، قطقطانہ، بقعہ، ابیض، حوشی، جمع، خطی، جبّہ، قلوفی، رواری، ساعدہ، بقیعہ، اعناک، اذرعات، منزل، دمشق۔[4]

یہ راستہ در حقیقت "بادیۃ الشام" والا راستہ ہے۔

---

[1] ۔رجوع کریں: محمد امین امینی، مع الرکب الحسینی من المدینۃ الی المدینۃ، ج۶، ص۳۰۸،۳۰۹۔

[2] ۔محمدی ری شہری، دانشنامہ امام حسین، ج۸، کتاب کے آخر میں نقشہ ملاحظہ ہو۔

[3] ۔ابن نما، مثیر الاحزان، ص۱۰۷؛ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۲۲۵۔

[4] ۔ابن خرداد بہ، المسالک والممالک، ص۸۴۔

ابن خردادبہ اور ابن رستہ نے دمشق سے مدینہ کا راستہ یوں لکھا ہے: منزل، ذات المنازل، سرغ، تبوک، محدثہ، اقرع، جبنینہ، حجر، وادی القری، رُحبہ، ذی المروہ، مُرّ، سویداء، ذی خشب، مدینہ۔[1]

ان دو روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ اور مدینہ کے راستوں کا مشترکہ پوائنٹ "منزل" نامی ایک مقام ہے اور کوفہ اور مدینہ کے راستے یہاں سے جدا ہوتے ہیں۔ پس اگر ہم یہ بات قبول نہ کریں کہ اہل بیتؑ نے دمشق اور یزید کے دربار سے کربلا جانے کا ارادہ کیا تھا؛ تو یہ بات قبول کرنا ہوگی کہ انہوں نے دمشق سے نکلنے کے بعد، سب سے پہلے مقام "منزل" سے کربلا کا ارادہ کر لیا اور پھر بادیۃ الشام کے راستے سے کربلا گئے۔ پس اگر ابن نما اور سید ابن طاوس کی عبارات سے یہ مراد ہو کہ دمشق سے شام کا راستہ عراق سے گزر کر جاتا تھا، تو کہنا پڑے گا کہ ان دو علما کی تعبیرات درست نہیں ہیں؛ سوائے یہ کہ ہم اس بات کے قائل ہوں کہ اہل بیت کا قافلہ اسی راستے سے عراق واپس گیا، جس سے شام آئے تھے۔ یہ احتمال اس صورت میں صحیح ہو سکتا ہے کہ اہل بیتؑ نے یزید کے دربار میں ہی کربلا جانے کی درخواست اور یزید نے اجازت دی ہو یا کم از کم کوفہ اور مدینہ کے مشترکہ پوائنٹ چھوڑنے سے پہلے اس کی اجازت کو کسی نہ کسی طریقہ سے سمجھ گئے ہوں۔ اس کے علاوہ کوئی منطقی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ اہل بیتؑ کسی وجہ کے بغیر عراق کے راستے سے مدینہ گئے ہوں۔

دوسرے شواہد

گذشتہ مکمل گفتگو سے یہ نتیجہ لیا جا سکتا ہے کہ بیس صفر اکسٹھ ہجری کو، اہل بیتؑ کا امام حسینؑ کی قبر مبارک پر جانا ممکن ہے؛ لیکن حقیقت میں ایسا ہی ہوا ہے یا نہیں؟ ہم کہہ چکے ہیں کہ ابوریحان بیرونی، مستوفی ہروی اور شیخ بہائی جیسے مؤرخین نے واضح کہا ہے کہ اہل بیتؑ بیس صفر کو کربلا میں موجود تھے۔ اس کے علاوہ کچھ اور قرائن اور شواہد بھی موجود ہیں:

۱۔ امام سجادؑ کا چہلم کے دن امام حسینؑ کے سر کو بدن کے ساتھ ملحق کرنا۔

---

[1] ابن خردادبہ، المسالک والممالک، ص ۸۴؛ ابن رستہ، الاعلاق النفیسہ، ص ۲۱۴۔

۲۔ زیارت اربعین کا مستحب ہونا۔

۳۔ امام حسینؑ کے سر کا محلِ دفن۔

امام حسینؑ کے سر کا بدن مطہر کے ساتھ ملحق ہونا اور اہل بیتؑ کے کربلا آنے کے واقعات آپس میں جدا نہیں ہیں۔ مشہور قول کی بنا پر یہ کام امام زین العابدینؑ نے انجام دیا، جیسا کہ شیخ صدوق اور ابن فتال نیشابوری نے واضح طور پر کہا ہے۔[1] تاریخی کتب میں کوئی روایت موجود نہیں ہے جس میں بیان ہوا ہو کہ امام سجادؑ کسی دوسرے وقت میں کربلا آئے ہوں۔ اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اہل بیتؑ اربعین کے دن امام حسینؑ کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے۔

زیارت اربعین کے بارے میں دو روایات موجود ہیں: ایک یہ کہ امام جعفر صادقؑ نے صفوان بن مہران جمّال کو زیارت اربعین تعلیم دی اور دوسرے امام حسن عسکریؑ نے زیارتِ اربعین کو مومنین کی ایک نشان قرار دیا ہے۔

ائمہؑ کی نگاہ میں زیارتِ اربعین کی اہمیت کے پیشِ نظر یہ سوال پیش آتا ہے کہ کیا اس کے مستحب ہونے کا سبب صرف ایک صحابی کا امام حسینؑ کی قبر پر حاضر ہونا ہے؟ ظاہری طور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یقیناً اس دن کوئی اہم واقعہ پیش آیا ہے جس کی وجہ سے زیارتِ اربعین مستحب ہوئی ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس کی وجہ، امام حسینؑ کے سر مبارک کا بدن کے ساتھ ملحق ہونا اور اہل بیتؑ کا آپ کی قبر کی زیارت کرنا ہو، جنمیں ایک امام معصوم (یعنی امام سجاد) بھی موجود تھے۔ جیسا کہ شیخ طوسی نے ابن شہر آشوب کی روایت کے مطابق، امام حسینؑ کے سر کے بدن مبارک کے ساتھ ملحق ہونے کو ائمہؑ کے نزدیک زیارت اربعین کی اہمیت کا سبب قرار دیا ہے۔[2] علامہ مجلسی نے بھی مشہور قول کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے زیارتِ اربعین کے مستحب ہونے کی ایک وجہ یہی ہے۔[3]

---

[1]۔ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۳۱، ص ۲۳۱، ۲۳۲؛ ابن فتال نیشابوری، روضۃ الواعظین، ص ۱۹۲۔

[2]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۸۵۔

[3]۔ مجلسی، بحار الانوار، ج ۹۸، ص ۳۳۴۔

امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کے دفن کے متعلق اختلاف ہے۔ علمائے شیعہ کے نزدیک مشہور ہے کہ آپ کا سر مبارک، بدن کے ساتھ دفن کیا گیا ہے،[1] اگرچہ بعض علما نے دفن ہونے کی تاریخ ذکر نہیں کی؛ جبکہ شیعہ و سنی علما کی ایک جماعت، مثلاً ابن شہر آشوب، ابو ریحان بیرونی، مستوفی ہروی، قرطبی، قزوینی، نُوَیری اور مناوی نے واضح طور پر کہا ہے کہ امام علیہ السلام کا سر مبارک بیس صفر کو بدن کے ساتھ دفن ہوا ہے۔ ان علمائے کرام کی گواہی کے مطابق امام سجاد اور اہل بیت علیہم السلام کے چہلم کے دن کربلا آنے کی تائید ہوتی ہے۔

خلاصہ

سابقہ بحث سے معلوم ہوا: اگرچہ اہل بیت علیہم السلام کا اربعین کے دن (یعنی بیس صفر اکسٹھ ہجری) کو سید الشہدا علیہ السلام کے مزار مبارک پر حاضر ہونا، تاریخ اور حدیث سے ثابت کرنا آسان نہیں ہے؛ لیکن اگر مختلف قرائن و شواہد کو مدنظر رکھا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ اُس دن اہل بیت علیہم السلام امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک پر تشریف لائے اور زیارت سے مشرف ہوئے۔

زیارتِ اربعین روایات کی نگاہ میں

زیارتِ اربعین کے مستحب ہونے کے بارے میں دو روایتیں موجود ہیں:

۱۔ امام صادق علیہ السلام نے صفوان بن مہران جمّال کو زیارت اربعین تعلیم دی جو اربعین کی عظمت کی علامت ہے۔[2]

۲۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے زیارت اربعین کو مومن کی ایک نشانی بیان کیا ہے۔

---

[1] مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۱۴۵۔

[2] شیخ طوسی، مصباح المتہجد، ص ۷۸۸، ۷۸۹؛ شیخ طوسی، تہذیب الاحکام، ج ۶، ص ۱۲۵؛ سید ابن طاووس، الاقبال بالاعمال الحسنہ، ج ۳، ص ۱۰۱ تا ۱۰۳؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۹۸، ص ۲۳۱، ۲۳۳۔

عَلَامَةُ الْمُؤْمِنِ خَمْسٌ: صَلَاةُ الْإِحْدٰى وَ الْخَمْسِيْنَ، زِيَارَةُ الْأَرْبَعِيْنَ،

مومن کی پانچ نشانیاں ہیں: اکیاون رکعت نماز، زیارت اربعین

وَ التَّخَتُّمُ بِالْيَمِيْنِ، وَ تَعْفِيْرُ الْجَبِيْنِ وَ الْجَهْرُ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔[1]

دائیں ہاتھ میں انگوٹھی، خاک پر سجدہ، بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا

---

[1]۔ شیخ مفید، المزار، ص ۵۳؛ شیخ طوسی، مصباح المتہجد، ص ۷۸۷، ۷۸۸؛ ابن فتال نیشابوری، روضۃ الواعظین، ص ۱۹۵؛ سید ابن طاووس، الاقبال بالاعمال الحسنہ، ج ۳، ص ۱۰۰۔

نویں فصل

امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کا فلسفہ

زمانہ گزرنے کے ساتھ یہ بات واضح طور پر معلوم ہوگئی ہے کہ امام حسینؑ اور اصحاب، کربلا کے کامیاب انسان تھے۔ اگرچہ انہوں نے کربلا میں اپنی جانیں قربان کر دی ہیں، لیکن اسلام کو دوبارہ زندگی بخشی ہے ؛ دنیاوالوں کو ظلم کا مقابلہ کرنا سکھایا ہے[1] اور خود بھی شہادت کے بلند درجہ پر فائز ہوئے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے دینداروں اور عدالت پسند لوگوں کی نگاہ میں بلند مقام حاصل کیا اور مومنین کے دلوں میں محبوب ٹھہرے۔

لیکن دوسری طرف، روز عاشورہ ساٹھ ہجری کو امام حسینؑ کا قیام، رشتہ داروں کے پاکیزہ خون، بچوں کی بے قراری، خواتین کے بے آسرا ہونے اور مصیبت اور مظلومیت کے ساتھ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس خونی قیام کے متعلق احادیث، ہمیشہ مسلم و غیر مسلم تمام انسانوں کے احساسات پر مؤثر واقع ہوئیں[2] اور تاریخ میں مختلف انداز سے عزاداری کی محافل منعقد کی گئیں؛ اور اس طرح چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی قیام حسینی کے آثار اور پیغامات زندہ ہیں۔

حالانکہ شروع سے لے کر اب تک مخالفین موجود رہے ہیں، جنہوں نے سید الشہداؑ کی عزاداری کا انکار کیا یا اس میں شکوک و شبہات ایجاد کیے۔ انہوں نے کبھی عزاداری سید الشہداؑ کے جواز کی نفی کی، تو کبھی اس کے سماجی فوائد پر اعتراضات کیے۔

آج کے دور میں سید الشہداؑ کی عزاداری کے متعلق شکوک وشبہات پر مبنی اعتراضات پائے جاتے ہیں؛ مثلاً:

[1] □ رجوع کری□: جناتی، فلسف□ قیام سید الشہدا و عزاداری آنحضرت، ص ۸۵□

[2] □ رجوع کری□: سید عبد الکریم □اشمی نژاد، و□ درس جو امام حسین ؑ ن□ انسانو□ کو سک□ای ا، ص ۴۴۸□

جس واقعہ کو کئی صدیاں گزر گئی ہیں، اس کے لیے گریہ و عزاداری کیوں کی جائے؟ کب تک گلی کوچوں اور بازاروں کو سیاہ پوش کیا جاتا رہے گا؟ اور کب تک سر و سینہ پیٹا جاتا رہے گا؟ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ واقعہ کربلا کی یاد، کانفرنسز اور سیمینارز وغیرہ کی شکل میں جدید طرز سے منائی جائے؟[1] اگر امام حسین علیہ السلام عاشورہ کے دن کامیاب ہوئے ہیں تو ان کے شیعہ اور ماننے والے، جشن کے بجائے کیوں ماتم کرتے؟

اس سلسلہ میں اس بات پر توجہ دینا ضروری ہے کہ اصل عزاداری، گریہ پر ہی مشتمل ہے اور معصومین علیہم السلام نے امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنے والوں کو اجرِ عظیم کی بشارت دی ہے۔ اب شبہات اور سوالات کے جواب میں عزاداری کی حقیقت اور اس کی وجہ واضح ہو جائے گی۔

امام حسین علیہ السلام کے لیے عزاداری کی حقیقت

عزا کا لغوی معنی "کسی چیز کے ہاتھ سے چلے جانے پر انسان کا صبر کرنا" ہے۔[2] اور یہی لفظ "زیادہ صبر کرنے"، "مصیبت میں صبر کرنا" اور "سوگ اور مصیبت" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔[3] عربی زبان میں " عزیتُ فلاناً" میں نے اسے تسلی دی اور "احسن اللہ عزاك" اللہ تعالیٰ تجھے صبر عطا فرمائے کے معنی میں ہے۔[4]

اس بنا پر عزاداری ایک ایسا کام ہے جو مصیبت زدہ شخص کو تسلی اور سکون دینے کے لیے انجام دیا جائے۔ یہ تسلی مختلف طریقوں سے دی جاتی ہے؛ مثلاً: مصیبت زدہ شخص کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا جاتا ہے، اس کے ساتھ مل کر گریہ کیا جاتا ہے، اس کے غم کو سنا جاتا ہے اور اس کے سامنے دوسروں کی مصیبت کا تذکرہ کیا جاتا ہے، بالخصوص بزرگان دین کے مصائب کو یاد کیا جاتا ہے۔ عام طور پر مختلف معاشروں میں اجتماعی عزاداری منائی جاتی ہے، جو مختلف مرحلوں میں ہوتی ہے، مثلاً: سوم، ہفتم، چہلم وغیرہ کی شکل میں؛

[1] رجوع کری□: عبد الکری‌م سلی‌می، فلسف□ عزاداری امام حسی‌ن ، ا□داف و□ثار قی‌ام امام حسی‌ن ، ص ۲۲۹□

[2] ابن منظور ، لسان العرب، ج۹، ص ۱۹۵، ۱۹۶□

[3] علی اکبر د□خدا، لغت نام□، ج۱۰، ص ۱۳۸۴؛ محمد معی‌ن، فر□نگ فارسی، ج۲، ص ۲۲۹۸□

[4] ابن منظور، لسان العرب، ج۹، ص ۱۹۵، ۱۹۶□

اور اس کے خاص آداب ہوتے ہیں اور یہ سارے کام مصیبت زدہ شخص کے لیے تسلی و تشفی میں بہت زیادہ مؤثر ہیں۔[1]

اس کے علاوہ فراموشی اور وقت کا گزرنا بھی غمزدہ شخص کا مداوا بنتے ہیں اور مصیبت کی وجہ سے آنے والے ذہنی دباؤ سے چھٹکارا دیتے ہیں۔[2] یہی وجہ ہے کہ آہستہ آہستہ عزاداری کے پروگرامز کم ہو جاتے ہیں، لیکن اس کی یاد منائی جاتی ہے۔ یہ مجالس مرنے والے کی یاد تازہ رکھنے میں واضح کردار ادا کرتی ہیں اسی لیے دینی، قومی اور اہل علم شخصیات کی یاد منانے کی رسم رائج ہے، اگرچہ ان کی موت کو سالہا سال بیت گئے ہوں۔

ابتدائی نظر میں معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کی عزاداری، مذکورہ بالا عزاداری کی محافل کی مانند ہے؛ لیکن حقیقت میں امام حسینؑ اتنی عظیم شخصیت ہیں اور آپ کا قیام اس اتنا غمزدہ ہے کہ آپ کی عزاداری کسی طرح سے بھی عام عزاداری کی محافل کی مانند نہیں ہو سکتی۔ عزاداری کی عام محفلیں، غم کے جذبات اور احساسات سے عام طور پر خالی ہوتی ہیں؛ جبکہ امام حسین کی عزاداری کی مجالس عزا میں شرکت کرنے والے، چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی اپنے آپ کو حقیقی مصیبت زدہ اور غمگین سمجھتے ہیں اور ان مجالس میں شریک ہو کر عزداری کے اصلی وارث حضرت امام زمانہؑ کو تسلی دیتے ہیں۔[3] ہمارے اس دعوے کا ایک گواہ یہ ہے کہ عزادار، امام حسینؑ کی مصیبت اور مظلومیت کو یاد کر کے گریہ وزاری کرتے ہیں اور کبھی نہایت بیتاب بھی ہو جاتے ہیں۔ البتہ اس حالت کا تعلق امام حسینؑ اور اہل بیتؑ کے ساتھ گہرے روحانی رابطے سے ہے۔ ہم آیندہ صفحات میں اس بارے میں تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

واضح ہے کہ یہ مجالسِ عزاداری، شرکت کرنے والوں کی تسلی کے علاوہ نام اور یادِ امام حسینؑ کو ہمیشہ زندہ رکھنے کا سبب بھی ہیں؛ بالخصوص جب یہ عزاداری اسلامی معاشرے میں میں نجی سطح پر ایک

---

[1] محمد کاویانی، روان شناسی عزاداری، تعالیم اخلاقی و عرفانی امام حسین ، ص ۳۴۶،۳۴۷
[2] سابق حوال، ص ۳۴۷
[3] ابن قولوی قمی، کامل الزیارات، ص ۳۲ ۵، ۳۲۶

سماجی رسم کے طور پر منائی جائے اور اس میں ہر عمر اور ہر پیشے کے لوگ شریک ہوں، تو قیامِ حسینی کے دروس اور مقاصد کو دل و جان سے حاصل کریں گے۔

اہل بیتؑ سے منقول روایات اس بات کو بیان کرتی ہیں کہ وہ خود بھی امام حسینؑ کی مظلومیت میں گریہ کرتے تھے اور اپنے اصحاب کو بھی گریہ کرنے کا حکم دیتے تھے اور انہیں امام حسینؑ پر گریہ کا عظیم اجر و ثواب بھی بتاتے تھے۔ ائمہؑ کی یہی رہنمائی تھی جس کی وجہ سے لوگوں میں گریہ کرنے کا شوق پیدا ہوتا تھا۔ اب دیکھتے ہیں کہ امام پر گریہ کرنے کی حقیقت کیا ہے؟

امام حسینؑ پر رونے کی حقیقت

امام حسینؑ پر گریہ کرنے کی حقیقت اور اس کے انداز سے آشنائی سے پہلے اس بات کی تحقیق کرنا ضروری ہے کہ گریہ کرنا کیسا عمل ہے اور اس کی کون سی اقسام ہیں۔

ہنسنے کی طرح رونا بھی انسان کے ساتھ مخصوص ایک شدید احساساتی کیفیت کا نام ہے۔ کم و بیش ہر انسان پر یہ حالت آتی ہے اور وہ دوسروں کو روتا دیکھ کر یہ سمجھ سکتا ہے کہ ہنسنے کی طرح رونا بھی ایک ایسی حالت ہے جو انسان کے احساسات کی شدید ترین حالت ہے۔[1]

تجربے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رونے کے ذریعہ اظہارِ غم کی وجہ سے انسان کی روح اس طرح معمولی حالت پر آجاتی ہے کہ اگر کوئی شخص گریہ نہ کرے یا نہ ہنسے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا مزاج نارمل حالت میں ہے۔ جو لوگ ہنسنے اور رونے کے ذریعہ اپنے غم اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں وہ جسمانی اور روحانی طور پر صحت مند ہوتے ہیں اور ان کی زندگی میں زیادہ تازگی پائی جاتی ہے۔ دوستوں کی مظلومیت اور مصیبت اور ان کی یاد، پاک طینت انسانوں کے جذبات کو ابھارتی ہے اور وہ اپنے دوستوں کی مظلومیت اور مصیبت پر گریہ کرتے ہیں۔[2]

---

[1] □ مرتضی مط□ری ، حماسد□ حسدینی، ج۳، ص ۹۴ □

[2] ۔ حکیمہ قاسمی، فلسفہ عزاداری یا اہمیت سوگواری، حماسہ عاشورہ، ص ۱۶۷۔

اس بناپر گریہ کرنا انسان کے لیے ایک نارمل اور فطری امر ہے۔ رونے کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہوتا ہے۔ ظاہر ایک جسمانی واقعہ ہے جس کا سرچشمہ روحانی تاثرات ہیں جو اندرونی یا بیرونی محرک کے ذریعہ مغز میں داخل ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مغز کا ایک خاص حصہ متحرک ہوتا ہے اور آنکھ کی اشکوں والی رگوں کو متحرک کرتا ہے اور بالآخر ایک ایسی حالت پیدا ہوتی ہے جسے ہم گریہ کہتے ہیں۔ پس گریہ کی حقیقت اندرونی اور احساساتی تاثرات ہوتے ہیں جو مختلف عوامل کے ذریعہ ظاہر ہوتے ہیں۔

گریہ کی تین اقسام ہیں:[1]

الف) انسان کا اپنی ذات اور متعلقہ امور کے ساتھ فطری رابطہ کی وجہ سے گریہ

یہ گریہ، یا جسمانی تکلیف کی وجہ سے ہوتا ہے جو زیادہ تر کمسن افراد میں پایا جاتا ہے، یا تلخ واقعات کے پیش آنے سے اٹھنے والے غم کی وجہ سے ہوتا ہے؛ مثال کے طور پر کسی رشتہ دار اور دوست کی موت یا ان کی جدائی کی وجہ سے، کسی پسندیدہ چیز کے کھو دینے کی وجہ سے، اہم ہدف میں کامیابی نہ ملنے پر یا کسی مقابلہ میں ناکامی پر۔ ان حالات میں گریہ کرنا، انسان کے جذبات ٹھنڈے کرنے کا باعث بنتا ہے اور انسان کو سکون مل جاتا ہے۔

اگر گریہ، سستی اور ارادے کی کمزوری کی وجہ سے ہو یا کسی اہم ہدف کے لیے نہ ہو تو یہ ذلت اور خواری ہے؛ لیکن اکثر ایسا نہیں ہوتا؛ مثلاً کسی عزیز کی جدائی پر رونا جس کے ساتھ اُنس اور محبت ہو اور اس کی اچھائی دیکھ چکا ہو تو یہ فطری امر ہے اور انسانی روح کے توازن کی علامت ہے۔

عزیزوں کے فراق میں پسماندگان کا گریہ، ایسا ہی ہ، جس کا باعث ان عزیزوں سے جدائی کا احساس ہے۔ یہ گریہ تمام لوگوں اور ہر معاشرے اور ہر منصب کے افراد میں پیش آتا ہے؛ جیسا کہ رسول اکرم علیہما السلام کے بارے میں بھی یہ حالات نقل ہوئے ہیں۔ آپ علیہما السلام نے سنہ ۹ نو ہجری کو اپنے بیٹے جناب ابراہیم کی وفات پر یوں گریہ کیا کہ اشک آپ کے رخسار پر جاری ہونے لگے اور جب لوگوں نے آپ علیہما السلام کو رونے

---

[1] رجوع کری: محمد کاویانی، روان شناسی عزاداری، تعالیم اخلاقی و عرفانی امام حسین علیہ السلام، ص ۳۵۲

سے منع کرنے کی کوشش کی تو آپ نے فرمایا: یہ اشک رحمت کی وجہ ہیں اور جو شخص رحم نہیں کھاتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔[1] ایک روایت کے مطابق آپ علیہ السلام نے فرمایا: آنکھ اشکبار اور دل غمگین ہو جاتا ہے، لیکن ہم بولتے نہیں کہ کہیں ناشکری نہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے۔[2]

رسول اکرم علیہ السلام کی دختر حضرت رقیہ کی رحلت کے موقعہ پر عمر بن خطاب نے عورتوں کو رونے سے منع کرنے کی کوشش کی، لیکن رسول خدا علیہ السلام نے انہیں روک دیا اور فرمایا: آنکھوں اور دل میں جو کچھ ہے وہ رحم کی وجہ سے ہے اور جو کچھ زبان اور ہاتھوں پر ظاہر ہو (مثلاً ناشکری کرنا، گریبان چاک کرنا، اپنے آپ کو طمانچے مارنا) وہ شیطانی کام ہے۔[3]

رسول اکرم علیہ السلام نے سنہ تین ہجری میں اپنے چچا حضرت حمزہ کی شہادت پر بھی گریہ کرتے ہوئے فرمایا: افسوس میرے چچا حمزہ پر گریہ کرنے والا کوئی نہیں، (اس جملے نے) دوسرے لوگوں کو بھی رونے پر مجبور کر دیا[4] اور آپ علیہ السلام بھی زار و قطار رونے لگے۔[5]

آپ علیہ السلام اپنے دیگر رشتہ داروں اور دوستوں کے داغ مفارقت پر بھی اشک بہاتے تھے۔[6] اسی وجہ سے مرنے والوں پر رونا مسلمانوں کے درمیان ایک ایسی سماجی رسم بن گئی ہے جس کی اسلام بھی تائید کرتا ہے

۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں گریہ کی ایک اور قسم بھی بیان کریں اور ممکن ہے اس گریہ کو انسان کی اپنے ساتھ اور اپنے جاننے والوں کے ساتھ محبت والی قسم کے ساتھ ملانا ممکن ہو؛ لیکن مصیبت و غم میں گریہ کرنے کے مقابلے میں گریہ کی یہ قسم شدید خوشی کے عالم میں انسان پر طاری ہوتی ہے اور اسے **"خوشی کے آنسو"** کہا جاتا ہے۔ یہ گریہ اس وقت طاری ہوتا ہے جب کوئی فراق کا زمانہ گزار لیتا ہے اور اپنی

---

[1] شیخ طوسی ، الامالی ، مجلس۱۳، ص ۳۸۸

[2] قزوینی، سنن ابن ماجہ، ج۱، ص ۵۰۶

[3] بیہقی، السنن الکبری، ج۴، ص ۷۰

[4] رجوع کریں: سابقہ حوالہ؛ احمد بن حنبل، مسند احمد، ج۲، ص ۸۴

[5] رجوع کریں: حلبی، السیرۃ الحلبیہ، ج۲، ص ۲۴۶

[6] محمد کاویانی، رواشناسی عزاداری، تعالیم اخلاقی و عرفانی امام حسین علیہ السلام ، ص ۳۳۹ تا ۳۴۱

مراد پانے سے ناامید ہونے کے بعد اپنی مراد پالیتا ہے۔"خوشی کے آنسو" احساسات کا خوبصورت جلوہ اور روح کی تسکین کا نام ہے۔[1] جب حضرت جعفر بن ابی طالب کئی سال حبشہ میں رہنے کے بعد مدینہ واپس آئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ ان کے استقبال کے لیے تشریف لے گئے اور ان کو دیکھ کر گریہ کیا۔[2]

ب) دوستی اور محبت کی وجہ سے گریہ

انسان فطری طور پر محبت اور دوستی رکھنے والا ہے جو دوسروں سے پیش آنے والے واقعات کی وجہ سے متأثر ہوتا ہے، یہاں تک کہ ان کے لیے گریہ بھی کرتا ہے۔ کوئی بھی انسان، سیلاب، زلزلہ، قحط اور اللہ کی طرف آنے والی ایسی مصیبتوں سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، جن کی وجہ سے کچھ لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے اور وہ مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسے واقعات کو دیکھ دوسرے لوگ بھی متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتے اور کبھی بے ساختہ ان کی آنکھیں پُرنم بھی ہو جاتی ہیں۔ یہ حالت اس بات کا باعث بنتی ہے کہ دوسرے لوگ مشکلات سے دچار افراد کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

مظلوم پر گریہ کرنا بھی ایک طرح سے محبت اور دوستی کا گریہ ہوتا ہے۔ انسان دلسوزی اور مہربانی کی وجہ سے اپنے ہم جنسوں پر ہونے والے مظالم سے متأثر ہوتا ہے اور ان کے لیے اشک بہاتا ہے، جس کی ایک واضح مثال امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنا ہے۔

ج) اعلیٰ مراتب کے لیے گریہ

کائنات کے الٰہی تصور میں انسان کا کمال، اللہ تعالیٰ کے قُرب میں ہے۔ اس تصورِ کائنات میں خاص تعلیمات بیان کی گئی ہیں جن میں گریہ کا خاص معنی اور مفہوم بیان کیا گیا ہے، مثلاً ان تعلیمات میں خوفِ

---

[1] رجوع کری: حکیم قاسمی، فلسف عزاداری یا اہمیت سوگواری، حماسہ عاشورا، ۱۶۹

[2] شیخ صدوق، عیون اخبار الرضا علیہ السلام، ج۲، ص ۲۳۱؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۲۱، ص ۲۴

خدا کی وجہ سے گریہ کرنا، قُربِ الٰہی[1] اور اس کی رحمت کے حصول کا سبب بتایا گیا ہے۔[2] اس بنا پر، مومنین اور زاہدین خضوع اور خشوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ جھکتے ہیں اور اپنی خطاؤں اور گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور اپنے اعمال کے مقابلے میں اپنے عاجز ہونے کو بیان کرتے ہیں اور اشک بہا کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے ہیں۔

اسی طرح کبھی کبھی فضیلت اور کمال پانے لیے گریہ کیا جاتا ہے۔[3] اس مقصد کے حصول کے تمنا رکھنے والے افراد دینی پیشواؤں اور اخلاق کے مربی اور معلمین جیسے بافضیلت اور باکمال انسانوں کے منور وجود سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے پیشواؤں کی جدائی ان لوگوں کے دلوں پر ایک گہرا داغ چھوڑ جاتی ہے؛ جیسا کہ رسول خدا علیہ السلام کی رحلت کے بعد حضرت ام ایمن[4] شدید گریہ کرتی تھیں۔ عمر بن خطاب نے ان سے پوچھا: آپ کیوں گریہ کرتی ہیں؟ کیا رسول خدا علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں نہیں ہیں؟ حضرت ام ایمن نے فرمایا: میں رسول خدا علیہ السلام کے جانے پر گریہ نہیں کر رہی، بلکہ میرا گریہ اس لیے ہے کہ آپ علیہ السلام کے جانے سے، ہم وحی اور آسمانی خبروں سے محروم ہوگئے ہیں۔[5]

---

[1]۔ امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: فیما ناجی بہ اللہ موسی ع علی الطور أن یا موسی أبلغ قومك إنه ما یتقرب إلى المتقربون بمثل البکاء من خشیتی (اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر حضرت موسی علیہ السلام سے فرمایا: اے موسی اپنی قوم کو میری یہ بات پہنچادو کہ گریہ کی طرح کوئی بھی متقربان کو میرے قریب نہیں لاتی۔) شیخ صدوق، ثواب الاعمال، ص ۱۷۲۔

[2]۔ امام سجاد علیہ السلام کی ایک مناجات کا جملہ ہے: عبرۃ من بکی من خوفك مرحومة۔ (اے اللہ! تیرے خوف رونے والی آنکھ تیری رحمت کے سائے میں ہے۔) شیخ طوسی، مصباح المتہجد، ص ۳۹۷۔

[3]۔ رجوع کریں: محمد کاویانی، روان شناسی عزاداری، تعالیم اخلاقی و عرفانی امام حسین، ص ۳۵۴، ۳۵۳۔

[4]۔ حضرت ام ایمن، رسول اکرم علیہما السلام کی کنیز تھیں۔ ان کے مقام و مرتبہ کا یہ عالم تھا کہ ان کے بارے میں رسول اکرم علیہما السلام نے فرمایا: میری والدہ ماجدہ کے بعد ام ایمن میری ماں ہیں (خلاصہ)۔ رجوع کریں: ابن سعد، الطبقات الکبری، ج ۸، ص ۱۷۹؛ ابن عبد البر، الاستیعاب، ج ۴، ص ۷۹۳؛ ابن اثیر، اسد الغابہ، ج ۶، ص ۳۰۳۔

[5]۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، ج ۳، ص ۲۱۲؛ بیہقی، دلائل النبوۃ، ج ۷، ص ۲۶۶؛ ابن اثیر، اسد الغابۃ، ج ۶، ص ۳۰۳۔

گریہ کی اقسام سے آشنائی کے بعد، یہ دیکھنا ضروری ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی مصیبت پر رونا، کس قسم کا گریہ ہے؟ سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ امام حسین علیہ السلام کی عزاداری قدیم عرصہ سے مختلف اوقات میں اور مختلف جگہوں پر ہوتی رہی ہے اور اس میں گریہ کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد موجود رہی ہے۔ چونکہ عزاداری میں شریک ہونے والے لوگ مختلف طرح کے ہوتے ہیں، لہٰذا اس بات کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہو گا کہ امام حسین علیہ السلام پر گریہ، کس قسم سے ہے۔

امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنے والوں میں سر فہرست حضرت امام سجاد علیہ السلام ہیں، جنہوں نے واقعہ کربلا کے مناظر اور اپنے بابا، بھائیوں اور اصحاب کی مظلومیت کو قریب سے دیکھا۔ ان کا گریہ، اپنے عزیزوں کی مظلومیت، اُن کے داغِ مفارقت اور سب سے بافضیلت، باکمال اور پاکیزہ انسانوں کی جدائی کی وجہ سے تھا۔

اس کے بعد ان لوگوں کا گریہ بھی اسی عقیدہ کے تناظر میں تھا، جو ائمہ علیہم السلام کی تائیدات اور امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنے کی فضیلت سے آشنائی کی وجہ سے مجلس عزا کا انعقاد کرتے اور آپ علیہ السلام کے مصائب اور مظلومیت کو یاد کر کے روتے تھے۔ امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنے اور آپ علیہ السلام کی مصیبت اور مظلومیت کو یاد کرنے کے اجر و ثواب کا عقیدہ عزاداری سید الشہدا منعقد کرنے میں ہمیشہ مؤثر رہا ہے، اور یہ گریہ عزاداروں کے جذبات اور امام حسین علیہ السلام اور اصحاب کے نام اور ان کی یاد کے درمیان ایک خاص تعلق قائم ہونے کا باعث بنا، جس کی وجہ سے صدیوں سے سب بوڑھے اور جوان اپنے اقربا کی طرح، ان شخصیات کی عزاداری مناتے ہیں، ان پر گریہ کرتے ہیں اور سر و سینے پر ماتم کرتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام اور شہدائے کربلا کی مظلومیت [1]، پاکیزہ قلوب کے احساسات جگانے کے لیے بہترین سبب ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے غیر شیعہ بلکہ غیر مسلم بھی عزاداری سید الشہدا منانے والوں کی صف میں شامل ہوئے۔ شہدائے کربلا کی مصیبت نے عزاداروں کے جگر چھلنی کر دیے اور آنکھوں کو اشک

---

[1]۔ حتیٰ کہ ابن تیمیہ بھی جو عزاداری امام حسین علیہ السلام کو بدعت کہتا ہے یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ: فلا ریب انه قتل مظلوماً شهيداً، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ (امام حسین) مظلومیت کے ساتھ شہید ہوئے ہیں (ابن تیمیہ، منہاج السنة النبویة، ج ۲، ص ۳۲۱، ۳۲۲)۔

بہانے پر مجبور کر دیا۔ کچھ عزاداروں کے وجود میں امام حسین علیہ السلام اور اصحاب کی محبت اس طرح راسخ ہو گئی ہے کہ ان شہدا کا نام سنتے ہیں ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں:

ترجمہ اشعار: جیسے پھول کی پتیوں سے خوشبو آتی ہے ویسے ہی تیرا نام سننے سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ ہمارے درمیان الفت و محبت کا رشتہ ہے، ورنہ کنویں کی تہہ سے تعلق کے بغیر بے حساب و کتاب پانی کب نکلتا ہے؟ جب تک دل نہ جلے اشک جاری نہیں ہوتے اور آنکھوں سے خون، آگ بن کر نکلے تو دل کباب بن کر باہر آتا ہے۔ اگر محبت نہیں تو دل کی کوئی قیمت نہیں، جب پھول سے عرق نکال لیا جائے تو وہ بے فائدہ برگ رہ جاتا ہے۔[1]

عزادوں کی غمگین آنکھیں محبت کی تجلی ہے، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں رکھ دی ہے۔ اشک، دل کی زبان اور عشق کے گواہ ہیں۔[2]

امام حسین علیہ السلام کے لیے گریہ اور عزاداری کیوں؟

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ عزادارانِ امام حسین علیہ السلام مجلس عزا میں شریک ہو کر اپنے آپ کو مصیبت زدہ اور داغدار سمجھتے ہیں، گریہ اور آہ و بکا کرتے ہیں؛ لیکن یہ غم، ان پر بہت اچھے معنوی اثرات چھوڑتا ہے۔ گریہ، عزاداروں کو روحانی اور معنوی سکون دیتا ہے اور ان کی باطنی پاکیزگی کا باعث بنتا ہے۔

بلاشک و شبہ، سید الشہدا علیہ السلام کی عزاداری میں شرکت کرنے والے افراد، خاص لذت اور قلبی آرام محسوس کرتے ہیں۔ جب وہ مظلوم کربلا کے غم میں ڈوب جاتے ہیں تو زندگی کے غموں کو بھلا دیتے ہیں۔ یہ ایسا غم ہے جس کا نتیجہ ایک تحریک ہے اور اس سے لوگوں کے سماجی عمل و کردار میں تبدیلی آتی ہے۔ یہ غم نہ صرف لوگوں کی معاشرتی زندگی میں بے نظمی ایجاد ہونے کا باعث نہیں، بلکہ بسا اوقات معاشرے کو

---

[1]۔ حبیب اللہ چایچیان، اے اشک بابر یزید، ص ۱۳۱۔

[2]۔ جواد محدثی، فرہنگ عاشورا، ص ۳۸۲۔

صحیح سمت و سو فراہم کرنے کا باعث بنتا اور زندگی میں نشاط پیدا کرتا ہے۔[1] یہی وجہ ہے کہ جو لوگ سید الشہدا کی عزاداری میں شرکت کرتے ہیں، وہ اس میں بار باراور ہمیشہ جانے سے کبھی نہیں اکتاتے؛ جبکہ اس کے علاوہ کوئی محفل اس خوبی کی حامل نہیں ہے۔

اب یہ سوچنا چاہیے کہ کیا وجہ ہے کہ عزادار، اپنی مرضی سے سید الشہدا علیہ السلام کی مجلس میں جاتے ہیں، سیاہ لباس پہنتے ہیں، سر اور سینے پر ماتم کرتے اور اشک بہاتے ہیں؟ اسی سوال کے جواب سے واضح ہو گا کہ امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کیوں منائی جاتی ہے اور ان پر گریہ کیوں کیا جاتا ہے؟

معلوم ہوتا ہے کہ اس سوال کا اہم ترین اور حتمی جواب، لوگوں کی امام حسین علیہ السلام کے ساتھ محبت میں چھپا ہے؛ کیونکہ جب تک انسان کے دل میں کسی کی محبت نہ ہو، اس وقت تک اس کی موت پر عزاداری اور گریہ بے معنی ہوتا ہے۔ یہ محبت جتنی زیادہ ہو گی، عزاداری بھی اتنا ہی زیادہ اور پائیدار ہوتی ہے۔ امام حسین علیہ السلام کا معاملہ بھی ایسے ہی ہے۔ آپ علیہ السلام کی محبت عزاداروں کے دلوں میں نقش ہے اور اس محبت نے انہیں ایسا شیدائی بنا دیا ہے کہ طعنہ دینے والے بے بصیرت لوگ ان کی اس حالت کو جنون کہتے ہیں۔ بہر حال عزادارانِ سید الشہدا علیہ السلام گہرے روحانی تعلق کی بنا پر ہر سال، پہلے سے زیادہ شان و شوکت کے ساتھ عزاداری مناتے ہیں اور یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے اس فرمان کی تجلی ہے:

إِنَّ لِقَتْلِ الْحُسَيْنِ حَرَارَةً فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لَا تَبْرُدُ أَبَداً[2]

حسین علیہ السلام کی شہادت کی وجہ سے مومنین کے دلوں میں ایسی حرارت ہے جو کبھی ٹھنڈی نہیں ہو گی۔

اس بنا پر عزاداری سید الشہدا علیہ السلام منانے کا اہم ترین سبب محبت ہے۔ البتہ مخفی نہ رہے کہ یہ مجالس صرف محبت اور جذبات کا اظہار نہیں ہیں بلکہ سید الشہدا علیہ السلام کی عزاداری، خطبا اور مرثیہ خوانوں کے لیے لوگوں کو امام حسین علیہ السلام، ان کی تحریک اور اسلامی تعلیمات سے آشنا کرنے کا ہمیشہ مناسب موقع فراہم

---

[1]۔ محمد کاویانی، روان شناسی عزاداری، تعالیم اخلاقی و عرفانی امام حسین علیہ السلام، ص ۳۵۰، ۳۵۱۔

[2]۔ نوری طبرسی، مستدرک الوسائل، ج ۱۰، ص ۳۱۸۔

کرتی ہے۔ لہٰذا ثقافت، سماج اور سیاست کے میدانوں میں، سید الشہدا علیہ السلام کی عزاداری کے بہت اہم فوائد اور اثرات موجود ہیں۔ بلاشک وشبہ، ان اثرات اور فوائد کی شناخت، اس بات کا باعث بنتی ہے کہ عزاداری امام حسین علیہ السلام اور آپ پر گریہ کرنے کے فلسفہ کو صحیح سمجھا جاسکے۔ لہٰذا ہم ذیل میں عزاداری سید الشہدا علیہ السلام اور آپ پر گریہ کرنے کے کچھ آثار وفوائد کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

الف) تحریک عاشورہ اور اس کے پیغامات کو زندہ رکھنا

امام حسین علیہ السلام پر گریہ اور عزاداری کے باعث، تحریک عاشورہ اور اس کے پیغامات ہمیشہ زندہ و جاوید رہے، اور اس کی تعلیمات تمام انسانوں تک پہنچیں۔ پوری انسانیت نے چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، اسی ذریعہ سے ظلم سے نجات، آزادی، شہادت کی تمنا، ایثار اور حق پرستی کا سبق سیکھا۔ اس بارے میں ایک مغربی مصنف کی بات قابل غور ہے جس نے کہا: اگر ہمارے مؤرخین اس دن کو پہچانتے اور یہ جان لیتے کہ عاشورہ کونسا دن ہے تو وہ عزاداری کو دیوانگی نہ کہتے، کیونکہ عزادارانِ حسینی جانتے ہیں کہ پستی، غلامی، استعمار اور مطلب پرستی کو تسلیم کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ان کے رہبر اور رہنما (امام حسین علیہ السلام) کا نعرہ یہ تھا کہ ظلم وستم کو قبول نہیں کرنا۔[1]

امام حسین علیہ السلام پر گریہ اور عزاداری، جہاں ایک احساساتی اور جذباتی عمل ہے، وہاں علم و آگاہی پر مبنی ایک ایسے بزرگ انسان کی یاد ہے جس نے دین کے احیاء اور عدالت کے نفاذ کے لیے مشکل ترین حالات میں شجاعت کے ساتھ قیام کیا اور ہر قسم کی مصیبت اور مظلومیت برداشت کی۔ یوں یہ عزاداری ،عزاداروں کو عظیم اور نیک ہستی کے ساتھ جوڑ دیتی ہے اور عزاداروں کے دل میں اس عظیم ہستی کے اہداف کو اور زیادہ مضبوط کر دیتی ہے۔

عزادار شخص، امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کے ذریعہ واضح اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ وہ امام حسین علیہ السلام کی تحریک اور ان کے اہداف کے ساتھ وفادار ہے اور میدان عمل میں بھی اپنی وفاداری ثابت کرتا ہے

[1]۔ رجوع کریں: سید عبد الکریم ہاشمی نژاد، وہ درس جو حسین علیہ السلام نے انسانوں کو سکھایا، ص ۴۵۱۔

۔ حقیقت یہ ہے کہ درسگاہِ عاشورہ میں رونا، شہیدوں کے خون کی حفاظت اور ستمگروں کے لیے قاطع تلوار ہے۔[1]

اس بارے میں امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جملہ بہت مشہور ہے: جب تک کسی مکتب میں سینہ زن اور گریہ کناں نہ ہوں، اس وقت تک اس مکتب کی حفاظت ممکن نہیں ہے۔[2] امام حسین علیہ السلام کی عزاداری میں گریہ کرنا گویا اس تحریک کو زندہ رکھنا ہے اور زندہ کا معنی یہ ہے کہ ایک چھوٹی سی جماعت ایک بہت بڑی سلطنت کے مقابلے میں کھڑی ہو... وہ (ظالم) اسی گریہ سے ڈرتے ہیں، کیونکہ یہ مظلوم پر گریہ ہے اور ظالم کے خلاف فریاد ہے۔[3]

ب) اسوہ حسنہ کا تعارف اور اس کے ساتھ محبت کا پیوند

سید الشہدا اور آپ کے اصحاب کی عزداری میں شرکت کی وجہ سے تمام عزادار، ان عظیم ہستیوں کی شخصیت اور روحانی عظمت سے واقف ہوتے ہیں اور انہیں کامل انسان پاتے ہیں جو پوری انسانیت کے لیے اسوہ حسنہ بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ اہم یہ ہے کہ عزادار، اُن کی مظلومیت اور مصیبت کی یاد میں بیٹھتے ہیں، گریہ کرتے ہیں اور سر و سینے پر ماتم کرتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی محبت کا رشتہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیمینارز، ہرگز مجالس عزا کی جگہ نہیں لے سکتے۔

اس بنا پر عزاداروں کا مجالس عزا میں آنا، ان کی محبت اور معرفت میں اضافہ کا باعث ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات بھی سبب ہے کہ عزادار، ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ ان کا کردار بھی ان لوگوں جیسا ہو جن کی یاد میں گریہ کر رہے ہیں۔ جب لوگ حضرت ابو الفضل العباس علمدار کی وفاداری اور حضرت حُر

---

[1] ۔ جواد محدثی، فرہنگ عاشورہ، ص ۳۸۲۔

[2] ۔ صحیفہ نور، ج۸، ص ۷۰۔

[3] ۔ صحیفہ نور، ج۱۰، ص ۳۱، ۳۲۔

بن یزید ریاحی کی آزادی کی یاد میں اشک بہائیں گے تو خود بخود کوشش کریں کہ وفادار اور آزاد انسان بنیں اور بزدلی سے دوری اختیار کریں۔[1]

دوسری جانب عزادارانِ حسینی، یزید اور یزیدیوں کو بھی پہچان لیتے ہیں اور ان کے دلوں میں یزید اور یزیدیت کی نفرت اپنی جگہ بنا لیتی ہے۔ لہٰذا امام حسینؑ کی عزاداری یقیناً تولّی اور تبرا سکھاتی ہے؛ بالخصوص جب عزادار، اپنے مولا کو یوں پکارتے ہیں:

اِنِّی سِلْم لِمَنْ سَالَمَکُمْ وَ حَرْب لِمَنْ حَارَبَکُمْ وَ وَلِیٌّ لِمَنْ وَالاکُمْ وَ عَدُوٌّ لِّمَنْ عَادَاکُمْ[2]

میں اس کے ساتھ صلح میں ہوں جو آپ کے ساتھ صلح کرے اور اس کے ساتھ جنگ میں ہوں جو آپ کے ساتھ جنگ کرے؛ آپ کے دوست کا دوست اور آپ کے دشمن کا دشمن ہوں۔

ج) دینی تعلیمات

مجالس عزا ایک مناسب موقع ہے جس میں خطباء اور واعظین، عزاداروں کو احکام، اخلاقی اور اعتقادی مسائل اور اسلامی تعلیمات سے آشنا کرتے ہیں؛ جیسا کہ امام حسینؑ کا اس خونی قیام میں اصل مقصد ہی دین اور احکامِ الٰہی کا اِحیا تھا۔

د) معاشرے میں روحانیت پیدا کرنا

ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں کہ انسان کو مجالس عزا میں شرکت سے ایک خاص سکون ملتا ہے۔ حقیقت میں یہ سکون مجالس عزا کے خاص ماحول کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ان مجالس میں جہاں اشک بہائے جاتے ہیں وہاں دین، حقیقت اور مظلومیت کو بھی بیان کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے روزمرہ کی زندگی سے تھکا ہوا

---

[1]۔ رجوع کریں: محمد کاویانی، روان شناسی عزاداری، تعالیم اخلاقی و عرفانی امام حسینؑ، ص ۳۵۴،۳۵۵۔

[2]۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، ص ۳۳۰۔

جسم، سکون محسوس کرتا ہے۔ بالآخر عزادار، مجالس عزا میں روحانی پاکیزگی، آرام، لطافت اور معنویت محسوس کرتے ہیں اور تزکیہ نفس کے درجات طے کرتے ہیں۔ البتہ ضروری ہے کہ مجلس عزا سے نکلنے کے بعد بھی ہر مومن اپنے اعمال کی حفاظت کرے تا کہ معنویت کے درجات سے محروم نہ ہو جائے۔

جو کچھ اوپر ذکر ہوا ہے یہ امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کے فوائد و آثار کے صرف چند اہم نمونے ہیں۔

ہم اس موضوع کا اختتام امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان سے کرتے ہیں:

ان روایتی مجالس اور مصائب کو زندہ رکھو؛ کیونکہ ہمیں جو برکات بھی ملتی ہیں، انہی کی وجہ سے ہیں۔ یہ کربلا کی برکات ہیں۔ کربلا اور سید الشہدا علیہ السلام کے نامِ مبارک کو زندہ رکھو؛ کیونکہ اس کے زندہ رہنے سے اسلام زندہ رہے گا۔[1]

سید الشہدا کے مصائب کی حفاظت، ان کے مکتب و مذہب کی حفاظت ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے مصائب نہ پڑھے جائیں، وہ بالکل نہیں جانتے کہ سید الشہدا علیہ السلام کا مکتب کیا ہے؟ ان مصائب اور گریہ نے، اس مکتب کی حفاظت کی ہوئی ہے۔[2]

---

[1] صحیفہ نور، ج۱۸، ص۲۲۔

[2] صحیفہ نور، ج۸، ص۶۹۔

دسویں فصل

عزاداری سید الشہدا علیہ السلام تاریخ کے آئینہ میں

عزاداری، عصرِ نبوی علیہما السلام سے شہادت امام حسین علیہ السلام تک

اسلام میں شہدائے کربلا کی عزاداری منانے کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرم علیہما السلام نے نہ صرف عزاداری کی تائید کی بلکہ خود بھی عزاداری منعقد کی ہے۔ جنگ اُحد کے بعد، جب پیغمبر اکرم علیہما السلام نے اپنے چچا حضرت حمزہ کے لاشے کو خاک وخون میں غلطاں دیکھا تو گریہ کرتے ہوئے فرمایا:

اے رسول خدا کے چچا! اے شیر خدا! اے شیر رسول خدا! اے حمزہ! اے نیک کام انجام دینے والے! اے غم واندوہ مٹانے والے، اے رسول خدا کے چہرے سے غم و اندوہ ختم کرنے والے! اے رسول خدا کا دفاع کرنے والے![1]

اس کے بعد پیغمبر علیہما السلام اپنے گھر جارہے تھے کہ محلہ بنی عبد الاشہل اور بنی ظَفَر سے آپ کا گزر ہوا۔ ان کی عورتیں اپنے شہدا پر گریہ کررہی تھیں۔ یہ سن کر پیغمبر اکرم علیہما السلام کے اشک جاری ہوگئے اور فرمایا: "لیکن حمزہ پر رونے والا کوئی نہیں"۔ قبیلہ بنی عبد الاشہل کے سردار سعد بن معاذ اور اُسید بن حُضیر کو خبر ملی تو انہوں اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ لباسِ عزا پہن کر حضرت حمزہ پر گریہ کریں۔ وہ گئیں اور مسجد نبوی کے قریب گریہ کرنے لگیں۔ پیغمبر اکرم علیہما السلام ان کی آواز سن کر باہر تشریف لائے اور فرمایا: "اللہ تم پر رحم کرے! تم واپس اپنے گھروں کو چلی جاؤ؛ اس مصیبت میں تم نے میرے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا ہے"۔[2]

اسی طرح حضرت جعفر طیار کی شہادت پر آپ علیہما السلام نے گریہ کیا اور ان کے خاندان کے لیے کھانا لانے کا حکم دیا۔[3] روایت کے مطابق آپ علیہما السلام جنگ موتہ کے شہدا کے لیے غمگین ہوئے۔[1]

---

[1]۔ حلبی، السیرۃ الحلبیہ، ج ۲، ص ۲۴۷، ۲۴۶۔

[2]۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۳، ص ۱۰۵، ۱۰۴۔

[3]۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۴، ص ۲۲۔

پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے موقع پر مدینہ کے لوگوں کے رونے کی آوازیں آسمان کو چھونے لگیں۔[۲] جناب عائشہ کا بیان ہے کہ جب پیغمبر اکرمؐ نے رحلت فرمائی تو میں بھی دوسری عورتوں کے ساتھ اپنے منہ پر ماتم کرنے لگی۔[۳]

امیر المومنین ؑ کی شہادت پر بیٹوں اور دوسرے لوگوں نے شدید گریہ کیا۔[۴] اسی طرح جب امام حسن مجتبیٰؑ شہید ہوئے تو آپ کے بھائی حضرت محمد بن حنفیہ نے مرثیہ خوانی کی۔[۵] امام حسینؑ نے بھی امام حسن مجتبیٰؑ کے بدن اطہر کو دفن کرنے کے بعد شدید گریہ کیا اور یہ اشعار پڑھے:

ترجمہ اشعار: اب کیسے سر پر تیل اور داڑھی پر عطر لگاؤں، جبکہ آپ کا سر اور بدن خاک آلود ہے۔[۶]

عزاداریِ امام حسینؑ کی ابتدا

عزاداری سید الشہداؑ کا آغاز اکسٹھ ہجری روز عاشورہ سے ہی ہو چکا تھا۔ اہل بیتؑ نے کربلا میں اپنے عزیزوں کے بکھرے ہوئے لاشے اور غمناک مناظر دیکھ کر دلخراش بین کیے اور اپنے پیاروں کو الوداع کیا۔ پھر یہی سلسلہ کوفہ، شام اور بالآخر مدینہ لوٹنے کے بعد تک جاری رہا۔

اس کے بعد ائمہ معصومینؑ نے ہر دور میں سید الشہداؑ کی عزاداری کی ترغیب دلائی اور اہل بیتؑ کے شیعوں اور محبوں نے اسے اپنے لیے ضروری سمجھا اور ہر سال سید الشہداؑ کی شہادت کے دن

---

[۱]۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ج ۲، ص ۱۳۰۔

[۲]۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ج ۲، ص ۳۱۲۔

[۳]۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۴، ص ۳۰۵۔

[۴]۔ ابن ابی الدنیا، مقتل الامام امیر المؤمنین علی بن ابی طالب، ص ۹۷؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج ۱۶، ص ۲۲؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۲، ص ۲۹۳۔

[۵]۔ مسعودی، مروج الذہب، ج ۳، ص ۷، ۶۔

[۶]۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۱، ص ۱۴۲؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۵۱۔

عزاداری کرتے رہے۔۔ایرانی شیعہ خاندان آل بویہ کے برسر اقتدار آنے سے عزاداری میں مزید وسعت پیدا ہوئی۔

عزاداریِ امام حسینؑ کے ادوار

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد، مجالسِ عزاداری کے سلسلہ کو دو ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ ائمہؑ کا زمانہ

۲۔ زمانہ غیبت

۱۔ ائمہ معصومینؑ کا زمانہ

ائمہ معصومینؑ کے زمانے میں اشعار کے قالب میں عزاداری کی محافل کا انعقاد کیا جاتا تھا۔ مرثیہ خوان مرثیہ پڑھتے اور سننے والے گریہ کرتے تھے۔اس دور کو مزید دو مراحل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

الف) ابتدا سے امام محمد باقرؑ کے زمانہ امامت تک

اس مرحلے میں عزاداری زیادہ وسیع اور مجالس و محافل کی شکل میں نہ تھی، بلکہ انفرادی طور پر منائی جاتی تھی۔ عزاداری کا یہ مرحلے پہلی صدی ہجری کے آخری عشرہ اور امام زین العابدینؑ کی شہادت تک جاری رہا۔ اس مرحلہ میں عزاداری کے چند نمونے پیش خدمت ہیں۔

کربلا اور کوف□ می□ عزاداری

پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ سب سے پہلے اہل بیتؑ اور بنی ہاشم نے عزاداری منائی اور سید الشہداؑ کی شہادت کے بعد، کربلا کے میدان ہی سے اس سلسلہ کا آغاز ہوا۔ جب گیارہ محرم الحرام کو عمر بن سعد کے حکم سے اہل بیتؑ کو خیام سے نکال کر کوفہ روانہ کیا جارہا تھا، توماؤں، بیویوں، بیٹیوں اور بہنوں نے

اپنے عزیزوں کے لاشوں سے الوداع کیا اور بالخصوص حضرت زینب کبریٰ علیہا السلام نے قتلگاہ میں دلخراش بین کیے، جس سے دوست و دشمن گریہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔[۱]

اس کے بعد اہل بیت علیہم السلام نے کوفہ میں ایسا گریہ کیا کہ کوفہ والے بھی یہ مناظر دیکھ کر بے ساختہ کر رونے لگے۔ اُس وقت امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: اگر یہ لوگ ہم پر گریہ کر رہے ہیں، تو ہمیں کس نے شہید کیا ہے ؟![۲]

جب کربلا کے اسیروں کا قافلہ کوفہ میں داخل ہوا، تو امام سجاد، زینب کبری، ام کلثوم اور فاطمہ کبریٰ سلام اللہ علیہم نے ایسے خطبات دیے کہ کوفہ، عزاخانہ بن گیا۔

شام می□ عزاداری

کوفہ سے شام کے راستے میں، اہل بیت علیہم السلام کے اسیر ہونے کی وجہ سے عزاداری کا موقع فراہم نہ ہو سکا؛ لیکن جب شام میں داخل ہوئے تو حضرت زینب علیہا السلام اور امام سجاد علیہ السلام کے خطبات نے ماحول بدل دیا اور وہاں کے حالات، یزید کے مخالف ہو گئے۔ جب اہل بیت علیہم السلام نے عزاداری منانے کے لیے یزید سے اجازت مانگی تو وہ اجازت دینے پر مجبور ہو گیا اور اس کے محل کے ایک گھر میں عزاداری کا انعقاد کیا گیا اور وہاں سات دنوں تک امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کے غم میں عزاداری جاری رہی، یہاں تک کہ آخری تین دنوں میں آل معاویہ کی خواتین بھی عزاداری میں شریک ہوئیں۔[۳]

---

[۱]۔ رجوع کریں: مقتل جامع سید الشہدا، ج۱، ص۸۹۹، ۹۰۰۔

[۲]۔ شیخ مفید، الامالی، ص۳۲۱؛ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج۲، ص۲۴۵؛ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۱۹۲۔

[۳]۔ محمد بن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، سال سوم، شمارہ ۱۰، ص ۱۹۲؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۶۲؛ عماد الدین طبری، کامل بہائی، ج۲، ص ۳۰۲؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۱۹۶۔

مدینہ میں پہلی عزاداری

امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد یزید نے مدینہ کے حاکم کو امام علیہ السلام کی شہادت کی خبر بھیجی۔ اس نے مدینہ میں اعلان کروا کر لوگوں کو اس قیامت خیز واقعہ کی خبر دی۔ اہل مدینہ اور بالخصوص خاندانِ بنی ہاشم کی خواتین نے ایسے سوز و گداز کے ساتھ آہ و بکا کی کہ ابھی تک کسی نہیں سنی تھی۔

اہل بیت علیہم السلام کی واپسی کے بعد مدینہ میں عزاداری

جب اہل بیت علیہم السلام کا کاروان شام سے واپس مدینہ پہنچا، تو یہ قافلہ امام سجاد علیہ السلام کے حکم سے مدینہ کے باہر رک گیا۔ امام سجاد علیہ السلام نے بشیر بن حَذلَم[1] کو حکم دیا کہ شعر پڑھ کر اہل مدینہ کو ہمارے آنے کی خبر دو۔ بشیر شہر میں داخل ہوا اور بلند آواز سے شعر پڑھے:

یا أهل یثرب لا مقام لکم بها — قتل الحسین فأدمعی مدرار

الجسم منه بکربلاء مضرّج — والرأس منه علی القناة یدار

اے اہل یثرب! اب تمہارا یہاں رہنا ممکن نہیں! حسین شہید ہو گئے ہیں اور میرے آنسو جاری ہیں۔ آپ علیہ السلام کا جسم کربلا میں خون میں غلطاں اور سر نیزے پر پھیرایا جارہا ہے۔

اس کے بعد بشیر نے اہل مدینہ کو بتایا کہ امام سجاد علیہ السلام مخدرات و عصمت کے ہمراہ مدینہ پہنچ گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی مدینہ کے لوگ استقبال کے لیے گئے، جبکہ ان کی خواتین سر اور چہرے پر ماتم کر رہی تھیں اور آہ و بکا کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ لوگوں کا اتنا ہجوم تھا کہ بشیر واپس امام سجاد علیہ السلام کی خدمت میں نہ پہنچ سکا۔

امام سجاد علیہ السلام نے خطبہ ارشاد فرمایا اور کربلا میں پیش آنے والے مصائب سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ یہ سن کر مدینہ ماتم کدہ بن گیا اور شہدائے کربلا کے گھروں کو دیکھ کر امام سجاد علیہ السلام کی آنکھیں بھی برسنے لگیں۔[2]

---

[1]۔ سید ابن طاووس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص۲۲۶، ۲۲۷؛ جواد شبّر، ادب الطف، ج۱، ص۶۴، ۶۵؛ سید محسن امین، اعیان الشیعہ، ج۳، ص۵۸۲۔

[2]۔ سید ابن طاووس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص۲۲۷ تا ۲۳۰۔

خاندان بنی ہاشم کی مستورات، قیامِ مختار تک سوگوار رہیں۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ ہمارے خاندان میں کسی خاتون نے اپنے بالوں میں کنگی کی، اور نہ مہندی لگائی، یہاں تک کہ مختار نے قاتلانِ حسینؑ کے سر اُن کے پاس بھیجے۔[1]

امام صادقؑ فرماتے ہیں:

> **امام زین العابدینؑ نے اپنے والد گرامی کی مصیبت پر چالیس سال گریہ کیا، آپ دن کو روزہ رکھتے اور رات کو عبادت کرتے تھے۔ جب افطار کا وقت ہوتا تو آپ کے غلام آپ کے لیے کھانا اور پانی لاتے اور عرض کرتے کہ تناول فرمایئے، تو آپ فرماتے تھے: رسول خداؐ کے فرزند بھوکے اور پیاسے شہید کر دیئے گئے ۔ آپ ہمیشہ یہی جملے دہراتے اور گریہ کرتے، یہاں تک کہ پانی اور کھانا آپ کے آنسوؤں سے تر ہو جاتا۔ آپ کی ہمیشہ یہی حالت ہوتی تھی۔[2]**

امام حسینؑ پر مرثیہ پڑھنے والے پہلے مرثیہ خوان

ہم ذیل میں ان چند افراد کے نام ذکر کرتے ہیں، جنہوں سب سے پہلے امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کی یاد میں مرثیہ خوانی کی۔

۱۔ **عُبید اللہ بن حُر جُعفی**[3]: بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے عُبید اللہ بن حُر جُعفی نے امام حسینؑ کی قبر مبارک پر یہ مرثیہ پڑھا:

---

[1]۔ ابن داوود حلی، رجال ابن داوود، ص ۲۷۷۔

[2]۔ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۲۳۳، ۲۳۴۔

[3]۔ عُبید اللہ بن حُر جعفی وہ شخص ہے جس کے ساتھ امام حسینؑ کی قصر بنی مقاتل پر ملاقات ہوئی۔ جب امامؑ اس منزل پر پہنچے تو ایک خیمہ دیکھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ عُبید اللہ بن حُر جعفی کا خیمہ ہے۔ آپ نے قاصد بھیجا۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس لیے کوفہ سے نکلا ہوں کہ حسین بن علی وہاں آئیں اور

یقول امیر غادر حق غادر	الا کنت قاتلت الشهید ابن فاطمه!
فیا ندمی الا أکون نصرته	الا کل نفس لا تسدد نادمه
و انی لانی لم أکن من حماته	لذو حسرة ما ان تفارق لازمه
سقی الله ارواح الذین تازروا	علی نصره سقیا من الغیث دائمة
وقفت علی أجداثهم و مجالهم	فکاد الحشا ینفض و العین ساجمه
لعمری لقد کانوا مصالیت فی الوغی	سراعا الی الهیجا حماة خضارمه
تأسوا علی نصر ابن بنت نبیهم	بأسیافهم آساد غیل ضراغمه
فان یقتلوا فکل نفس تقیه	علی الارض قد اضحت لذلك واجمه
و ما ان رای الراءون افضل منهم	لدی الموت سادات و زهرا قماقمه
اتقتلهم ظلما و ترجو ودادنا	فدع خطه لیست لنا بملائمه!
لعمری لقد راغمتمونا بقتلهم	فکم ناقم مناعلیکم و ناقمه
أهم مرارا ان اسیر بجحفل	الی فئه زاغت عن الحق ظالمه
فکفوا و الا ذدتکم فی کتائب	أشد علیکم من زحوف الدیالمة.[1]

خائن کا خیانت کار بیٹا، وہ امیر مجھ سے کہتا ہے: تو نے کیوں اس شہید، فرزند زہرا علیہا السلام کے ساتھ جنگ نہیں کی؟! ہاں! میں پشیمان ہوں کہ میں نے آپ کی نصرت کیوں نہیں

میں موجود نہ ہوں، وہ مجھے نہ دیکھیں اور میں ان کو نہ دیکھوں۔ قاصد نے واپس آکر امام حسین علیہ السلام کو بتایا۔ امام حسین علیہ السلام خود تشریف لے گئے۔ اس نے آپ کو بھی یہی جواب دیا۔

[1] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۶۹، ۴۷۰؛ ابو مخنف، وقعۃ الطف، ص۲۷۶، ۲۷۷؛ کامل سلمان جبوری، نُصوص من تاریخ ابی مخنف، ج۱، ص۵۰۶؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۳، ص۲۵۔

کی۔ہاں، جسے توفیق نہ ہو وہ پشیمان ہوتا ہے۔اس کے حامیوں کی صف میں نہ ہونے کی وجہ سے ایسی حسرت کر رہا ہوں جو کبھی مجھ سے جدا نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو اپنی رحمت سے سیر اب کرے، جنھوں نے آپ کی نصرت کے لیے کمر باندھی۔ اب میں ان کی قبور پر کھڑے ہو کر اشک بہارہاہوں اور عنقریب میرا جگر پارہ پارہ ہو جائے گا۔ مجھے اپنی جان کی قسم! وہ جنگ میں دلیر اور سبقت لینے والے تھے اوراس شیر (یعنی امام حسینؑ) کی حمایت کرنے والے تھے۔ اگرچہ وہ شہید ہو گئے ہیں، لیکن روئے زمین پر ہر متقی انسان ان کی موت پر غمناک اور حیران ہے۔ دیکھنے والے ہر گز ان سے افضل کسی کو نہیں پائیں گے، جو موت کے وقت سردار، سرفراز اور درخشاں تھے۔ (اے ابن زیاد!) تو ان کو ظلم و ستم کے ساتھ قتل کرتا ہے اور ہماری دوستی کی امید رکھتا ہے! تیرا یہ حربہ ہمارے ساتھ کارآمد نہیں۔ مجھے اپنی جان کی قسم! تونے انہیں قتل کر کے ہمیں غصہ دلایا ہے، پس بہت سے مرد اور عورتیں تجھ سے انتقام لینے کے لیے آمادہ ہیں۔ میں ہمیشہ اس فکر میں ہوں کہ اس ظالم گروہ کے ساتھ جنگ کروں، جو راہ حق سے منحرف ہو گئے ہیں۔ دستبردار ہو جاؤ، ورنہ میں جنگجوؤں کے ہمراہ دیلمیوں کے حملے سے بھی زیادہ شدید حملہ کروں گا۔

۲۔ سلیمان بن قتہؒ: بعض نے کہا ہے کہ اس نے سب سے پہلے امام حسینؑ اور اصحاب پر مرثیہ پڑھا۔ وہ واقعہ کربلا سے تین دن بعد کربلا گیا اور اپنے عربی گھوڑے کے ساتھ ٹیک لگا کر مرثیہ پڑھا[1] جبکہ شیخ مفید، خوارزمی اور سبط ابن جوزی نے کہا ہے کہ امام حسینؑ پر سب سے پہلے مرثیہ پڑھنے والا عُقبہ بن عمرو السہمی ہے۔[2]

---

[1]۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۱۱۰؛ سید محسن امین، اعیان الشیعہ، ج ۱، ص ۶۲۲۔

[2]۔ شیخ مفید، الامالی، ص ۳۲۴؛ سبط جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۲۷۰؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۱۵۲۔

۳۔ خالد بن معدان: یہ شام کے رہنے والا تھا۔ خالد بھی ان خوش قسمت افراد میں شامل ہے، جنہوں نے سب سے پہلے امام حسینؑ پر مرثیہ خوانی کی۔ جب اس نے امام حسینؑ کا سر نیزے پر دیکھا، تو لوگوں سے جدا ہو گیا۔ اس کے ساتھی ایک مہینہ بعد اسے ڈھونڈنے میں کامیاب ہوئے تو اس نے اپنے ساتھیوں کے سامنے یہ مرثیہ پڑھا:

جَاءُوا بِرَأْسِكَ يَا ابْنَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ — قَتَلُوا جِهَاراً عَامِدِينَ رَسُولاً

قَتَلُوكَ عَطْشَاناً وَلَمَّا يَرْقُبُوا — فِي قَتْلِكَ التَّأْوِيلَ وَالتَّنْزِيلَا

وَيُكَبِّرُونَ بِأَنْ قُتِلْتَ وَإِنَّمَا — قَتَلُوا بِكَ التَّكْبِيرَ وَالتَّهْلِيلَا[1]

اے محمدؐ کی بیٹی کے فرزند! تیرا خون آلود سر لے آئے ہیں، گویا انہوں نے جان بوجھ کر رسولؐ کو قتل کیا ہے۔ انہوں نے تجھے پیاسا قتل کیا ہے اور تیرے قتل میں نہ قرآن کی تاویل کا خیال رکھا اور نہ تنزیل کا۔ تجھے قتل کرنے کے لیے تکبیر کہتے ہیں، جبکہ انہوں نے تکبیر اور تہلیل کو ہی قتل کیا ہے۔

۴۔ ابو رمح خزاعی[2]: اس کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے سب سے پہلے امام حسینؑ کی خدمت میں نظرانہ عقیدت پیش کیا اور مرثیہ پڑھا۔[3]

۵۔ ابو محمد عبد السلام بن رغبان الکلبی دیک الجنؒ[4]: اس نے بھی دوسرے شعرا کی طرح امام حسینؑ کے غم میں مرثیہ پڑھا، جس کے چند اشعار بیان کیے جاتے ہیں:

---

[1] سید ابن طاووس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص ۲۱۰، ۲۱۱۔

[2] یہ صحابی رسول خداؐ مالک بن حنظل کا بیٹا تھا۔ ہمیشہ آل محمد کی زیارت کے لئے جاتا تھا اور ان کے لئے اشعار اور مرثیہ پڑھتا تھا۔ اس نے تقریباً ۱۰۰ ہجری میں وفات پائی۔

[3] ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۱۱۱۔

[4] دیک الجن ۱۶۱ ہجری قمری کو شام کے شہر حمص میں پیدا ہوا۔ شام میں پوری عمر گزاری۔ اس کا شمار شیعیان اہل بیت میں ہوتا تھا۔ اس نے امام حسینؑ کے غم میں بہت خوبصورت اشعار کہے ہیں۔ اس نے ۲۳۵ ہجری کو دار فانی سے دار جاودانی کی طرف رخت سفر باندھا۔

یا عین فی کربلا مقابر قد	ترکن قلبی مقابر الکرب
مقابر تحتھا منابر من	علم وحلم و منظر عجب
من البھالیل آل فاطمہ	اھل المعالی و السادۃ النجب
نفسی فداء و من لکم	نفسی و امتی و اسرتی و ابی[1]

اے آنکھ! کربلا میں وہ قبریں ہیں، جنہوں نے میرے دل کو غم و الم کا قبرستان بنا دیا ہے۔ وہ مقبرے ہیں، جن میں علم و حلم کے منبر اور خوبصورت مناظر موجود ہیں۔ وہ خاندان فاطمہؑ کے بے نظیر انسان جو سب صاحبِ عظمت، سیادت اور نجات ہیں۔

میری جان، خاندان اور میرے ماں باپ فدا ہوں تم پر، اور اُن پر جو تم میں سے ہوں۔

مذکورہ اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اشعار میں امام حسینؑ اور آپ کے ساتھیوں کی شہادت اور آل محمد کی مظلومیت کو نہایت مؤثر ادبیات میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ شعراء شعر کہنے میں بڑی حد تک احتیاط سے بھی کام لیتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ شعر میں توہین آمیز یا اہل بیتؑ کی شان کے منافی الفاظ نہ ہوں۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ عربی زبان میں مرثیہ کہنے کا رواج، واقعہ عاشورہ کے فوراً بعد شروع ہو گیا تھا؛ لیکن فارسی زبان میں سب سے پہلے چوتھی صدی ہجری کے ایرانی شیعہ شاعر حکیم ابوالحسن مجد الدین مروزی (تاریخ ولادت ۳۴۱ ہجری قمری) نے مرثیہ کہا؛ اور یہ سب سے پہلا شاعر تھا جس نے بارہ اماموں کی شان میں مدح سرائی کی۔

---

[1]. دیک الجن، دیوان دیک الجن، ص ۳۶،۳۵؛ جواد شبر، ادب الطف، ج ۱، ص ۲۸۴.

اموی اور عباسی دور حکومت میں مرثیہ خوان

اموی دور حکومت میں کٹھن حالات کی وجہ سے بہت کم شیعہ شعرا ایسے تھے، جو امام حسین علیہ السلام کے غم میں مرثیہ پڑھ سکتے تھے۔ اس دور میں زیادہ تر چھپ کر مرثیہ خوانی کی جاتی تھی۔ اسی طرح عباسی دور حکومت میں بھی حالات بہت سخت، بلکہ پہلے سے بھی بدتر تھے، اگرچہ بعض عباسی حکمرانوں کے دور میں شیعہ شعرا کو امام حسین علیہ السلام کی مصیبت پر بہت زیادہ شعر کہنے کا موقع ملا۔[1]

سید محسن الامین عاملی مرحوم نے پہلی تین صدیوں میں امام حسین علیہ السلام کے غم میں مرثیہ پڑھنے والے مندرجہ ذیل شعرا کے نام ذکر کیے ہیں:

عُقبہ بن عمرو سہمی، سلیمان بن قتہ، ابو رمح خزاعی، رباب بنت امرؤالقیس (امام حسین علیہ السلام کی زوجہ محترمہ)، بشیر بن حذلم، ام لقمان بنت عقیل، فضل بن عباس بن عُتبہ بن ابی لہب، ابو دَہبل جُمَحی، خالد بن مِعدان، عبید اللہ بن حُر جعفی، جعفر بن عفان طائی، منصور نمری، دِعبل خُزاعی، حسین بن ضحاک اور قاسم بن یوسف کاتب۔[2]

ب) امام باقر علیہ السلام کے زمانے سے غیبتِ کبریٰ کے آغاز تک

امام باقر اور امام صادق علیہما السلام کے دورِ امامت میں اموی حکومت کے زوال کے بعد عباسی حکومت کا آغاز ہوا۔ اس فرصت میں عزاداری سید الشہدا علیہ السلام ایک سالانہ مذہبی تہوار بن گئی۔ امام صادق علیہ السلام کے زمانے میں کوفہ اور گردونواح کے لوگ امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لیے کربلا جاتے اور قرآن، مصائب، نوحہ اور مرثیہ خوانی کرتے تھے۔[3]

البتہ بنی عباس کا اقتدار مضبوط ہونے کے بعد ان کی شدید شیعہ دشمنی کی وجہ سے عزاداری کا سلسلہ وسعت پانے سے رک گیا۔ متوکل عباسی نے عزاداری کا مقابلہ کرنے کے لیے ۲۳۶ ہجری میں امام

---

[1] رجوع کریں: ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۱۲۲؛ ابو الفرج اصفہانی، کتاب الاغانی، ج ۱۷، ص ۱۳۱۔

[2] سید محسن امین عاملی، اعیان الشیعہ، ج ۱، ص ۶۲۲، ۶۲۳۔

[3] ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، ص ۵۳۸، ۵۳۹۔

حسین علیہ السلام کی قبر مبارک کو نہ صرف ویران کیا، بلکہ اس کے نشانات مٹانے کے لیے کربلا کی سرزمین میں پانی چھوڑ دیا، ہل چلادیے اور کھیتی باڑی شروع کروا دی۔ یوں اس نے سید الشہدا علیہ السلام کی زیارت کو مکمل طور پر ممنوع قرار دیا؛[1] لیکن اس کی موت کے کچھ عرصہ بعد عزاداروں کو آزادی مل گئی۔

بعض عباسی خلفا نہ صرف اہل تشیع کو عزاداری منانے منع نہیں کرتے تھے، بلکہ بغداد میں ان کی حمایت بھی کرتے تھے۔ چنانچہ چوتھی صدی ہجری میں محمد بر بہاری حنبلی کی رہبری میں بعض شیعہ مخالف گروہ، عزاداروں کے راستے میں کمین لگا کر بیٹھتے اور گزرنے والے عزاداروں پر ظلم و ستم کرتے تھے۔ خلیفہ عباسی راضی باللہ نے ان کو خط لکھ کر اس کام سے منع کیا اور ان کے بُرے کام گنواتے ہوئے کہا: نیک لوگوں کو بُرا بھلا کہنا، شیعیان اہل بیت علیہم السلام کو کافر اور گمراہ کہنا، ان کو تکلیف پہنچانے کے لیے تمہارا کمین لگانا،... پیشواؤں کی قبور کی زیارت کے بارے میں بد گوئی کرنا، زائرین کی سرزنش کرنا اور ان کو بدعتی کہنا، تمہارے غلط کام ہیں۔[2]

اس دور میں عزاداری کی وسعت کے اسباب

ائمہ معصومین علیہم السلام کے زمانے میں عزاداری کی وسعت اور پھیلاؤ کے اہم ترین اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ائمہ معصومین علیہم السلام کا عزاداری منانا

ائمہ معصومین علیہم السلام ہمیشہ اپنے جد امجد کے غم میں گریہ کرتے اور محرم الحرام میں خود سید الشہدا علیہ السلام کی عزاداری مناتے تھے۔ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۹، ص۱۸۵۔

[2]۔ ابن مسکویہ رازی، تجاربُ الامم، ج۵، ص ۴۱۴؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۵، ص۱۷۸۔

جب محرم کا مہینہ آتا تو کوئی میرے بابا کو خوش نہ دیکھتا۔ آپ ہمیشہ غم کی حالت میں رہتے یہاں تک کہ دس دن گزر جاتے اور روز عاشورہ آجاتا۔ یہ دن آپ کے لیے مصیبت اور غم کا دن ہوتا تھا اور آپ فرماتے تھے: آج وہ دن ہے جب حسین علیہ السلام کو شہید کیا گیا۔[1]

امام باقر اور امام صادق علیہما السلام کے گھر میں مجلس عزا منعقد ہوتی اور ان کی موجودگی میں ذاکرین اور شعرا مرثیہ پڑھتے تھے۔

عظیم المرتبہ شیعہ شاعر کمیت بن زید اسدی، امام باقر علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ آیا اور کہا: میں نے آپ کے خاندان کی شان میں چند شعر کہے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: پڑھو۔ کمیت نے امام حسین علیہ السلام کا مرثیہ پڑھنا شروع کیا۔ امام باقر اور امام صادق علیہما السلام گریہ کرنے لگے۔ پردہ کے پیچھے سے ایک کنیز کے رونے کی آواز آئی۔ کمیت نے مزید اشعار پڑھے۔ آخر میں امام علیہ السلام نے اس کے حق میں دعا کی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اے اللہ! کمیت کے گذشتہ اور آئندہ گناہ معاف فرما۔[2]

سب سے زیادہ عزاداری امام صادق علیہ السلام کے زمانے میں رائج ہوئی۔ حضرت کا گھر امام حسین علیہ السلام کے غم میں نوحہ اور مرثیہ خوانی کرنے والے بڑے بڑے شعرا اور مرثیہ خوانوں کی آمد و رفت کا مرکز تھا۔ کمیت اسدی، سفیان بن مصعب عبدی، ابوہارون مکفوف، فضیل رسان اور ابو عمارہ جیسے بزرگ شعرا اور مرثیہ خوان امام صادق علیہ السلام کے گھر میں نوحہ خوانی کرتے تھے۔[3]

اسی طرح امام رضا علیہ السلام بھی پورے عشرہ محرم میں محزون اور غمگین رہتے۔ مجلس عزا اور مرثیہ خوانی کا اہتمام فرماتے اور شعرا اور مرثیہ خوانوں کو غم حسین علیہ السلام میں اشعار پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔ اگر محفل میں کوئی شاعر نہ ہوتا تو خود اپنے جد امجد کے مصائب بیان فرماتے اور لوگوں کو رُلاتے تھے۔ امام رضا علیہ السلام نے دِعبل خُزاعی کو آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: مرحبا دِعبل! مرحبا، اے شخص جو ہاتھ اور زبان سے ہماری

---

[1] ۔ شیخ حُر عاملی، وسائل الشیعہ، ج۱۰، ص۳۹۴۔

[2] ۔ خزاز قمی، کفایۃ الاثر فی النص علی الائمہ الاثنی عشر، ص۲۴۹؛ عبد الحسین امینی، الغدیر، ج۲، ص۲۰۲۔

[3] ۔ عبد الحسین امینی، الغدیر، ج۲، ص۲۰۲، ۲۳۵، ۲۹۴، ۲۹۵؛ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، ص۲۰۸ تا ۲۱۰۔

نصرت کرتے ہو! پھر اسے اپنے قریب بٹھایا اور اسے امام حسینؑ کے مصائب میں شعر پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ہمارے اور اہل حرم کے درمیان پردہ لٹکایا جائے اور خواتین کو حکم دیا کہ پردہ کے پیچھے بیٹھ کر اپنے جد امجد کی مصیبت پر گریہ کریں۔ دِعبل کو حکم دیا کہ حسین پر مرثیہ پڑھو۔ جب تک زندہ رہو، ہمارے مددگار اور ہماری مدح کرتے رہو۔ جب تک ہو سکے ہماری نصرت سے کوتاہی نہ کرنا۔[1]

اگرچہ امام رضاؑ کے بعد باقی ائمہ معصومینؑ کو امام حسینؑ کی عزاداری منانے کا موقع میسر نہ آیا، لیکن اس کے باوجود شیعوں کے درمیان مجلس عزا کا سلسلہ آہستہ آہستہ وسیع ہوتا گیا۔

۲۔ ائمہ معصومینؑ کا، عزاداری کی ترغیب دلانا

ائمہ معصومینؑ مختلف انداز سے اپنے شیعوں کو امام حسینؑ کی عزاداری منانے کی ترغیب دلاتے تھے؛ کبھی امام حسینؑ کے غم میں رونے کا ثواب بتاتے تو کبھی شعر کہنے اور پڑھنے کی فضیلت کی طرف اشارہ فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ شیعوں کو اپنے گھروں میں صف عزا بچھانے کا حکم دیتے اور عاشورہ کے دن کام کاج سے منع فرماتے تھے۔ امام باقرؑ فرماتے ہیں:

> **اس دن شیعوں کو چاہیے کہ ایک دوسرے سے ملاقات کریں اور حسینؑ کی مصیبت میں ایک دوسرے کو تعزیت اور تسلیت پیش کریں... اگر ممکن ہو تو اس دن کام کاج کے لیے نہ جائیں اور اپنے گھر کے لیے کوئی چیز ذخیرہ نہ کریں۔**[2]

ائمہ معصومینؑ کے زمانے میں عزاداری کی خصوصیات

ائمہ معصومینؑ کے دور میں عزاداری کو دو پہلوؤں سے دیکھا جا سکتا ہے:

---

[1]۔ ابو الفرج اصفہانی، کتاب الاغانی، ج ۲۰، ص ۱۴۸؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۱۲۹ تا ۱۳۱؛ محمد باقر موسوی خوانساری، روضات الجنات، ج ۳، ص ۳۱۷؛ جواد شُبّر، ادب الطف، ج ۱، ص ۲۹۷۔

[2]۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، باب ۷۱، ص ۳۲۵، ۳۲۶۔

۱ ۔ عزاداری کی جگہ

امام صادق علیہ السلام کے زمانے میں شیعہ، نیمہ شعبان(۱۵شعبان) کو امام حسین علیہ السلام کی قبر مطہر پر علی الاعلان عزاداری مناتے تھے؛[1] لیکن پھر شیعوں کی حفاظت کے پیش نظر امام علیہ السلام کی رہنمائی پر شیعہ علاقوں میں شیعوں کے گھروں میں مجلس عزا کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

۲ ۔ عزاداری کا انداز

ائمہ معصومین علیہم السلام کے زمانے میں عزاداری، مرثیہ خوانی اور رونے رلانے تک محدود تھی۔ اس دور میں دو طرح کے مرثیہ خوان تھے؛ ایک وہ جو خود شاعر بھی تھے اور مرثیہ بھی پڑھتے تھے اور دوسرے خود شاعر نہیں تھے، لیکن دیگر شعرا کے مرثیے پڑھتے تھے اور انہیں مُنشِد کہا جاتا تھا، جیسے فضیل رسان اور ابو ہارون مکفوف جو امام صادق علیہ السلام کے گھر میں سید حِمیری کے مرثیے پڑھتے تھے۔[2]

شعرا کے علاوہ کچھ قصہ گو افراد بھی تھے، جو قصے کی شکل میں امام حسین علیہ السلام کا مرثیہ پڑھتے تھے۔ ابتدائی صدیوں میں خطابت، وعظ و نصیحت اور اشعار کی طرح قصہ گوئی بھی رائج تھی۔ اس لیے اس انداز سے بھی امام حسین علیہ السلام کا غم منایا جاتا، لوگ نیمہ شعبان کو کربلا میں امام حسین علیہ السلام کی قبر مطہر کے پاس جا کر آپ کی شہادت کا قصہ سناتے تھے۔[3]

۲۔ زمانہ غیبت

اگرچہ زمانہ غیبت میں ہمیشہ ایک جیسے حالات نہیں رہے، لیکن اس کے باوجود شیعہ نشین علاقوں میں مجالس عزا میں وسعت آئی۔ آل بویہ اور اس کے بعد ایران میں صفویوں کی حکومت میں عزاداری اپنے عروج پر تھی۔

---

[1] ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، ص۵۳۹۔

[2] امینی، الغدیر، ج۲، ص۲۳۵۔

[3] ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، ص۵۳۷تا۵۳۹۔

الف) آل بویہ کے دور حکومت میں عزاداری

چوتھی صدی ہجری میں یمن میں زیدیوں، شمالِ عراق میں حمدانیوں، مصر میں فاطمیوں اور ایران و عراق میں آل بویہ کی شیعہ حکومتیں بر سر اقتدار آئیں جس سے شیعہ مذہب پھیلا اور عزاداری کو تقویت ملی۔ اس صدی میں حکومتِ آل بویہ کی حمایت کے نتیجے میں پہلی مرتبہ علی الاعلان اور عمومی طور پر گلی کوچوں میں عزاداری منائی گئی۔ چنانچہ مؤرخین نے سنہ ۳۵۲ہجری کے واقعات کے ضمن میں عاشورہ کے دن شیعوں کے عزاداری منانے کے بارے میں بھی لکھا ہے؛ مثلاً ابن جوزی کہتے ہیں: سنہ ۳۵۲ہجری میں عاشورہ کے دن بازار بند ہو گئے، خرید و فروش رک گئی، قصابوں نے گوسفند ذبح نہ کیے، نانبائیوں نے حلیم نہ پکائی، لوگوں نے پانی نہ پیا، بازار میں خیمے لگائے گئے، مجلس عزا منعقد کی گئی، عورتیں اپنے سر اور چہرے پر ماتم اور امام حسینؑ پر گریہ کرتی تھیں۔[1]

یافعی نے کہا ہے: سنہ ۳۵۲ہجری میں (روزِ عاشورہ) پہلا دن تھا جب شہدائے کربلا کی عزاداری منائی گئی۔

مصر میں فاطمی حکمرانوں نے بھی آل بویہ کی طرح عمومی طور پر امام حسینؑ کی عزاداری منائی۔

اس کے بعد شیعوں میں عزاداری اتنی پھیلی کہ ایک اہم ترین شعائر میں تبدیل ہو گئی۔ اس بارے میں چوتھی صدی کے مؤرخ ابوریحان بیرونی کہتے ہیں: شیعہ، روزِ عاشورہ نوحہ پڑھتے اور گریہ کرتے ہیں۔ یہ مجالس مدینۃ السلام (یعنی بغداد)، دوسرے شہر اور ممالک میں بھی منعقد کی جاتی ہیں۔[2] آل بویہ کی حکومت کے زوال اور سلجوقیوں کے بر سر اقتدار آنے سے عزاداری دوبارہ مشکلات کا شکار ہو گئی۔

---

[1] ابن جوزی، المنتظم فی تاریخ الامم، ج۱۴، ص ۱۵۰۔

[2] ابوریحان بیرونی، الآثار الباقیۃ عن القرون الخالیۃ، ص ۳۲۹۔

۱۔ مرثیہ اور اشعار پڑھنا

شعر اور مرثیہ خوانی جو کہ عزاداری کا سب سے قدیمی انداز تھا، آل بویہ کے زمانے میں سب زیادہ پھیلا اور بہت زیادہ شعرا نے سید الشہدا کی یاد میں مرثیہ خوانی کی۔ تاریخی قرائن و شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ تیسری صدی کے اختتام اور چوتھی صدی ہجری کی پہلی پانچ دہائیوں میں نوحہ اور شعر خوانی رائج تھی۔ اس فن میں مہارت رکھنے والوں کو نائح (یعنی نوحہ خوان) اور مُنشِد (یعنی اشعار پڑھنے والے) کہا جاتا تھا۔ یہ افراد امام حسین علیہ السلام کے حرم مطہر اور دوسری مجالس میں نوحہ خوانی کرتے تھے۔ ان میں سے چند شعرا کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ علی بن اصدق حائری: یہ چوتھی صدی ہجری کے نوحہ خوان ہیں۔

۲۔ خِلب: بغداد میں ایک خاتون تھی جس کا نام خِلب تھا۔ خِلب نوحہ خوانی کی ماہر تھی۔ اس زمانے میں حنابلہ کی شدید مخالفت کی وجہ سے گھروں میں چھپ کر یا حکومت کی اجازت سے عزاداری منائی جاتی تھی۔ بالآخر حنابلہ کے رہنما **بربہاری** کے حکم سے خِلب کو قتل کر دیا گیا تھا۔

۳۔ ذَرّہ: یہ بھی بغداد کی نوحہ خوان عورتوں میں شمار ہوتی تھیں۔

۴۔ احمد مُزَوَّق: یاقوت حموی کے مطابق مزوق چوتھی صدی ہجری میں بغداد میں نوحہ خوانی کرتا تھا۔[1]

۵۔ عبد العزیز شطر نجی: یاقوت حموی کی روایت کے مطابق اسی زمانے میں عبد العزیز شطر نجی کا شمار بغداد کے نوحہ خوانوں میں ہوتا تھا۔[2]

چوتھی صدی ہجری میں مصر پر فاطمیوں کی حکومت کے زمانے میں بھی کچھ افراد موجود تھے، جو نوحہ اور شعر خوانی میں مہارت رکھتے تھے۔

---

[1]۔ یاقوت حموی، معجم الادباء، ج۱۳، ص۲۹۳، ۲۹۲۔

[2]۔ یاقوت حموی، معجم الادباء، ج۱۳، ص۲۹۴، ۲۹۳۔

۲ مقتل خوانی

اس صدی میں اشعار کے علاوہ نثر میں بھی شہدائے کربلا کی مظلومیت کو بیان کر کے مرثیہ خوانی کی جاتی تھی، جسے مقتل خوانی کہا جاتا ہے۔ اس طرح خطیب حضرات عاشورہ کے دن امام حسینؑ کے مصائب پڑھتے تھے۔ مرثیہ خوانی کا یہ انداز اہل سنت علما کے ہاں بھی رائج تھا۔

۳ ماتمی دستے اور عزاداری

آل بویہ کی حکمرانی کے دور میں عزاداری منانے کا ایک اور انداز ماتمی دستے تھے۔ معزالدولہ کے حکم سے دکانیں اور کاروبار بند کر دیے جاتے تھے ،لوگ بغداد میں چہرے پر ماتم کرتے، اپنے بال کھول دیتے، سر و سینہ پیٹتے اور غم انگیز اشعار پڑھتے تھے۔[1] شیعہ مل کر غمگین حالت میں رہتے، اپنے سر اور چہرے پر مٹی لگاتے تھے۔ اپنے لیے کھانا بنانے سے پرہیز کرتے تھے۔

ب) غزنوی سے صفوی دورِ حکومت کے آغاز تک عزاداری

یہ دورِ حکومت پانچ سے زیادہ صدیوں پر مشتمل ہے، جو غزنوی دور حکومت سے لے کر تیموری دور حکومت کے اختتام تک کو شامل ہے۔ اس دور میں عزنوی، سلجوقی، خوارزمشاہی، مغل، ایلخانان اور تیموری حکومتیں برسر اقتدار آئیں۔

غزنوی حکومت(۳۶۶ سے ۵۸۲ ہجری قمری) آل بویہ کے زمانہ حکومت میں دنیائے اسلام کے مشرقی خطے میں وجود میں آئی اور انہوں نے دنیائے اسلام پر دو سو سال سے زیادہ حکومت کی۔ غزنوی بادشاہ اہل سنت مذہب سے تعلق رکھتے تھے اور اپنے مسلک پر شدت سے پابند اور تمام شیعہ فرقوں(امامی، زیدی، اسماعیلی) کے شدید مخالف تھے۔ شیعہ مذہب کی مخالفت، عباسی خلیفہ القادر باللہ کی سختی اور اس کی پشت پناہی میں حنابلہ کے اصول کا احیا، مذہبِ اہل بیتؑ کے رشد میں شدید رکاوٹ تھا،[2] لیکن سلطان

---

[1]۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۵، ص ۳۳۱۔

[2]۔ رسول جعفریان، تاریخ ایران اسلامی از طلوع طاہریان تا غروب خوارزمشاہیان، دفتر دوم، ص ۲۲۸، ۲۳۱۔

محمود غزنوی کی موت کے بعد اس شدت میں کچھ کمی آئی اور مذہب تشیع اور بالخصوص عزاداری سید الشہدا کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔

سلجوقی دورِ حکومت(۴۳۱ سے ۵۹۰ ہجری قمری) میں بھی غزنویوں کی طرح، شیعوں کو مذہبی رسومات منانے کی اجازت نہ تھی۔[1] اس کے باوجود شیعہ اور اہل سنت مل کر عزاداری مناتے تھے۔ حنفی اور شافعی مذہب کے لوگ بھی شیعوں کی طرح عزاداری اور جناب عثمان اور حضرت علی علیہ السلام کے لیے مقتل خوانی کرتے تھے۔

اس کے علاوہ مختلف علاقوں میں بہت سے مذاہب کے علمانے چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں امام حسین علیہ السلام اور واقعہ کربلا پر کتابیں لکھیں۔ ان میں سے بعض اہم کتب کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱۔ روضۃ الواعظین، محمد بن فتال نیشابوری(۵۰۸ ہجری)

۲۔ اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ، فضل بن حسن طبرسی(۵۴۸ ہجری)

۳۔ مقتل الحسین، ابو المؤید موفق بن احمد خوارزمی(۵۶۸ ہجری)

۴۔ ترجمۃ ریحانۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ الامام الحسین علیہ السلام (کتاب تاریخ دمشق الکبیر سے اقتباس)، ابن عساکر دمشقی(۵۷۱ ہجری)

۵۔ مناقب آل ابی طالب، ابن شہر آشوب(۵۸۸ ہجری)

۶۔ مثیر الاحزان، ابن نما حلی(۶۴۵ ہجری)

۷۔ الحدائق الوردیہ فی مناقب الائمۃ الزیدیہ، حمید بن احمد بن محمد محلّی(۶۵۲ ہجری)

۸۔ تذکرۃ الخواص من الامۃ بذکر خصائص الائمۃ، یوسف بن قِزعلی بغدادی المعروف سبط ابن جوزی(۶۵۴ ہجری)

۹۔ دُرر السِمط فی خبر السِبط، محمد بن عبد اللہ قضاعی المعروف ابن ابار بلنسی(۶۵۸ ہجری)

۱۰۔ ترجمۃ الامام الحسین، کمال الدین عمر بن احمد بن ابی جرادہ حلبی المعروف ابن عدیم(۶۶۰ ہجری)

---

[1] خواجہ نظام الملک طوسی، سیاست نامہ، ص۱۹۹، ۲۰۰؛ ذبیح اللہ صفا، تاریخ ادبیات در ایران، ج۲، ص ۱۸۲۔

۱۱۔ الملہوف علی قتلی الطفوف، سید ابن طاووس (۶۶۴ ہجری)

۱۲۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ، علی بن عیسی اِربلی (۶۹۲ ہجری)

۱۳۔ الکامل البہائی فی السقیفہ، حسن بن علی طبری المعروف عماد الدین طبری (۷۰۱ ہجری تک زندہ تھے)

اس زمانے میں فارسی شاعروں میں بھی فارسی مرثیے پڑھنے کا رواج پیدا ہوا۔ اسی طرح چھٹی سے آٹھویں ہجری تک مغلوں کے حملے کے بعد بھی فارسی شعرا نے امام حسینؑ اور شہدائے کربلا کے غم میں شعر کہے۔ ان شاعروں میں سے شمس طبسی، کمال الدین اصفہانی، مولانا جلال الدین محمد بلخی، سیف فرغانی، اوحدی مراغہ ای اصفہانی، خواجوی کرمانی، ابن یمین فریُومدی اور سلمان ساوجی قابل ذکر ہیں۔

آٹھویں صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری تک تیموریوں کی حکومت میں اسلامی تمدن پر تیمور اور اس سلسلہ کے دوسرے سلاطین نے غلبہ پایا۔ اگرچہ تیموری بادشاہ حنفی مسلک سے تعلق رکھتے تھے، لیکن سیاسی مقاصد کے پیشِ نظر اہل تشیع اور خاندانِ علیؑ کے ساتھ دوستانہ رویہ اختیار کرتے اور ان کے مسائل کو اہمیت دیتے تھے۔ تیمور نے "**نسل یزید سے خون حسینؑ کا انتقام**" کا نعرہ لگا کر دمشق کو فتح کیا اور بغداد کو فتح کرنے کے بعد کاظمین اور نجف اشرف میں ائمہ معصومینؑ کی زیارت بھی کی؛ جبکہ اس سے پہلے امام رضاؑ کے مزار مقدس کی زیارت بھی کر چکا تھا۔ شیعوں کی بھی کوشش تھی کہ اس کے ساتھ پیمانِ دوستی برقرار رکھیں۔[1] جب محرم الحرام کا چاند نظر آتا تو نہ صرف عام لوگ تیموریوں کے دارالخلافہ ہرات میں مجالس عزا کا اہتمام کرتے، بلکہ شہزادے بھی مجالس عزا منعقد کرتے تھے۔[2]

ج) صفوی دور حکومت میں عزاداری

صفوی دور حکومت میں سید الشہدا حضرت امام حسینؑ کی عزاداری ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔ صفوی بادشاہ نہ صرف شیعہ اور خاندانِ پیغمبرؐ کے ساتھ محبت رکھنے والے تھے، بلکہ انہوں نے شیعہ

---

[1] ۔ کامل مصطفی شیبی، تشیع و تصوف تا آغاز سدہ دوازدہم ہجری، ص ۱۵۹ تا ۱۶۲۔

[2] ۔ معین الدین محمد زمچی اسفزاری، روضات الجنات فی اوصاف مدینہ ہرات، ج ۱، ص ۱۷۲۔

مذہب کی ترویج اور ترقی میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ اس زمانے میں تشیع اپنے کمال تک پہنچی۔ صفوی بادشاہ، شاعروں کو اپنی تعریف کرنے سے روکتے اور اہل بیت علیہم السلام کے مناقب اور امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت بیان کرنے کی ترغیب دلاتے تھے۔[1] شاہ عباس صفوی نے مشہور شاعر "شانی تکلو" کو امام علی علیہ السلام کی شان میں قصیدہ پڑھنے پر، انعام کے طور پر اس کے وزن کے برابر سونا دیا۔[2]

صفوی دورِ حکومت میں عزاداری کا پھیلاؤ اور انداز

عزاداری کا پھیلاؤ

اس دور میں محرم، صفر اور رمضان المبارک کے مہینوں میں عزاداری رائج ہوئی، جبکہ اس سے پہلے ایران میں روز عاشورہ کے علاوہ عزاداری کا سراغ نہیں ملتا تھا۔ شاہ عباس کی جانب سے عشرہ محرم، شب عاشورہ، روز عاشورہ اور اکیس ماہ رمضان کو مختلف شہروں میں ماتمی دستوں وغیرہ کا اہتمام کیا جاتا تھا۔[3] شاہ عباس نے جنگ کی حالت میں بھی عزاداری منائی، مثلاً سنہ ۱۰۱۳ ہجری قمری محرم کے مہینے میں شاہ عباس نے عثمانی ترکوں کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ شب عاشورہ کو اس کے لشکر سے عزاداری کی ایسی صدا بلند ہوئی کہ دشمن کو خطرہ لاحق ہو گیا کہ ان پر رات کے وقت اچانک حملہ ہو گیا ہے، لہٰذا وہ شاہ عباس کے سامنے تسلیم ہو گئے۔[4] ہندوستان میں مغلوں کی حکومت، صفوی حکومت سے متاثر تھی اور جب صفویوں کی حمایت سے بابر برسر اقتدار آیا تو شیعہ اور اہل سنت مل کر عزاداری مناتے تھے۔[5]

---

[1]۔ ملاحظہ ہو: اسکندر بیک منشی، تاریخ عالم آرای عباسی، ج ۱، ص ۲۷۷۔

[2]۔ یحیی آرین پور، از صبا تا نیما، ج ۱، ص ۱۲؛ حسن گل محمدی، عاشورا و شعر فارسی، ص ۱۴۔

[3]۔ نصر اللہ فلسفی، زندگانی شاہ عباس اول، ج ۳، ص ۶۔

[4]۔ نصر اللہ فلسفی، زندگانی شاہ عباس اول، ج ۳، ص ۱۰۔

[5]۔ Holister John Norman، تشیع در ہند، ص ۱۴۳، ۲۰۲۔

عزاداری کا انداز

ایران میں صفوی دورِ حکومت میں نہ صرف عزاداری پھیلی، بلکہ عزاداری کے انداز اور شکل و صورت میں بھی تبدیلیاں آئیں۔ ذیل میں اس کے مختلف انداز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱ روضہ خوانی (مصائب خوانی)

روضہ اور روضہ خوانی (مصائب، مصائب پڑھنے) کا عنوان سب سے پہلے صفوی دور حکومت میں رائج ہوا۔ اس سے پہلے یہ اصطلاح موجود نہ تھی۔ اس زمانے میں مصائب پڑھنے کا رواج اتنا عام ہوا کہ مصائب خوانوں نے مرثیہ خوانوں، منقبت خوانوں، مقتل خوانوں اور واعظین کی جگہ لے لی۔ اس کے بعد یہ سب فنون، مجالس میں ایک ساتھ ہوتے تھے، ایک ہی مجلس میں مرثیہ اور نثر ملا کر پڑھتے اور لوگ گریہ کرتے تھے۔

۲ ماتمی دستہ

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ آل بویہ کے دور حکومت میں ماتمی دستوں کا رواج پیدا ہوا اور صفوی زمانے میں بھی عزاداری کا یہ انداز باقی رہا، بلکہ اس میں مزید اضافہ بھی ہوا۔ لوگوں میں غم کی کیفیت بڑھانے کے لیے مجالس میں طبل، سنج (موسیقی کا ایک ساز)، بگل، الغوزہ، شیپور (بگل) اور جنگی آلات کا استعمال کیا جانے لگا۔[1]

۳ تعزیہ و شبیہ

صفوی حکومت کے زمانے میں عزاداری کا ایک انداز تعزیہ اور شبیہ بنانا تھا۔ چنانچہ پیٹر واپنے سفر نامے میں لکھتا ہے:

> دس محرم، شہادت کے دن اصفہان کے گرد و نواح اور تمام محلوں سے بڑے بڑے دستے نکلتے تھے، انہوں نے پرچم اور علم اٹھائے ہوتے تھے، گھوڑوں پر مختلف اسلحے اور متعدد عمامے رکھے ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے ساتھ کچھ اونٹ بھی ہوتے تھے،

---

[1] Pietro Della Valle، سفر نامہ پیترو دلاوالہ، ص ۱۲۴۔

جن پر ڈبے رکھے ہوتے تھے اور ہر ڈبے میں تین چار بچے ہوتے تھے، جو حسینؑ کے اسیر بچوں کی علامت تھے۔ ہر ماتمی دستہ تابوت اٹھاتا، جس کے ارد گرد سیاہ رنگ کا مخملی کپڑا لپیٹا جاتا تھا اور ان کے اوپر ایک سبز رنگ کا عمامہ ہوتا تھا اور ایک تلوار بھی لٹکائی جاتی تھی۔[1]

صفویوں کے بعد نادر شاہ، سب سے پہلا بادشاہ تھا جس نے عزاداری کو روکنے کی کوشش کی، لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوا۔ اس کے بعد رضا خان پہلوی نے بھی عزاداری پر پابندی لگائی، لیکن یہ پابندی بھی زیادہ دیر تک نہ رہ سکی۔

د) قاجاری دور میں عزاداری کی خصوصیات (۱۷۹۴تا۱۹۲۵ء)

۱ عوامی سطح پر عزاداری

قاجاری دورِ حکومت میں بھی عزاداری کی پہلی رونق باقی رہی اور عزاداری مکمل طوپر عام ہوگئی اور اس طرح عوام میں رائج ہوئی کہ عام لوگ، پورے محرم اور صفر میں، بڑے شہروں اور گلی کوچوں میں قالین بچھا کر، خیمے اور علم لگاکر عزاداری مناتے تھے۔ ہر شخص اور ہر صنف کے لوگ اپنا مذہبی فریضہ سمجھ کر عزاداری میں ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔[2]

۲ عزاداری می خواتین کی شرکت

اس زمانے میں عزاداری کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ خواتین بڑے پیمانے پر عزاداری میں شرکت کرتی تھیں۔ عزاداری سید الشہدا میں عورتوں کے شرکت کرنے کا اندازہ مہدی قلی خان ہدایت کے اس جملے سے لگایا جاسکتا ہے:

---

[1]۔ Pietro Della Valle، سفر نامہ پیترو دلاوالہ، ص۱۲۵۔

[2]۔ ناصر نجمی، دار الخلافہ تہران، ص۳۴۸۔

امام بارگاہ کے ہال عورتوں سے بھر جاتے تھے۔ تقریباً چھ ہزار عورتیں ہوتی تھیں۔ عورتوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے مرد نہیں آسکتے تھے۔[1]

۳۔ عزاداری کا عشرہ محرم تک محدود نہ ہونا

صفویوں کی طرح قاجاریہ دور حکومت میں بھی ایامِ عزاداری میں وسعت پائی جاتی تھی۔ عزاداری، صرف محرم اور صفر کے ایک یا دو عشروں تک محدود نہ تھی[2] بلکہ تہران کے بعض مقامات پر محرم اور صفر کے پورے دو مہینے، مجالس عزا منعقد کی جاتی تھیں۔[3] لوگ وبائی امراض سے نجات پانے کے لیے مجلس عزا منعقد کرتے تھے۔[4]

۴۔ حکومتی عہدہ داروں کی مجلس عزا میں شرکت

اس دور میں حکومتی عہدہ دار بھی مجلس عزا کا اہتمام کرتے تھے؛ مثلاً ناصر الدین شاہ کا وزیر اعتماد السلطنہ اپنے گھر میں مجلس عزا منعقد کرنے کے بارے میں کہتا ہے: میں جس چیز کو اپنے لیے دنیا اور آخرت کی نجات کا سبب سمجھتا ہوں، وہ خامس آلِ عبا سید الشہداؑ کی خدمت ہے۔[5]

۵۔ چالیس منبر اور چالیس شمع

چالیس یا اکتالیس منبر کی رسم، قاجاریہ دور میں رائج تھی۔ لوگ منت مانتے تھے کہ شبِ عاشورہ یا شامِ غریباں کو چالیس منبر کے نیچے چالیس شمع روشن کریں گے۔ چنانچہ عبد اللہ مستوفی لکھتا ہے:

شب عاشورہ ایک جماعت کو دیکھا کہ ننگے پاؤں، شمعوں کا ایک تھیلا بغل میں لیے ان امام بارگاہوں میں جاتے جہاں دن کو مجلس ہوتی تھی اور اپنی منت پوری کرتے تھے اور وہ منت اکتالیس منبر کے پاس اکتالیس شمع روشن کرنے کی ہوتی تھی۔[1]

---

[1]۔ مہدی قلی ہدایت، خاطرات و خطرات، ص ۸۸۔

[2]۔ بشری دلریش، زن در دورہ قاجار، ص ۳۷، ۴۷؛ عبد اللہ مستوفی، شرح زندگانی من، ج۱، ص ۲۷۷ تا ۲۸۶۔

[3]۔ ناصر نجمی، دار الخلافہ تہران، ص ۳۴۸۔

[4]۔ قہرمان میرزا عین السلطنہ، روزنامہ خاطرات عین السلطنہ، ج۱، ص ۴۸۲ تا ۴۸۴۔

[5]۔ محمد حسن اعتماد السلطنہ، روزنامہ خاطرات اعتماد السلطنہ، ص ۲۶۴۔

۶ □ ب□تر (۷۲)مجلسی □

عین السلطنہ نے بہتر (۷۲) منبر (مجلسوں) کا تذکرہ کیا ہے؛ لیکن عزاداری کی اس رسم کے دور اور انداز کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ شاید ۷۲ منبر سے مراد، ایک ہی مجلس میں ۷۲ تقریریں ہوں جو ۷۲ شہدائے کربلا کی یاد میں انجام پاتی ہوں۔

۷ □ شام غریبا □

شام غریباں کی رسم قاجاریہ دورِ حکومت میں شروع ہوئی۔ گیارہ محرم الحرام کی رات غروب کے بعد مجلس کا اہتمام کیا جاتا تھا جس میں بہت کم چراغ روشن کیے جاتے تھے۔ اس میں مصائب خوان کی ضرورت نہ تھی، بلکہ مختلف شہروں سے ماتمی دستے آتے اور نوحہ خوانی کرتے تھے...۔[2]

عزاداری میں پھیلاؤ

قاجاریہ دورِ حکومت میں عزاداری بہت زیادہ پھیل گئی۔ اس دور میں کثرت سے امام بار گاہیں بنائی گئیں۔ معاشرے کے فقیر شخص سے لے کر بادشاہ تک، امام بار گاہ بناتے اور عزاداری میں شرکت کرتے تھے۔

اس دور کی ایک اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ ماتمی دستوں میں اضافہ ہوا۔ یہ بالکل عوامی دستے تھے جن میں حکومت کی کوئی مدد یا مداخلت نہ ہوتی تھی۔ یہ دستے کبھی کبھی حکومتوں کی سختی اور شدت کے باوجود بھی اپنی عزاداری جاری رکھتے تھے۔ قارجاریہ دور کے تشکیل دیئے ہوئے بعض ماتمی دستے ابھی تک بھی ایران میں موجود ہیں اور سید الشہدا کی عزاداری منارہے ہیں۔[3]

---

[1]۔ عبد اللہ مستوفی، شرح زندگانی من با تاریخ اجتماعی واداری دورہ قاجاریہ، ج۱، ص ۳۰۲۔

[2]۔ عبد اللہ مستوفی، شرح زندگانی من با تاریخ اجتماعی واداری دورہ قاجاریہ، ج۳، ص ۳۶۰۔

[3]۔ موسی فقیہ حقانی، ہیئت ہای مذہبی بہ روایت تصویر، فصلنامہ تصصی تاریخ معاصر، شمارہ نمبر ۲۸، ص ۲۸۴ تا ۳۰۴۔

تعزیہ اور شبیہ بنانے کا رواج بھی اسی دور کی مذہبی رسومات میں شامل ہے۔ راستوں اور چوراہوں میں واقعہ کربلا کے مناظر کی عملی نمائش کی جاتی تھی[1]۔ بعد میں اس کو شبیہ کہا جانے لگا۔ عام طور پر پہلے ایک روضہ خوان (مصائب خوان) کتاب سے دیکھ کر مصائب پڑھتا، پھر تعزیہ کی رسم ادا کی جاتی تھی۔

عزاداری منانے میں علما کا کردار

اگرچہ ماتمی جلوس اور ماتمی دستے کو عزاداری میں ایک خاص اہمیت حاصل تھی، لیکن اکثر مساجد اور امام بارگاہوں میں تقریریں ہوتیں اور تفصیل کے ساتھ امام حسین علیہ السلام کے مصائب پڑھے جاتے تھے۔[2] یہ مجالس، نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد منعقد کی جاتی تھیں۔[3] بہت سے واعظین پورے ملک میں جاتے اور وعظ و نصیحت کے ساتھ ساتھ امام حسین علیہ السلام کے مصائب بھی بیان کرتے تھے، ان میں سرفہرست ملا آقا دربندی ہیں۔ ان کے علاوہ حاجی مرزا احمد اصفہانی، حاج ملا احمد واعظ خوانساری، سید اسماعیل واعظ بہبہانی، ملا اسماعیل واعظ سبزواری، شیخ جعفر شوشتری اور سید قاسم کے نام قابل ذکر ہیں۔[4]

ھ) پہلوی دور حکومت اور عزاداری

ایران میں عزاداری سید الشہدا کے لیے سب سے زیادہ تاریک دور، پہلوی خاندان کے دو بادشاہوں کا دورِ حکومت تھا۔ پہلوی حکومت کی کوشش تھی کہ ایران میں ایرانی ثقافت کو نابود اور مغربی ثقافت کو رائج کیا جائے۔ چنانچہ ایرانی ثقافت کے اہم حصے، یعنی امام حسین علیہ السلام کی مجالسِ عزا کو تبدیل کرنا بھی ایک ہدف تھا۔

۱۔ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا کی مکمل پرفارمنس کی جاتی تھی جیسا کہ آج بھی ایران میں ہے۔ امام حسین علیہ السلام اور دشمن کا لشکر، قیدی، طبل بجانا وغیرہ یعنی واقعہ کربلا کی مکمل تصویر کشی کی جاتی ہے۔

۲۔ کارلا سرنا، سفرنامہ کارلا سرنا، ص ۱۸۷۔

۳۔ موسی فقیہ حقانی، ہیئت ہای مذہبی بہ روایت تصویر، فصلنامہ تخصصی تاریخ معاصر، شمارہ نمبر ۲۸، ص ۲۸۱۔

۴۔ محسن حسام مظاہری، گزارشی اجمالی از عزاداری حسین در دوران قاجار، فرہنگ اندیشہ، سال پنجم، شمارہ نمبر ۸۵، ص ۱۱۷۔

عزاداری ک□ خلاف استعمار کی سازشی□

پہلوی دور میں ایک قرارداد بنام "قرارداد ۱۹۱۹" پاس کی گئی، جس کے مطابق ایران کا فوجی اور اقتصادی نظام انگریز کے ہاتھ میں دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ محرم الحرام سنہ ۱۳۳۸ ہجری قمری کو ایرانی عوام اور علما اس قرارداد کے خلاف سراپا احتجاج ہو گئے۔ مساجد کو سیاہ پوش کیا گیا اور عام لوگوں کو اس قرارداد کے خلاف قیام کرنے کا جذبہ دلایا گیا۔[1] بالآخر یہ قرارداد مسترد کر دی گئی۔ اس شکست کے بعد ۲۲ فروری ۱۹۲۰ء کو ایران میں مارشل لاء لگا دیا گیا، جس کے اہداف پارلیمنٹ کے نمائندہ حسن اعظام قدسی نے ایک انگریز کونسلیٹ کے ساتھ ملاقات میں نے یوں بیان کیے:

> **قرارداد ۱۹۱۹ کی ناکامی کے بعد نائب السلطنہ کی جانب سے چند نکات ذکر کیے گئے جن کا اجراء ایران کے مستقبل کے لیے ضروری ہے:**
>
> **مذہبی علما کا خاتمہ اور ان کو اپنے اعمال اور کردار کے ذریعہ ایرانی معاشرے میں کمزور کرنا۔ عزاداری کا خاتمہ، کیونکہ یہ برطانوی استعمار کی سیاست کو خراب کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے۔**[2]

رضا خان کا مارشل لاء اور دی‌نداری کا مظا□ر

استعمار نے اپنے اہداف حاصل کرنے کے لیے رضا خان کا انتخاب کیا اور رضا خان نے استعمار کی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے اسقدر دینداری کا دکھلاوا کیا کہ لوگوں نے سمجھا کہ وہ اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے ماہ رمضان میں لوگوں کو روزے رکھنے اور حکومتی اور فوجی اہلکاروں کو مذہبی فرائض کی ادائیگی کا حکم دیا اور شرعی قوانین کی مکمل پابندی کے لیے نگران معین کیے۔[3] حکومت کے نام جاری کردہ اعلامیہ میں اس نے علما کی تعظیم و تکریم کی، اپنے آپ کو علما کا مطیع اور اسلامی حکومت کا

---

[1]۔ مجلہ آیندہ، سال چہارم، شمارہ نمبر ۹ تا ۱۲؛ موسی فقیہ حقانی، محرم از نگاہ تاریخ و تصویر، فصلنامہ تخصصی تاریخ معاصر ایران، سال ششم، شمارہ نمبر ۲۲، ۲۱، ص ۵۲۲۔

[2]۔ حسن اعظام قدسی، خاطرات من یا تاریخ صد سالہ ایران، ج ۲، ص ۱۵، ۱۶؛ موسی فقیہ حقانی، محرم از نگاہ تاریخ و تصویر، فصلنامہ تخصصی تاریخ معاصر ایران، سال ششم، شمارہ نمبر ۲۱، ۲۲، ص ۵۲۲، ۵۲۳۔

[3]۔ داوود امینی، چالش ہای روحانیت با رضا شاہ، ص ۷۸۔

طرفدار ظاہر کیا اور کہا کہ میری ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ اسلام روز بروز ترقی کرے اور علما کا احترام محفوظ رہے۔[1]

عزاداری کے ذریعے عوام کو دھوکہ

رضاخان اس بات سے بخوبی آگاہ تھا کہ دینداری کا دکھلاوا کرنے کے لیے مجالس عزا میں شرکت کرنا ضروری ہے، لیکن علمائے کرام اس کی چالاکی سے واقف تھے۔ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ، جو رضاخان کے کارناموں کے عینی شاہد تھے، فرماتے ہیں:

> **میں، رضاخان کے مارشل لاء سے اب تک تمام مسائل کو دیکھ رہا ہوں۔ رضاخان آیا اور شروع میں اس نے چاپلوسی، ظاہری دینداری، سینہ زنی، مجلس اور کبھی اس امام بارگاہ، کبھی اُس امام بارگاہ جا کر لوگوں کو غافل کیا۔ جب اس کی حکومت مضبوط ہو گئی تو اسلام اور علما کی مخالفت شروع کر دی جس کی وجہ سے ہماری مجالس عزا منعقد ہونے کا امکان نہ تھا۔[2]**

عزاداری میں رکاوٹ

رضاشاہ اپنی حکومت سے پہلے، مجالس عزا میں شرکت کرتا تھا تاکہ لوگوں کو اپنا اسلامی چہرہ دیکھائے؛ لیکن حکومت قائم ہونے کے بعد اس کا رویہ بدل گیا۔ اس نے عزاداری کو روکنے کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے:

۱۔ سرکاری مجالس کو محدود کرنا

محرم الحرام ۱۳۱۱ ہجری شمسی کے بارے میں ایک سیاح نے کہا ہے:

---

[1] ملاحظہ ہو: حسین مکی، تاریخ بیست سالہ ایران، ج ۲، ص ۵۴۶؛ عبد اللہ مستوفی، شرح زندگانی من یا تاریخ اجتماعی و اداری دورہ قارجاریہ، ج ۳، ص ۶۰۱۔

[2] صحیفہ امام، ج ۷، ص ۲۴۹، تاریخ تقریر: ۲، ۲۲، ۱۳۵۸ ہجری شمسی۔

اس سال شاہ نے محرم الحرام کی چار چھٹیوں کے بجائے تین چھٹیاں کر دی اور ماتمی دستوں کی قدیمی رسومات کو روک دیا گیا... کچھ لوگوں کی خواہش ہے کہ ماتمی دستے نکالنے کی رسم آہستہ آہستہ ختم ہو جائے۔[1]

۲ □ عزادار ی کو کلیسائی رسومات کی طرز پر انجام دینا

رضا شاہ کا خیال تھا کہ اگر ہم تمام امور مغربی عیسائیوں کی طرز پر انجام دینے میں کامیاب ہو گئے تو ہمارا ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔ شاید وہ چاہتا تھا کہ مجالس عزا اندر سے کھوکھلی ہو جائیں اور لوگ اپنے اصلی ہدف سے منحرف ہو جائیں۔ اسی لیے اس نے حکم دیا کہ مجالس میں (منبر کی بجائے) میز اور ڈائس کا استعمال کیا جائے، مردوں اور عورتوں کا مخلوط مجمع ہو اور عورتیں حجاب کے بغیر مجلس میں آئیں۔ اس نے اعلان کیا کہ اگر عورتیں مجلس میں آنا چاہتی ہیں، تو مرد اور عورتیں اکھٹے کرسیوں اور صوفوں پر بیٹھ کر مجلس سنیں گے۔[2]

اس نے اپنے ایک کمانڈر ہینگ بنادر کو لکھا کہ لوگوں کو مجلس منعقد کرنے کی اجازت ہے لیکن مجلس صرف مسجدوں اور امام بارگاہوں میں ہو گی... سننے والے صوفوں پر بیٹھ کر سنیں گے، ماہر محدثین مجلس پڑھیں گے، سینہ زنی اور اس طرح کے دیگر قدیمی رسومات بالکل ممنوع ہیں۔[3]

۳ □ عزاداری کو خرافات ک□نا

مجالس عزا کو محدود کرنے کا ایک بہانہ یہ تھا کہ یہ مجالس، خرافات ہیں۔ اگرچہ عزاداری میں موجود بعض رسومات قابلِ اعتراض تھیں، لیکن ان کو دیکھ کر پوری عزاداری کو خرافات کہنا اور اس پر پابندی عائد کرنا کسی طرح درست نہیں تھا۔ رضا خان اور اس کے حواریوں کی کوشش تھی کہ عزاداری کی توہین کریں، واعظین اور مصائب خوانوں کو قدامت پرست اور بدعتی کہیں۔[4]

---

[1]۔ میرٹ، ہیکس، ایرن افسانہ وواقعیت، ص ۱۹۱؛ حمید بصیرت منش، علماور ذژیم رضاشاہ، ص ۱۴۱۔

[2]۔ مدیریت پژوہش انتشارات و آموزش، خشونت و فرہنگ، ص ۱۴۴۔

[3]۔ داود امینی، چالش ہای روحانیت بارضاشاہ، ص ۲۳۹۔

[4]۔ داود امینی، چالش ہای روحانیت بارضاشاہ، ص ۲۳۷۔

۴ ☐ عزاداری پر مکمل پابندی

آخر کار سنہ ۱۳۱۶ ہجری شمسی کو حکومت کی طرف سے صوبائی اور ضلعی حکام کو حکم دیا گیا کہ اس وقت حکومت کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ مجالس کو روکا جائے، لوگوں کے ذہن سے خرافات نکالی جائیں اور انہیں تمدن کے اصول سکھائے جائیں اور کسی صورت میں حکومت کے احکامات پر عمل درآمد کرنے میں غفلت نہ کی جائے۔[1] نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ نہ صرف محرم الحرام میں مجالس پر پابندی تھی، بلکہ مجلس ترحیم کو محدود کر دیا گیا، حتی کہ ایسی مجالس میں خطیب کو اہل بیت علیہم السلام کے مصائب پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔[2]

عزاداری پر پابندی کے مقابلے میں لوگوں کا رد عمل

رضا شاہ کے حکومتی احکامات کے مقابلے میں لوگوں کا مختلف رد عمل سامنے آیا۔ کچھ لوگ تسلیم ہو گئے اور انہوں نے عزاداری چھوڑ دی، لیکن بہت سے لوگ امام حسین علیہ السلام کی عزاداری سے دستبردار نہیں ہوئے۔ وہ اپنے خاندان کو اکٹھا کر کے چھپ کر عزاداری مناتے، جبکہ قدرتمند لوگ شاہ کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

سنہ ۱۳۱۵ سے ۱۳۲۰ ہجری شمسی تک عزاداری پر سرکاری پابندی عائد تھی۔ لوگ چھپ کر عزاداری کرتے تھے؛ کبھی روشنی پھیلنے سے پہلے عزاداری ختم کر دی جاتی اور کبھی پولیس سے چھپ کر یا انہیں رشوت دے کر عزاداری منائی جاتی تھی۔ لوگ گھروں کی چھتوں اور پچھلے دروازوں سے ایک دوسرے کے گھر جاتے، خطبا اور مصائب خوان، لباس تبدیل کر کے اور پولیس سے چھپ کر جاتے اور اندر جا کر اپنا مخصوص لباس پہن لیتے تھے۔[3]

---

[1] ۔ مدیریت پژوہش انتشارات و آموزش، خشونت و فرہنگ، ص ۲۶، ۱۲۸، ۳۱۷، ۳۱۸۔

[2] ۔ حمید بصیرت منش، علما و رژیم رضا شاہ، ص ۱۴۳۔

[3] ۔ رجوع کریں: مہدی عباسی، تاریخ تکایا و عزاداری قم، ص ۲۲۲۔

پابندی کے مقابلے میں علمائے کرام کا ردعمل

جب حکومت نے مجالس کو زبردستی بند کر دیا تو کچھ علمائے کرام نے اس پابندی کا مقابلہ کیا اور سید الشہداؑ کی عزاداری کا سلسلہ جاری رکھا۔ آیت اللہ مرزا محمد علی شاہ آبادی نویں اور دسویں محرم کو پابندی کے باوجود بازار کی جامع مسجد میں زیارتِ عاشورہ کا انعقاد کرتے تھے۔[1] رضا شاہ نے تہران میں تمام مساجد اور منبروں پر پابندی لگادی تھی، لیکن اس کے باوجود مرزا شاہ آبادی مسجد، منبر اور تقریر سے دستبردار نہ ہوئے۔

اسی طرح مرزا صادق آقا تبریزی اور مؤسس حوزہ علمیہ قم آیت اللہ شیخ عبد الکریم حائری نے بھی رضا شاہ کا مقابلہ کیا اور کبھی عزاداری سید الداؑ کو رکنے نہ دیا۔ آیت اللہ حائری شبِ جمعہ اور عشرہ محرم میں اپنے گھر میں درس شروع ہونے سے پہلے کسی شاگرد کو مختصر مجلس پڑھنے کا حکم دیتے تھے اور انہوں نے ایران میں ایام فاطمیہ (حضرت فاطمہ زہراؑ کی شہادت کے ایام) میں بھی عزاداری رائج کی۔[2]

رضا شاہ کے بعد عزاداری

سنہ ۱۳۲۰ ہجری شمسی میں رضا شاہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور اس کا جوان سال اور ناتجربہ کار بیٹا محمد رضا شاہ برسر اقتدار آیا۔ لوگوں کا سب سے پہلا مطالبہ یہ تھا کہ رضا شاہ کے دور میں مجالس عزا پر عائد پابندیاں ختم کی جائیں۔ رضا شاہ کی حکومت کے خاتمہ اور نئی حکومت کے کمزور ہونے کی وجہ سے لوگوں کو فرصت مل گئی۔ علما تیزی سے میدان میں آئے اور عزاداری اور عورتوں کے اسلامی حجاب پر عائد پابندیاں اٹھانے کا حکومت سے مطالبہ کیا۔ محمد رضا شاہ نے علما کی درخواست قبول کرتے ہوئے یہ پابندیاں اٹھادیں؛[3] حتی کہ اس نے عوام الناس میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے اپنے باپ کے کاموں کی واضح طور پر مخالفت کی۔

---

[1] ۔ معاونت پژوہشی بنیاد فرہنگی شہید شاہ آبادی، عارف کامل، ص ۹۷۔

[2] ۔ حمید بصیرت منش، علما و رژیم رضا شاہ، ص ۲۵۴۔

[3] ۔ داود امینی، چالش ہای روحانیت با رضا شاہ، ص ۲۴۶۔

اگرچہ محمد رضا شاہ نے علی الاعلان مجالس عزا کی مخالفت نہیں کی، لیکن مختلف انداز سے اسلام کا مقابلہ کیا؛ مثلاً اس نے اخلاقی فساد اور مغربی تہذیب کی ترویج کر کے لوگوں کو دینی اور معنوی مسائل سے دور کرنے کی کوشش کی۔

گیارہویں فصل

واقعہ کربلا اعداد و شمار کے آئینہ میں

واقعہ کربلا کو تاریخ اور حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس کے اعداد و شمار بہت مختلف، بلکہ کبھی متناقض نظر آتے ہیں۔ اس باب میں ہماری کوشش ہوگی کہ نہایت غور و فکر کے ساتھ روایات کا آپس میں مقائسہ کرتے ہوئے دقیق اعداد و شمار پیش کیے جائیں۔

کوفیوں کے خطوط کی تعداد

امام حسین علیہ السلام کو مکہ میں ملنے والے خطوط کی تعداد کے بارے میں مؤرخین کا اتفاق نہیں ہے۔ بہت سی کتب میں ہے کہ کوفیوں نے امام حسین علیہ السلام کو ایک سو پچاس خط لکھے اور ہر خط کے نیچے ایک، دو یا چار افراد کے دستخط موجود تھے؛[1] لیکن بعض کتب میں کچھ اور تعداد ذکر ہوئی ہے؛ مثلاً طبری [2] نے تقریباً ۵۳، بلاذری [3] نے ۵۰، دینوری [4] نے ۱۰۰، عماد الدین طبری [5] نے ۴۰۰، کاشفی [6] نے خوارزمی کی کتاب نور الائمہ (جو کہ اب موجود نہیں رہی) سے ۱۲۰ خطوط نقل کیے ہیں۔ ابن سعد [7] نے خط لکھنے والوں کی تعداد اٹھارہ ہزار بتائی

---

[1]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۲۹؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۳۸؛ بلعمی، تاریخ نامہ طبری، ج۴، ص۷۰۰؛ ابن فتال نیشاپوری، روضۃ الواعظین، ص۱۷۲؛ ابن جوزی، المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، ج۵، ص۳۲۷؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۸۳؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۹۸؛ اربلی، کشف الغمہ، ج۲، ص۲۵۲؛ کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی، مطالب السؤول فی مناقب الرسول، ج۲، ص۷۱؛؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص۱۴۴؛ سید ابن طاوس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۱۰۵؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص۱۶۲۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۲۔

[3]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۷۰۔

[4]۔ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۳۹۔

[5]۔ عماد الدین طبری، مناقب الطاہری، ج۲، ص۶۰۴۔

[6]۔ ملا حسین واعظ کاشفی، روضۃ الشہداء، ص۲۰۵۔

[7]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین مقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش۱۰، ۱۴۰۸ہجری، ص۱۷۴۔

ہے، جبکہ سید ابن طاووس نے کہا ہے کہ ایک دن میں چھ ہزار خطوط امام حسین علیہ السلام کے پاس آئے، یہاں تک کہ بارہ ہزار خطوط جمع ہو گئے تھے۔[1]

ابن سعد اور سید ابن طاووس کی بات قابل قبول نہیں، کیونکہ بعض قدیمی کتب میں ہے کہ بیعت کرنے والوں کی تعداد بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) یا اٹھارہ ہزار (۱۸۰۰۰) تھی، نہ کہ خط لکھنے والوں کی۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ابن سعد اور سید ابن طاووس کو خط لکھنے والوں اور بیعت کرنے والوں کی تعداد کے درمیان مغالطہ ہوا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ۱۵۰ پچاس خطوط والا قول حقیقت کے قریب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس قول کو زیادہ مؤرخین نے ذکر کیا ہے اور بعض قدیمی کتب میں بھی ذکر ہوا ہے؛ اس کا مطلب یہ ہے کہ بارہ ہزار یا اٹھارہ ہزار بیعت کرنے والوں نے امام حسین علیہ السلام کو ۱۵۰ خطوط لکھے تھے۔

حضرت مسلم کی بیعت کرنے والوں کی تعداد

تاریخی کتب میں اختلاف ہے کہ حضرت مسلم کی بیعت کرنے والے کوفیوں کی تعداد کتنی تھی۔ بہت سے مؤرخین اور مقتل لکھنے والوں نے ابن نما حلی[2] کی طرح بیعت کرنے والوں کی تعداد اٹھارہ ہزار اور بعض نے بارہ ہزار[3] لکھی ہے۔ امام باقر علیہ السلام سے منقول ایک روایت میں بیعت کرنے والوں کی تعداد بیس ہزار بیان ہوئی ہے۔[4] ابن اعثم اور خوارزمی نے بیس ہزار سے زیادہ[5]، ابن شہر آشوب نے پچیس ہزار[1]،

---

[1]۔ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۰۵۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۶۸؛ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۴۷؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۴۱؛ سبط بن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۲۴۱؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۳۲؛ سید ابن طاوسس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۰۸؛ ابن کثیر، البدایۃ و النہایۃ، ج ۸، ص ۱۶۳؛ ابن عنبہ، عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، ص ۱۷۱۔

[3]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۱۶۳ نے عمار دہنی سے نقل کیا ہے؛ بلعمی، تاریخ نامہ طبری، ج ۴، ص ۷۰۰؛ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۲۰۷؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۹۹؛ ابن جوزی، المنتظم فی تاریخ الملوک و الامم، ج ۵، ص ۳۲۶؛ احمد بن حجر ہیتمی، الصواعق المحرقہ فی رد اہل البدع والزندقہ، ص ۱۹۶۔

[4]۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج ۱۱، ص ۴۳؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۶۸۔

[5]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۴۰؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۱، ص ۲۹۰۔

ابن قتیبہ دینوری اور ابن عبد ربّہ نے تیس ہزار سے زیادہ[2]، ابن عساکر، ابن نما حلی نے (ایک مقام پر) اور ابن کثیر نے چالیس ہزار[3] لکھی ہے۔

ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ زید بن علی بن الحسین نے سلمہ بن کہیل کے جواب میں اپنے جد امجد امام حسین علیہ السلام کی بیعت کرنے والوں کی تعداد اسی ہزار (۸۰۰۰۰) بیان کی ہے۔[4] یوں محسوس ہوتا ہے کہ زید بن علی نے ان افراد کی تعداد بتائی ہے جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کی مدد کرنے کا اعلان کیا تھا (نہ کہ باقاعدہ بیعت کی تھی)۔

طبری نے ابو مخنف سے اٹھارہ ہزار کی روایت نقل کی ہے، جو زیادہ معتبر ہے؛ کیونکہ ابو مخنف قابل وثوق ہیں اور بالخصوص قدیمی کتب سے بھی اس تعداد کی تائید ہوتی ہے۔

امام حسین علیہ السلام کی مدد کے لیے آمادہ کوفیوں کی تعداد

بہت سے قدیمی مصادر میں امام حسین علیہ السلام کی مدد کے لیے تیار کوفیوں کی تعداد ایک لاکھ بیان ہوئی ہے،[5] لیکن تاریخ نامہ طبری کے ایک نسخہ میں یہ تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بیان ہوئی ہے۔[6]

کوفہ کے دار الامارہ میں ابن زیاد کے حامیوں کی تعداد

جب حضرت مسلم نے قیام کے آغاز میں اپنی فوج کے ہمراہ ابن زیاد کے قصر پر حملہ کیا تو ابن زیاد کے پچاس[1] یا دو سو[2] ساتھیوں نے وہاں پناہ لی ہوئی تھی۔

---

[1]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۹۹۔

[2]۔ ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، ج ۲، ص ۸؛ ابن عبد ربّہ، العقد الفرید، ج ۴، ص ۲۵۴۔

[3]۔ ابن عساکر، ترجمۃ الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۱۹۴، شمارہ نمبر ۲۵۳؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۲۶؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۸، ص ۱۷۴۔

[4]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۷، ص ۱۶۸۔

[5]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۷، ص ۱۶۸؛ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر، ص ۱۷۴؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۲۲؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۷۱؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۲۶؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۲۳۷۔

[6]۔ اس نسخہ کی تصحیح محمد سرور مولائی نے کی ہے؛ بلعمی، قیام سید الشہدا حسین بن علی وخون خواہی مختار، ص ۷۔

قیام کے دوران حضرت مسلم کے حامیوں کی تعداد

بعض مصادر نے حضرت مسلم کے قیام کے دوارن دوران حامیوں کی تعداد ذکر نہیں کی، بلکہ صرف یہی کہا ہے کہ قیام کے آغاز میں کوفیوں نے حضرت مسلم کا ساتھ دیا۔ چنانچہ ابو الفرج اصفہانی لکھتے ہیں: جب مسلم نے خروج کیا تو اتنے کوفی مسلم کے پاس جمع ہوئے کہ مسجد اور بازار بھر گیا؛ [3] لیکن ابن سعد اور ذہبی نے قیام کے دوران حضرت مسلم کے حامیوں کی تعداد چار سو[4]، طبری اور شیخ مفید نے چار ہزار[5]، ابن اعثم، مسعودی اور خوارزمی نے اٹھارہ ہزار یا اس سے زیاد[6]، ابن شہر آشوب نے آٹھ ہزار[7] اور ابن حجر عسقلانی نے چالیس ہزار[8] لکھی ہے۔

اس سلسلہ میں شیخ مفید اور ابو مخنف سے منقول طبری کی چار ہزار کی روایت زیادہ معتبر ہے؛ کیونکہ حضرت مسلم کے حکم سے لوگوں کو اچانک اور پیشگی اطلاع کے بغیر ان حالات میں بلایا گیا جو ابن زیاد نے ایجاد کیے تھے۔ ایسے حالات کے پیشِ نظر فطری امر ہے کہ سب بیعت کرنے والے جلدی سے حضرت مسلم کے پاس نہیں پہنچ سکے ہوں گے۔

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۶۹؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۵۲؛ ابن فتال نیشابوری، روضۃ الواعظین، ص۱۷۴؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص ۲۹۸۔

[2]۔ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۵۲۔

[3]۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۱۰۱۔

[4]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص۱۷۵؛ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ج۴، ص۱۵۲۔

[5]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۰؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۵۲۔

[6]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۴۹؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۹۷۔

[7]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۰۱۔

[8]۔ عسقلانی، تہذیب التہذیب، ج۲، ص۳۰۳۔

حضرت مسلم کا محاصرہ کرنے والوں کی تعداد

اس بات میں اختلاف ہے کہ کوفی فوج کے سربراہ نے حضرت مسلم کو گرفتار کرنے کے لیے کتنے سپاہی بھیجے تھے؟۔ بعض نے ان کی تعداد ۶۰ یا ۷۰ افراد لکھی ہے[1]، بعض نے ۱۰۰ [2] اور بعض نے ۳۰۰ [3] تک بھی لکھا ہے۔

اگر صرف ۶۰ سپاہی بھی حضرت مسلم کو گرفتار کرنے کے لیے گئے ہوں، تو یہ بھی آپ کی شجاعت کی دلیل ہے کہ حاکمِ کوفہ نے مجبور ہو کر اتنے لوگ حضرت مسلم کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجے تھے۔

امام حسینؑ کے اصحاب کی تعداد

اس بارے میں مؤرخین کی روایات ذکر کرنے سے پہلے چند نکات بیان کرنا ضروری ہیں:

پہلا نکتہ: امام حسینؑ کے اصحاب کی صحیح تعداد معلوم کرنے کا کوئی راستہ موجود نہیں ہے، اور اس کی دو اہم وجہ ہیں:

۱۔ پہلے درجہ کے مستندات یعنی عینی شاہدین نے امام حسینؑ کے اصحاب کی مختلف تعداد بتائی ہے۔ واضح ہے کہ ان روایات میں دقیق تعداد بیان نہیں ہوئی، بلکہ زیادہ تر اندازہ لگایا گیا ہے۔[4]

۲۔ تاریخ و حدیث کی کتب میں ان افراد کے نام کسی معین ضابطہ کے تحت ذکر نہیں ہوئے، یعنی افراد کے نام بیان کرنے میں دقت نہیں کی گئی؛ مثلاً کبھی ایک ہی شخص کا نام، ولدیت، ماں کا نام اور قبیلہ چند مختلف طریقوں سے بیان ہوا ہے اور یہی امر سبب بنا ہے کہ کتابوں میں ایک ہی شخص چند مختلف عناوین

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم الملوک، ج۵، ص ۳۷۳؛ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۱۰۴؛ مسعودی، مروج الذہب، ج۳، ص ۶۷؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۵۷؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص ۲۲۵؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۳۵۔

[2]۔ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۵۵۔

[3]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۵۳۔

[4]۔ محمد مہدی شمس الدین، انصار الحسین، ص ۴۷۔

سے لکھا جائے۔ اسی وجہ سے محققین کو اصحابِ امام علیہ السلام کی شفاف اور دقیق تعداد بیان کرنے میں مشکل پیش آئی ہے۔

دوسرا نکتہ: قیامِ امام حسین علیہ السلام کے تمام مراحل میں اصحاب کی تعداد ایک جیسی نہیں تھی؛ چنانچہ مکہ سے روانگی کے وقت اور تعداد تھی، کربلا میں داخل ہوتے وقت اور تھی، جبکہ روزِ عاشورہ کچھ اور تھی؛ مثلاً ابن اعثم اور خوارزمی نے مکہ سے روانگی کے وقت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کی تعداد ۸۲ اور روز عاشورہ ۷۲ لکھی ہے۔

تیسرا نکتہ: بنی ہاشم کی تعداد میں اختلافِ روایات کے ساتھ ساتھ یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ بنی ہاشم کے کچھ افراد نہ صرف کربلا میں موجود نہیں تھے، بلکہ بنیادی طور پر ان کے وجود میں بھی شک ہے؛ مثلاً بعض متاخرہ مصادر میں امام حسین علیہ السلام کے بیٹوں میں ابراہیم کا نام ذکر ہوا ہے[1] لیکن تاریخ، حدیث، رجال یا انساب کی کسی قدیمی کتاب میں امام حسین علیہ السلام کا، اس نام سے کوئی بیٹا ذکر نہیں ہوا۔

ان نکات کی روشنی میں ممکنہ حد تک امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کی واضح اور دقیق تعداد بیان کرنے کے لیے چار مراحل میں تذکرہ کریں گے۔

ا۔ مدینہ سے روانگی کے وقت

ہمارے مطالعہ کے مطابق، تاریخی کتب میں ذکر ہوا ہے کہ مدینہ سے روانگی کے وقت، امام حسین علیہ السلام کے ساتھ صرف آپ کے اہل بیت علیہم السلام تھے۔ اس کے علاوہ امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کی تعداد کے بارے میں کوئی تذکرہ نہیں ہوا۔[2] ان میں دو روایات قابل توجہ ہیں:

---

[1]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۲۲۔

[2]۔ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۲۳۷؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۴۱؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۳۴؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۲۱، ۲۲؛ ابن فتال نیشابوری، روضۃ الواعظین، ص ۱۷۲؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص ۲۲۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص ۲۷۳؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۲۳۶۔

۱۔ ابن سعد نے ایک روایت میں بیان کیا ہے کہ جو بنی ہاشم مدینہ سے چلے یا مکہ میں امام حسینؑ کے ساتھ ملے، انیس افراد تھے۔[1]

۲۔ شیخ صدوق نے امام صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ مدینہ سے روانگی کے وقت امام حسینؑ کے اصحاب اور اہل بیت کی تعداد اکیس (۲۱) افراد تھی۔[2]

ابن سعد کی روایت شیخ صدوق کی روایت کے قریب ہے لہذا ان دونوں روایات کو ایک ہی روایت کہا جا سکتا ہے، اگرچہ یہ بات قابل توجہ ہے کہ امام حسینؑ کا خاندان مدینہ سے ہی آپ کے ہمراہ تھا،[3] نہ کہ مکہ میں آپ سے ملا؛ جیسا کہ ابن سعد نے کہا ہے۔

۲۔ مکہ سے روانگی کے وقت

۱۔ ابن سعد نے لکھا ہے: امامؑ کے ساتھ ساٹھ (۶۰) اصحاب اور انیس بنی ہاشم (مرد، عورتیں اور بچے) تھے۔[4] ابن عساکر اور ابن کثیر نے اہل بیت کی تعداد بیان نہیں کی، لیکن کوفہ سے آپ کے اصحاب کی تعداد ساٹھ بتائی ہے۔[5]

۲۔ ابن قتیبہ دینوری، بیہقی اور ابن عبد ربہ نے کہا ہے: حضرت مسلم نے شہادت کے وقت امام حسینؑ کے کل ساتھیوں کی تعداد، مردوں اور عورتوں کو ملا کر نوے (۹۰) بیان فرمائی ہے اور اسی وقت امام حسینؑ مکہ سے روانہ ہوئے۔[6]

---

[1]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۱۷۰۔

[2]۔ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۳۰، ص ۲۱۷، ح ۱؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۳۱۳۔

[3]۔ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۳۷؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۴۱؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۳۴؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۲۱، ۲۲؛ ابن فتال نیشابوری، روضۃ الواعظین، ص ۱۷۲؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص ۲۲۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۱، ص ۲۷۳؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۲۳۶۔

[4]۔ ابن سعد، ترجمۃ الامام الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۱۷۰۔

[5]۔ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۲۰۵؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۱۷۸۔

[6]۔ دینوری، الامامۃ والسیاسہ، ج ۲، ص ۱۰؛ ابراہیم بن محمد بیہقی، المحاسن والمساوی، ص ۶۱؛ ابن عبد ربہ، العقد الفرید، ج ۴، ص ۳۵۵۔

۳۔ ابن اعثم، خوارزمی، محمد بن طلحہ شافعی، اربلی، اور ابن صباغ مالکی نے مکہ سے روانگی کے وقت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جانے والے ۱۸۲ افراد بتائے ہیں۔[1]

۴۔ بلعمی اور مستوفی نے ۱۴۰ (چالیس سوار اور سو پیادہ) اصحاب بتائے ہیں۔[2]

۵۔ ابن کثیر نے ایک اور مقام پر امام کے ساتھیوں کی تعداد تین سو لکھی ہے۔[3]

آخری دو اقوال کو چھوڑ کر باقی اقوال میں دس افراد کا فرق ہے اور یہ طبیعی امر ہے کہ تھوڑا بہت فرق راویوں کی اندازہ گیری کی وجہ سے ہے۔

البتہ ابن کثیر کی تین سو (۳۰۰) افراد والی روایت اولاً منفرد ہے اور ثانیاً واقعہ کربلا سے سات قرن (سات سو سال) بعد بیان ہوئی ہے، لہٰذا اس پر اتنا بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔

بلعمی کی روایت کے بارے میں عرض ہے کہ تاریخ بلعمی، تاریخ طبری کا خلاصہ ہے، لہٰذا اس نے تاریخ طبری میں عمار دُہنی کے ذریعہ امام باقر علیہ السلام سے منقول روایت سے لی ہوگی، جس میں امام علیہ السلام نے اصحاب کی تعداد ۱۴۵ بیان فرمائی ہے۔ چونکہ عمار دہنی کی روایت امام حسین علیہ السلام کی کربلا میں موجودگی کے وقت کی ہے، نہ کہ مکہ سے روانگی کے وقت کی؛ لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ بلعمی نے تاریخ طبری کی تلخیص کرتے ہوئے نقل روایات اور تعداد میں غور نہیں کیا۔ پس بلعمی کی روایت پر بھی مستقل طور پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح تاریخ گزیدہ مستوفی (تصنیف ۷۳۰ ہجری)، تاریخِ بلعمی سے تقریباً تین صدی بعد میں لکھی گئی ہے، لہٰذا اس کی روایت بھی مستقل نہیں، بلکہ بلعمی سے لی گئی ہے۔

---

[1]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۶۹؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۳۱۷؛ محمد بن طلحہ شافی، مطالب السؤول فی مناقب الرسول، ج۲، ص۷۳؛ اربلی، کشف الغمہ، ج۲، ص۲۵۳؛ ابن صباغ مالکی، الفصول المہمہ، ج۲، ص۸۰۳۔

[2]۔ بلعمی، تاریخ نامہ طبری، ج۴، ص۷۰۳؛ حمد اللہ مستوفی، تاریخ گزیدہ، ص۲۶۳۔

[3]۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۶، ص۲۵۹۔

۳۔ کربلا میں عاشورہ سے پہلے

مؤرخین نے امام حسین علیہ السلام کے کربلا میں داخل ہونے کے وقت اور وہاں موجودگی کے دوران آپ کے اصحاب کی تعداد ایک جیسی بیان نہیں کی۔ مختلف روایات کے ذیل میں درجہ بندی کی جاتی ہے:

۱۔ عمار دُہنی نے امام باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے کربلا میں داخل ہونے کے وقت اصحاب کی تعداد ۱۴۵ (۴۵ سوار اور ۱۰۰ پیادہ) تھی۔[1]

۲۔ ابن سعد، ابن عساکر اور ذہبی نے ۸۹ افراد کا تذکرہ کیا ہے جس کی تفصیل یوں ہے: اصحاب امام پچاس افراد، دشمن کے فوجی بیس افراد، جو امام علیہ السلام کے ساتھ مل گئے تھے اور اہل بیت علیہم السلام انیس افراد تھے۔[2] ابن سعد نے کربلا کے راستے میں امام علیہ السلام کے سواروں کی تعداد ۳۲ لکھی ہے۔[3]

۳۔ یعقوبی نے اہل بیت علیہم السلام اور اصحابِ امام حسین علیہ السلام کی تعداد سب ملا کر ۶۲ یا ۷۲ بتائی ہے۔[4]

۴۔ مؤرخین میں سے صرف مسعودی نے لشکر حُر کے ہمراہ امام حسین علیہ السلام کے روانہ ہونے کے وقت ۵۰۰ سوار اور تقریباً ۱۰۰ پیادہ لکھے ہیں۔[5]

۵۔ بلعمی نے ۱۴۰ (۴۰ سوار اور ۱۰۰ پیادہ) بتائے ہیں۔[6]

۶۔ ابن شہر آشوب نے کربلا میں امام علیہ السلام کے ۸۲ اصحاب ذکر کیے ہیں۔[7]

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۸۹؛ جرجانی شجری، الامالی الخمیسیہ، ج۱، ص ۱۹۱، ۱۹۲؛ ابن جوزی، الرد علی التعصب العنید، ص۳۷؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۲۵۱؛ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۱۵۸؛ مزی، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ج۶، ص۴۲۷؛ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ج۴، ص ۱۵۷؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۸، ص۲۱۴؛ عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج۲، ص۱۷؛ عسقلانی، تہذیب التہذیب، ج۲، ص۳۰۴۔

[2]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ ۱۰، ص۱۷۸؛ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ج۴، ص۱۵۲، ۱۵۳۔

[3]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ ۱۰، ص۱۷۷۔

[4]۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۲۴۳۔

[5]۔ مسعودی، مروج الذہب، ج۳، ص۷۰۔

[6]۔ بلعمی، تاریخ نامہ طبری، ج۴، ص۷۰۴۔

[7]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۰۷۔

۷۔ ابن ابّار بلنسی (۶۵۸ ہجری) نے ۷۰ سے زیادہ سوار اور پیادہ بتائے ہیں۔[1]

عمار دُہنی اور مسعودی کی روایت قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ عمار دُہنی کی روایت مضمون کے لحاظ سے تنہا ہے اور اس پر کوئی شاہد بھی نہیں ہے اور اس کا کہنا ہے کہ منزل زبالہ پر امام حسین علیہ السلام کے کچھ اصحاب آپ سے جدا ہو گئے تھے، کیونکہ ان کا امام علیہ السلام کے ساتھ آنے کا مقصد یہ تھا کہ امام علیہ السلام (ظاہری طور پر) کامیاب ہوں گے۔[2] یہ روایت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کی بڑی کمزوری کو بیان کرتی ہے اور ان روایات کی تائید کرتی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ مکہ سے روانگی کے بعد، راستے میں اور کربلا میں داخل ہونے سے پہلے آپ علیہ السلام کے اصحاب کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۱۹۰ افراد تھی۔ اسی وجہ سے یہ روایت قابل اعتماد نہیں ہے۔

اسی طرح مسعودی کی روایت بھی تنہا ہے اور اس پر کوئی شاہد بھی نہیں ہے، لہٰذا اس کو بھی قبول نہیں کیا جا سکتا۔ پس ان تمام روایات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کی تعداد تقریباً ۷۰ سے ۹۰ تک تھی۔

۴۔ روزِ عاشورہ

عاشورہ کے دن بھی امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کی تعداد مختلف بیان ہوئی ہے:

۱۔ مشہور ترین قول کے مطابق ۷۲ افراد تھے۔ ابو مخنف نے ضحاک بن عبد اللہ مشرقی[3] سے نقل کیا ہے کہ روزِ عاشورہ امام حسین علیہ السلام کے ۷۲ اصحاب (۳۲ سوار، ۴۰ پیادہ) تھے۔[4]

---

[1] ابن ابار، درر السمط فی خبر السبط، ص ۱۰۴۔

[2] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۹۸، ۳۹۹؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۷۵، ۷۶۔

[3] ضحاک واقعہ کربلا کا عینی شاہد تھا۔ آخری لمحات تک امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھا پھر اس نے امام حسین علیہ السلام سے اجازت لے کر اپنی جان بچالی تھی۔ اس نے کربلا کے کچھ واقعات بیان کئے ہیں۔

[4] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۲۲؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۹۵۔

۲۔ حُصین بن عبد الرحمٰن نے سعد بن عبیدہ سے نقل کیا ہے: امام حسین علیہ السلام کی فوج تقریباً سو (۱۰۰) افراد پر مشتمل تھی۔[1]

۳۔ طبری نے ابو مخنف سے اور انہوں نے زید بن علی بن الحسین سے امام حسین علیہ السلام کے اصحاب تعداد ۳۰۰ نقل کی ہے۔[2]

۴۔ قاضی نعمان مغربی اور بلخی نے ۷۰ سے کم اصحاب کہے ہیں۔[3]

۵۔ مسعودی نے اکسٹھ (۶۱) افراد لکھے ہیں۔[4]

۶۔ خوارزمی نے ایک روایت کی بنا پر ۱۱۴ (۳۲ سوار، ۸۴ پیدل) افراد بیان کیے ہیں۔[5]

۷۔ سبط ابن جوزی نے ۱۴۵ (۴۵ سوار، ۱۰۰ پیدال) لکھے ہیں۔[6]

۸۔ ابن حجر ہیتمی نے اَسّی اور کچھ افراد لکھے ہیں۔[7]

اگر طبری کی روایت کو تنہا ہونے کی وجہ سے نظر انداز کر دیں، تو امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کی تعداد تقریباً ۶۵ سے ۱۴۵ تک بیان کی جاسکتی ہے۔ البتہ ۷۲ افراد (والی روایت) زیادہ قابل اعتماد ہے، کیونکہ یہ تعداد قدیمی اور معتبر منابع میں نقل ہوئی ہے اور اسے نقل کرنے والے بھی زیادہ ہیں۔

---

[1] بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۲۴؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۹۳؛ شمس الدین ذہبی، تاریخ الاسلام، ج۵، ص ۱۵۔

[2] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۷، ص ۱۶۷۔

[3] تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج۳، ص ۱۵۴۔

[4] مسعودی، اثبات الوصیۃ، ص ۱۶۶۔

[5] خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۶؛ حسینی موسوی، تسلیۃ المجالس وزینۃ المجالس، ج۲، ص ۲۷۵؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص ۴۔

[6] سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۲۵۱۔

[7] ابن حجر ہیتمی، الصواعق المحرقہ، ص ۱۹۷؛ شبراوی، الاتحاف بحب الاشراف، ص ۱۴۶، ۱۴۷۔

عمر بن سعد کے لشکر کی تعداد

ا۔ سپاہیوں کی تعداد

تاریخی کتابوں میں یزیدی سپاہیوں کی مختلف تعداد نقل ہوئی ہے:

ا۔ بعض کتب میں بائیس ہزار (۲۲۰۰۰)؛[1] شیخ صدوقؒ نے امام صادق اور امام باقرؑ سے منقول تیس ہزار؛[2] مسعودی نے اٹھائیس ہزار؛[3] خصیبی نے چھپن ہزار (بتیس ہزار سوار، چوبیس ہزار پیادہ)؛[4] ابن شہر آشوب نے پینتیس ہزار؛[5] چند لوگوں مثلاً ابن طلحہ اور ابن صباغ نے بیس ہزار؛[6] سبط ابن جوزی نے چھ ہزار؛[7] ابن عنبہ نے اکتیس ہزار؛[8] اور ملا حسین کاشفی نے بتیس ہزار لکھی ہے۔[9]

نتیجہ

مشہور قول کی بنا پر دشمن کے لشکر کی تعداد **بیس ہزار** سے **تیس ہزار** تک بیان ہوئی ہے؛ لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ سب زیادہ قابل اعتماد شیخ صدوقؒ کی (تیس ہزار والی) روایت ہے، جو انہوں نے امام جعفر صادقؑ اور امام محمد باقرؑ نقل کی ہے۔ اگرچہ دونوں روایتوں کے کچھ راوی موثق نہیں، لیکن

---

[1] ۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۸۴ تا ۹۰، ۱۰۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ا، ص ۳۴۱ تا ۳۴۵؛ ابن عماد حنبلی، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، ج ا، ص ۲۷۴؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۳۸۶؛ ملا حسین کاشفی، روضۃ الشہدا، ص ۲۷۶۔

[2] ۔ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۲۴، ص ۱۷۷، ح ۳، مجلس ۷۰، ص ۵۴۷، ح ۱۰؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۹۳؛ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۷۱۔

[3] ۔ مسعودی، اثبات الوصیۃ، ص ۱۶۶۔

[4] ۔ حسین بن حمدان خصیبی، الہدایۃ الکبری، ص ۲۰۲۔

[5] ۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۰۶، ۱۰۷۔

[6] ۔ محمد بن طلحہ شافعی، مطالب السؤول فی مناقب آل الرسول، ج ۲، ص ۵۸؛ ابن صباغ مالکی، الفصول المہمہ، ج ۲، ص ۷۶۵؛ شبراوی، الاتحاف بحب الاشراف، ص ۱۴۶؛ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۴۵۔

[7] ۔ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۲۵۱۔

[8] ۔ ابن عنبہ، عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، ص ۱۹۲۔

[9] ۔ کاشفی، راضۃ الشہدا، ص ۲۷۶۔

چونکہ انہیں شیخ صدوقؒ نے نقل کیا ہے اور وہ جعل اور تحریف کا کوئی ارادہ بھی نہیں رکھتے تھے، لہٰذا تیس ہزار والی روایت کو قبول کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ دشمن کے مقتولین کی تعداد

بعض کتابوں میں دشمن کی فوج کے مقتولین کی تعداد ۸۸ لکھی ہے؛[1] لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ امام حسینؑ کے اصحاب کی شجاعت اور امامؑ کے مقدس ہدف کی تکمیل پر اپنی جان نثار کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لینا، اتنا واضح تھا کہ دشمن نے بھی اس کا اعتراف کیا۔[2] چنانچہ حضرت علی اکبرؑ کی شجاعت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انہوں نے اتنے یزیدی قتل کیے کہ دشمن کی فوج میں شور و غل اٹھا۔[3] اگر صرف ان مقتولین کی تعداد دیکھی جائے جو چند اصحاب کے ہاتھوں جہنم واصل ہوئے، تو ان کی تعداد بھی اس سے کہیں زیادہ ہے۔ مثلاً شیخ صدوقؒ اور محمد بن فتال نیشابوری نے لکھا ہے: حُر بن یزید نے ۱۸، زہیر بن قین نے ۱۹، حبیب بن مظاہر نے ۳۱، عبد اللہ ابن ابی عروہ غفاری نے ۲۰، بُریر بن خضیر نے ۳۰، مالک بن انس کاہلی نے ۱۸، یزید بن زیاد بن مہاصر کندی (ابوالشعثاء)[4] نے ۹، وہب بن وہب (عبد اللہ بن عمیر کلبی) نے ۷ یا ۸، نافع بن ہلال بن حجاج[5] نے ۱۳، عبد اللہ بن مسلم بن عقیل نے ۳، حضرت علی اکبر نے ۵۴، قاسم بن امام حسن نے تین یزیدیوں کو جہنم واصل کیا۔[6]

- مذکورہ تعداد کے مطابق صرف بارہ اصحاب نے ۲۲۵ دشمنوں کو قتل کیا ہے۔

---

[1]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۱۸۴؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۱۱؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۵۵؛ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج۳، ص ۱۵۵؛ مسعودی، مروج الذہب، ج۳، ص ۷۲؛ نویری، نہایۃ الادب فی فنون الردب، ج ۲۰، ص ۲۹۰؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص ۲۰۵، ۲۰۶۔

[2]۔ رجوع کریں: ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج۳، ص ۲۶۳۔

[3]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۱۱۵؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۳۵۔

[4]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۰۵۔

[5]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۰۴۔

[6]۔ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۳۰، ص ۲۲۳ تا ۲۲۶، ح ۱؛ ابن فتال نیشابوری، روضۃ الواعظین، ص ۱۸۶ تا ۱۸۸۔

ابن شہر آشوب نے دشمن کے مقتولین کی تعداد اس سے کہیں زیادہ بتائی ہے۔ انہوں نے بعض اصحاب کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد بیان کرتے ہوئے کہا ہے: حُر بن یزید نے چالیس سے زیادہ، حبیب بن مظاہر نے ۶۲، زہیر بن قین نے ۱۲۰، حجاج بن مسروق نے ۲۵، عون بن عبد اللہ بن جعفر نے ۲۱، حضرت علی اکبر نے ۷۰ اور عبد اللہ بن مسلم بن عقیل نے ۹۸ ناریوں کو جہنم واصل کیا۔[1]

مستوفی نے عمر بن سعد کے لشکر کے مقتولین کی کل تعداد ۱۸۰ لکھی ہے۔[2]

عاشورہ کے دن دشمن کے فوج کے مقتولین کی تعداد ۸۸ سے کہیں زیادہ ہے، لیکن محسوس ہوتا ہے کہ مؤرخین اُس وقت کے حالات پیش نظر صحیح تعداد نہیں لکھ سکے۔

۳۔ دریائے فرات پر پہرہ داروں کی تعداد

اگرچہ بعض کتب میں ان کی تعداد کی معین نہیں کی گئی،[3] لیکن بہت سی کتب میں ان کی تعداد ۵۰۰ لکھی ہے۔[4]

البتہ صرف ایک بیان میں ہے کہ نہر فرات پر چار ہزار فوجیوں کا پہرہ تھا،[5] لیکن چونکہ یہ بیان تنہا ہے (یعنی اس کے علاوہ کسی نے یہ بات نہیں کہی)؛ نیز اس میں مبالغہ بھی پایا جاتا ہے، لہٰذا یہ قول قابل اعتماد نہیں ہے۔

---

[1] ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۰۹ تا ۱۱۴۔

[2] مستوفی، تاریخ گزیدہ، ص۲۶۵۔

[3] ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۹۱۔

[4] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵۴، ص۴۱۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۸۹؛ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۷۶؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۸۶؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۰۶؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص۲۴۶؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۵۶۔

[5] ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۶۵؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۵۱۔

پانی لانے والوں کی تعداد

سات محرم کو جب دشمن کی فوج نے امام حسینؑ کا پانی بند کر دیا تو امامؑ نے حضرت عباسؑ کی سربراہی میں کچھ افراد کو پانی لانے کی ذمہ داری سونپی۔ بہت سے مصادر میں ان کی تعداد ذکر ہوئی ہے کہ وہ ۳۰ سوار اور ۲۰ پیادہ تھے اور ان کے پاس ۲۰ مشکیزے تھے۔[1] شیخ صدوقؒ نے بھی پچاس افراد ذکر کیے ہیں، لیکن کہا ہے کہ یہ واقعہ شب عاشورہ پیش آیا اور ان کے سربراہ حضرت علی اکبرؑ تھے۔[2] ابو الفرج اصفہانی نے ۳۰ سوار اور ۳۰ پیادہ ذکر کیے ہیں، لیکن پانی لانے کا وقت نہیں لکھا۔[3]

شہدائے کربلا کی تعداد

شہدائے کربلا کی مجموعی تعداد

قدیم اور جدید کتب میں شہدائے کربلا کی مجموعی تعداد مختلف بیان ہوئی ہے:

الف: قدیم مؤرخین

۱۔ مشہور ترین قول کی بنا پر کربلا کے شہید ۷۲ ہیں۔[4]

۲۔ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے صحابی فضیل بن زبیر نے قیامِ حسینی کے شروع سے آخر تک شہدا کی تعداد ۱۰۶ (بیس بنی ہاشم، چھیاسی اصحاب) لکھی ہے۔[5]

۳۔ ابو مخنف نے زحر بن قیس سے ۷۸ شہدا نقل کیے ہیں۔[1]

---

[1] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۱۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۳۸۹؛ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۶۷؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۹۲؛ ابن مسکویہ رازی، تجارب الامم، ج ۲، ص ۷۰؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص ۳۴۶، ۳۴۷؛ نویری، نہایۃ الارب فی فنون الادب، ج ۲۰، ص ۲۶۸۔

[2] شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۳۰، ص ۲۲۱، ح ۱۔

[3] ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۱۱۷۔

[4] ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۱۸۴؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۱۱؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۵۵؛ ابن مسکویہ رازی، تجارب الامم، ج ۲، ص ۸۱؛ طبرسی، تاج الموالید، ص ۳۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۴۴؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۸، ص ۲۰۵۔

[5] فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۴۹ تا ۱۵۶۔

لیکن دوسرے مؤرخین نے زحر بن قیس کی طرف نسبت دیتے ہوئے ۳۲، ۷۰، ۷۷، ۸۲، اور ۸۸ افراد بھی لکھے ہیں۔[۲]

۴۔ بلخی، مسعودی اور مقدسی نے شہدا کی تعداد ۸۷ بیان کی ہے۔[۳]

۵۔ مستوفی نے ۱۴۱ (سترہ بنی ہاشم، ایک سو چوبیس اصحاب) شہدا لکھے ہیں۔[۴]

ب: □م عصر محققی ن

ہم عصر محققین نے قدیمی کتب سے تحقیق کر کے مختلف تعداد بیان کی ہے:

۱۔ سید محسن امین نے قیام حسینی کے شروع سے آخر تک ۱۳۹ شہدا بیان کیے ہیں۔[۵]

۲۔ محمد مہدی شمس الدین نے شہدائے کربلا کی تعداد ۱۰۰ لکھی ہے۔[۶]

۳۔ ذبیح اللہ محلاتی نے ۲۲۸ لکھے ہیں؛ جبکہ انہوں نے عبد اللہ بن عفیف کو بھی شہدائے کربلا میں شمار کیا ہے، جو واقعہ کربلا کے وقت کوفہ میں قید تھے۔[۷]

۴۔ ایک اور مصنف نے ۱۸۲ شہدا کا تذکرہ کیا ہے۔[۸]

قدیمی اور شہرت کی وجہ سے ۷۲ شہدا کا قول زیادہ قابل اعتماد معلوم ہوتا ہے۔

---

[۱]۔ طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج۵، ص ۴۵۹؛ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۸۵؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۱۸؛ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ج ۲۰، ص ۳۲۵؛ ابن جوزی، المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، ج۵، ص ۳۴۱؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۸، ص ۲۰۸؛ صفدی، الوافی بالوفیات، ج ۱۴، ص ۱۲۷؛ ابن صباغ مالکی، الفصول المہمہ، ج ۲، ص ۸۳۱؛ میر خواند، تاریخ روضۃ الصفاء، ج۵، ص ۲۲۷۰۔

[۲]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۱۲۷؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۲۶۰؛ ابن عبد ربہ، العقد الفرید، ج ۴، ص ۳۵۷؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۶۲؛ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۱۹۰۔

[۳]۔ مسعودی، مروج الذہب ومعادن الجوہر، ج ۳، ص ۷۱؛ مقدسی، البدء والتاریخ، ج ۶، ص ۱۱۔

[۴]۔ حمد اللہ مستوفی، تاریخ گزیدہ، ص ۲۶۵۔

[۵]۔ امین، اعیان الشیعہ، ج ۱، ص ۶۱۰ تا ۶۱۲۔

[۶]۔ محمد مہدی شمس الدین، انصار الحسین، ص ۵۷۔

[۷]۔ ذبیح اللہ محلاتی، فرسان الہیجاء، ج ۲، ص ۱۵۴۔

[۸]۔ غلام حسین زرگری نژاد، نہضت امام حسین وقیام کربلا، ص ۳۹۱ تا ۳۸۶۔

شہدائے بنی ہاشم کی تعداد

شہدائے بنی ہاشم کی تعداد میں بھی شدید اختلاف ہے۔ اس سلسلہ میں نو(۹) سے تیس(۳۰) افراد تک ذکر ہوئے ہیں۔ مشہور ترین قول جو بہت سی کتب میں ذکر ہوا ہے، اس میں ۱۷ شہدا بیان ہوئے ہیں۔[۱] ان میں سے بہت سی روایات ائمہ علیہم السلام سے بھی منقول ہوئی ہیں۔[۲]

تاریخ کی سب سے قدیمی کتب میں شہدائے بنی ہاشم کی تعداد حضرت مسلم بن عقیل اور امام حسین علیہ السلام کو ملا کر ۲۰ ذکر ہوئی ہے۔[۳] اس بارے میں دیگر اعداد و شمار یہ ہیں: دس سے زیادہ[۴]، چودہ افراد[۵]،

---

[۱]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین و مقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۱۹۶؛ خلیفہ بن خیاط، تاریخ خلیفہ بن خیاط، ص ۱۷۹؛ طبرانی، المعجم الکبیر، ج ۳، ص ۱۰۴، ۱۱۹؛ شیخ صدوق، کمال الدین و تمام النعمۃ، ص ۵۳۳؛ شیخ صدوق، الامالی، ص ۶۹۵؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۲۵، ۱۲۶؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ۵۳؛ اربلی، کشف الغمہ، ج ۲، ص ۲۶۷؛ حمد اللہ مستوفی، تاریخ گزیدہ، ص ۲۶۵؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۲۰۵؛ ابن عماد حنبلی، شذرات الذہب، ج ۱، ص ۲۷۴۔

[۲]۔ جیسا کہ شیخ صدوق نے کمال الدین میں اور شیخ طوسی نے امالی میں نقل کیا ہے۔

[۳]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۴۹ تا ۱۵۱۔

[۴]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۸۹۔

[۵]۔ ابونعیم اصفہانی، حلیۃ الاولیاء، ج ۳، ص ۱۳۸؛ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ج ۴۴، ص ۱۶۸؛ اربلی، کشف الغمہ، ج ۲، ص ۳۱۴۔

[۶]۔ خلیفہ بن خیاط، تاریخ خلیفہ بن خیاط، ص ۱۷۹؛ طبرانی، المعجم الکبیر، ج ۳، ص ۱۱۸؛ ابن عبد ربہ، العقد الفرید، ج ۴، ص ۳۵۸؛ علی بن محمد علوی، (عمری)، المجدی فی انساب الطالبیین، ص ۱۹۶؛ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۲۳۹؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۵۲؛ ذہبی، تاریخ الاسلام، ج ۵، ص ۱۴، ۱۵؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۱۸۴، ۲۰۵؛ ابن عماد حنبلی، شذرات الذہب، ج ۱، ص ۲۷۴۔

اٹھارہ[1]، انیس[2]، اکیس[3]، بائیس[4]، تیئیس[5]، چھبیس[6]، امام حسین علیہ السلام اور حضرت مسلم بن عقیل سمیت[7] اور تیس افراد۔[8]

قدمت اور شہرت کی بنا پر سترہ (۱۷) والا قول قبول کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ائمہ علیہم السلام کی روایات میں بھی یہی عدد ذکر ہوا ہے۔

قبائل کے اعتبار سے شہدا کی تعداد

فضیل بن زبیر نے قبائل کے اعتبار سے ۹۷ شہدا کا تذکرہ کیا ہے:

بنی ہاشم (امام حسین علیہ السلام اور مسلم بن عقیل کو شامل کر کے): بیس، بنی اسد بن خزیمہ سے ۵، بنی غفار بن ملیل بن ضمرہ سے ۳، بنی تمیم سے ۲، بنی سعد بن بکر سے ایک، بنی تغلب سے ۴، قیس بن ثعلبہ سے ۲، بصرہ کے قبیلہ عبد القیس سے ۷، انصار (قبیلہ اوس اور خزرج) سے ۶، بنی حارث بن کعب سے ایک، بنی خثعم سے ۸، قبیلہ طی سے ۲، قبیلہ مراد سے ۳، بنی شیبان بن ثعلبہ سے ایک، بنی حنیفہ سے ایک، قبیلہ جَواب سے ۲، صَیدا سے ۲، قبیلہ کلب سے ۲، کندہ سے ۳، بجیلہ سے ۴، جہینیہ سے ۳، ازد سے ۴، ہمدان سے ۱۰، حضر موت سے ایک۔[9]

---

[1]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۱۹۰؛ شیخ صدوق، عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۲۶۸؛ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۲۷، ص ۱۹۲؛ طبرسی، تاج المواليد، ص ۳۲؛ نویری، نہایۃ الادب فی فنون الادب، ج ۲۰، ص ۲۸۹؛ عماد الدین طبری، کامل بہائی، ج ۲، ص ۳۰۳۔

[2]۔ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج ۳، ص ۱۶۸؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۲۵۵؛ ابن حجر ہیتمی، الصواعق المحرقہ، ص ۱۹۸۔

[3]۔ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۲۵۵؛ ابن حجر ہیتمی، الصواعق المحرقہ، ص ۱۹۸۔

[4]۔ ابو الفرج الصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۹۵۔

[5]۔ محمد بن احمد دولابی، الذریۃ الطاہرۃ، ص ۱۳۳، ۱۳۴؛ ابن عبد البر قرطبی، الاستیعاب، ج ۱، ص ۴۴۵۔

[6]۔ ہادی بن ابراہیم الوزیر، نہایۃ التنویہ فی ازہاق التمویہ، ص ۱۲۸، ۲۱۱۲۔

[7]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۲۲؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۵۳۔

[8]۔ شیخ طوسی، مصباح المتہجد، ص ۷۸۲؛ ابن مشہدی، المزار الکبیر، ص ۴۷۴؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۶۳، ج ۹۸، ص ۳۰۴؛ سید محسن امین، اعیان الشیعہ، ج ۱، ص ۶۱۰؛ رسول جعفریان، تاملی در نہضت عاشورا، ص ۱۴۲۔

[9]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۲ تا ۱۵۶۔

ایک ہم عصر محقق نے قیام حسینی کے آغاز سے آخر تک یہ تعداد لکھی ہے:

بنی ہاشم اور ان کے غلام چھبیس، بنی اسد سے سات، ہمدان سے چودہ، مذحج سے آٹھ، انصار سے سات، بجلیہ اور خثعمیہ سے چار، کندہ سے پانچ، بنی غفار سے تین، کلب سے تین، ازد سے سات، عبدیہ سے سات، تیمیہ سے سات، طی سے دو، تغلب سے پانچ، جہینیہ سے تین، تمیم سے دو اور دیگر قبائل سے تین افراد۔[1]

محققین نے ان کے علاوہ اور تعداد بھی لکھی ہے، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس بارے تعداد میں یکسانیت نہیں ہے، لہٰذا دقیق تعداد معلوم نہیں کی جاسکتی۔

پہلے حملے میں شہدا کی تعداد

اکثر کتابوں میں عاشورہ کے دن دشمن کی طرف سے پہلے حملے میں، امام حسینؑ کے لشکر سے شہدا کی تعداد بیان نہیں ہوئی؛ لیکن بعض کتب میں ان شہدا کی تعداد پچاس سے زیادہ لکھی ہے۔[2]

امام حسینؑ کی لاش پر گھوڑے دوڑانے والوں کی تعداد

بعض کتب میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ دشمن نے امام حسینؑ کے بدن مطہر پر گھوڑے دوڑائے، لیکن گھوڑے دوڑانے والوں کی تعداد ذکر نہیں ہوئی؛[3] البتہ بہت سے مصادر میں بیان ہوا ہے کہ دس افراد کو یہ ذمہ داری سونپی گئی؛[4] جبکہ بلعمی نے بیس افراد لکھے ہیں۔[5]

---

[1]۔ محمد سماوی، ابصار العین فی انصار الحسین، ص۴۹ تا ۲۱۸۔

[2]۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۱۱۔

[3]۔ مسعودی، مروج الذہب، ج ۳، ص ۷۲۔

[4]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۱۰؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۵۴؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۱۳؛ طبرسی، اعلام الوری، باعلام الہدی، ص ۲۴۶؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۴۴؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۲۱؛ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۸۲؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۷۸؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۵۹۔

[5]۔ بلعمی، تاریخ نامہ طبری، ج ۴، ص ۷۱۱۔

امام حسین علیہ السلام کے زخموں کی تعداد

مؤرخین نے امام حسین علیہ السلام کے بدن مطہر پر لگنے والے زخموں کی مختلف تعداد لکھی ہے:

۱۔ امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے: امام حسین علیہ السلام کے بدن مبارک پر نیزہ کے تینتیس اور تلوار کے چونتیس زخم تھے۔[1] ایک اور روایت میں نیزے کے ۳۳ اور تلوار کے ۴۴ زخم بیان ہوئے ہیں۔[2] اسی طرح امام صادق علیہ السلام سے منقول ایک اور روایت میں ستر سے زیادہ تلوار کے زخموں کا ذکر ہوا ہے۔[3]

۲۔ امام باقر علیہ السلام سے منقول ایک روایت میں تین سو بیس[4] اور دوسری روایت میں تلوار، تیر اور نیزے کے ۶۳ زخم بیان ہوئے ہیں۔[5]

۳۔ امام سجاد علیہ السلام سے منقول تلوار اور نیزے کے چالیس زخم بیان ہوئے ہیں۔[6]

۴۔ بعض کتب میں ۱۱۰ زخم یا لباس کا پارہ ہونا بیان ہوا ہے۔[7]

۵۔ بعض نے تلوار کے ایک سو بیس اور پتھر کے چھ زخم لکھے ہیں۔[8]

۶۔ ابن سعد نے ۳۳ زخم لکھے ہیں۔[9]

۷۔ علی بن محمد علوی عمری اور ابن عنبہ نے ۷۰ زخم لکھے ہیں۔[1]

---

[1] طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج۵، ص ۴۵۳؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۴۲؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۲۰؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۷۶؛ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۷۸؛ حمید بن احمد مُحلی، الحدائق الوردیۃ، ج۱، ص ۲۱۲۔

[2] تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج۳، ص ۱۶۴؛ طبری، دلائل الامامۃ، ص ۷۱، ۷۲۔

[3] شیخ طوسی، الامالی، مجلس ۳۷، ص ۶۷۷، ح ۱۰۔

[4] شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۳۱، ص ۲۲۸، ح ۱؛ ابن فتال نیشابوری، روضۃ الواعظین، ص ۱۸۹؛ طبرسی، تاج الموالید، ص ۳۱؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۸۲؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۲۰۔

[5] کلینی، الفروع من الکافی، ج۶، ص ۴۵۲، ح۹؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۹۲، ح ۳۶۔

[6] تمیمی مغربی، دعائم الاسلام، ج۲، ص ۱۵۴۔

[7] تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج۳، ص ۱۶۴؛ طبری، دلائل الامامۃ، ص ۷۲؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۴۲؛ ابن جوزی، الرد علی المتعصب العنید، ص ۳۹؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۷۶؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص ۲۱۳۔

[8] حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص ۲۱۳۔

[9] ابن سعد، ترجمۃ الحسین و مقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۱۸۴۔

۸۔ سید ابن طاوس نے امام حسینؑ کی جنگ کے وقت ۲۷ اور شہادت کے بعد تیر، تلوار، نیزے اور پتھر کے ۱۸۰ زخم[2] لکھے ہیں۔[3]

اس سے واضح ہے کہ امام حسینؑ کے بدن مطہر کے زخموں کی تعداد کے بارے میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے، لہٰذا زخموں کی دقیق تعداد معلوم کرنا ممکن نہیں ہے۔ بہر حال کہا جا سکتا ہے کہ آپ کے بدن اطہر پر سو سے زیادہ زخم آئے۔ اگرچہ بعض روایات میں ہے کہ امامؑ کو اتنے تیر لگے کہ آپ کا بدن تیروں میں چھپ گیا۔[4]

خاندانوں کی تعداد

ایک ہم عصر مصنف[5] نے کہا ہے کہ کربلا میں کچھ خاندان (گھرانہ یا کنبہ) بھی موجود تھے:

۱۔ جنادہ بن کعب بن حارث (حرث) سلمانی انصاری[6]۔

۲۔ عبد اللہ بن عمیر کلبی[7]۔

۳۔ مسلم بن عوسجہ۔

تاریخی کتابوں سے پہلے دو گھرانوں کے کربلا میں موجود ہونے کی تائید ہوتی ہے لیکن تیسرے گھرانے (مسلم بن عوسجہ) کے بارے میں کوئی معتبر سند نہیں ہے۔ البتہ بعض کتب میں ہے کہ اس کی کنیز کربلا میں موجود تھی۔[8]

---

[1]۔ محمد بن علی علوی عمری، المجدی فی انساب الطالبیین، ص ۱۹۴، ۱۹۵؛ ابن عنبہ، عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، ص ۱۷۱۔

[2]۔ سید ابن طاوس، سعد السعود، ص ۱۳۶۔

[3]۔ سید ابن طاوس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۷۲۔

[4]۔ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص ۲۴۵؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۲۰۔

[5]۔ سماوی، ابصار العین فی انصار الحسین، ص ۲۲۰، ۲۲۱۔

[6]۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۲۵۔

[7]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۳۸۔

[8]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۳۶؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۱، ص ۱۹؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۲۰۔

۴۔ امام سجادؑ اور آپ کی زوجہ محترمہ اور امام باقرؑ کی والدہ گرامی۔[1]

۵۔ ابوسعید بن عقیل یا محمد بن ابی سعید بن عقیل اور ان کی زوجہ فاطمہ بنت امیر المومنین ؑ۔[2]

۶۔ جعفر بن عقیل اور آپ کی زوجہ ام حسن۔[3]

۷۔ زہیر بن قین۔[4]

شہدائے کربلا میں سے پیغمبر اکرمؐ کے صحابہ کی تعداد

امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں میں، رسول اکرمؐ کے کچھ صحابہ بھی شامل تھے، جن کی موجودگی امام حسینؑ کی حقانیت کی ایک اہم دلیل ہے؛ لیکن مؤرخین نے ان صحابہ کرام کی تعداد ایک جیسی نہیں لکھی۔ فضیل بن زبیر نے چھ[5]، مسعودی نے چار[6]، سماوی نے پانچ[7] شہدا، پیغمبر اکرمؐ کے صحابی بتائے ہیں جبکہ بعض کے صحابیِ رسول ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ بہر حال شہدائے کربلا میں درج ذیل چند اصحابِ رسولؐ موجود تھے:

۱۔ انس بن حارث کاہلی[8]۔

۲۔ عبد الرحمان بن عبد ربہ انصاری[9]۔

---

[1]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص۱۸۷۔

[2]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص۱۸۷؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۶۱؛ شیخ صدوق، الامالی، ص۲۳۱؛ ابن کثیر، البدایہ و النہایہ، ج۸، ص۲۱۱۔

[3]۔ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج۳، ص۱۹۸۔

[4]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص۱۹۰؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص۲۵۶۔

[5]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۳، ۱۵۴۔

[6]۔ مسعودی، مروج الذہب ومعادن الجوہر، ج۳، ص۷۱۔

[7]۔ سماوی، ابصار العین فی انصار الحسین، ص۲۲۱۔

[8]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۰۵؛ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ ۲، ص۱۵۲؛ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص۲۱؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۱، ص۱۸۴۔

[9]۔ ابن اثیر، اسد الغابہ، ج۳، ص۳۰۷۔

۳۔ عبد اللہ بن یُقطر[1]۔

۴۔ عمار بن ابی سلامۃ دالانی ہمدانی[2]۔

۵۔ مسلم بن عوسجہ اسدی[3]۔

۶۔ نعیم بن عجلان انصاری[4]۔

۷۔ ہانی بن عروہ مرادی[5]۔

شہدا کے کٹے ہوئے سروں کی تعداد

شہدائے کربلا کے کٹے ہوئے سروں کی تعداد کے بارے میں مؤرخین متفق نہیں ہیں:

۱۔ بلاذری، دینوری، طبری، شیخ مفید، خوارزمی، کتاب الفتوح کے مترجم اور ابن نما نے (امام حسینؑ کے علاوہ) ۷۲ سر لکھے ہیں۔[6]

۲۔ جس روایت میں سروں کو قبائل کے درمیان تقسیم کرنے کی بات ہوئی ہے، دینوری نے اس میں ۷۵ سر اور بلاذری نے ابو مخنف سے ۸۲ سر نقل کیے ہیں۔[7]

۳۔ سبط ابن جوزی نے ہشام کلبی سے ۹۲ سر نقل کیے ہیں۔[8]

۴۔ سید ابن طاوس اور محمد بن ابی طالب موسوی نے ۷۸ سر کہے ہیں۔[1]

---

[1]۔ ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، ج۵، ص۸۔

[2]۔ ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، ج۵، ص۱۰۷۔

[3]۔ مامقانی، تنقیح المقال، ج۳، ص۲۱۴۔

[4]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۳۔

[5]۔ ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، ج۶، ص۴۴۵؛ خواند میر، تاریخ حبیب السیر فی اخبار افراد بشر، ج۲، ص۴۳؛ مامقانی، تنقیح المقال، ج۳، ص۲۸۸۔

[6]۔ طربی، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۵۶؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۱۲؛ الاخبار الطوال، ص۳۸۳؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۱۳؛ کوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۴۵؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ص۹۱۴؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۸۴۔

[7]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۱۲؛ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۸۳۔

[8]۔ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص۲۵۶۔

۵۔ طبری اور ابن شہر آشوب نے ابو مخنف سے اور ابن صباغ مالکی، نے سروں کی تعداد ۷۰ لکھی ہے، جو ابن زیاد کے پاس بھیجے گئے۔[2]

چونکہ پہلے قول کے قائلین قدیمی ہیں اس لیے پہلا قول ہی زیادہ معتبر ہے۔

شہید غلاموں کی تعداد

فضیل بن زبیر نے امام حسین علیہ السلام کے آزاد کردہ غلاموں میں سے شہدا کی تعداد تین[3] لکھی ہے اور ابن سعد اور طبری نے دو لکھی ہے۔[4] فضیل نے حضرت حمزہ کا ایک غلام بھی شہیدوں میں شمار ہے۔[5]

ابن شہر آشوب اس بارے میں لکھتے ہیں: امام حسین علیہ السلام کے دس اور امیر المومنین علیہ السلام کے دو غلام کربلا میں شہید ہوئے۔[6]

ایک محقق[7] نے پندرہ اور دوسرے[8] نے چار غلام لکھے ہیں۔

گویا مؤرخین کی بے توجہی کی وجہ سے غلاموں کی تعداد میں اختلاف ہوا ہے؛ البتہ اس سلسلہ میں ابن شہر آشوب کا قول کا معتبر نظر آتا ہے۔

کربلا کی تنہا شہیدہ عورت

قدیمی کتب میں آیا ہے کہ کربلا میں ایک عورت بھی شہید ہوئی، جس کا نام ام وہب ہے اور وہ عبد اللہ بن عمیر کلبی کی زوجہ ہیں۔[1]

---

[1]۔ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۹۰؛ حسینی موسوی، تسلیۃ المجالس وزینۃ المالس، ج ۲، ص ۳۳۱؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۶۲۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۶۸؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۲۱؛ ابن صباغ مالکی، الفصول المہمۃ، ج ۲، ص ۸۴۹۔

[3]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۵؛ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۲۔

[4]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۱۸۶؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۶۹۔

[5]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۲۔

[6]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۲۲۔

[7]۔ سماوی، ابصار العین فی انصار الحسین، ص ۲۲۱، ۲۲۲۔

[8]۔ اصغر منتظر القائم، نقش قبائل یمنی در حمایت از اہل بیت، ص ۳۰۰۔

سپاہِ امام حسینؑ کے زخمیوں کی تعداد

مؤرخین کے مطابق معرکہ کربلا میں امام حسینؑ کے لشکر سے صرف ایک زخمی زندہ بچ گیا تھا اور وہ حسن بن حسن بن علیؑ (حسن مثنی) تھے۔[۲]

البتہ عاشورہ کے دن تین افراد زخمی ہوئے، جو بعد میں درجہ شہادت پر فائز ہو گئے:

۱۔ سوار بن ابی خمیر جابری[۳]۔

۲۔ عمرو بن عبد اللہ ہمدانی جندعی[۴]۔

۳۔ مرقع بن ثمامہ اسدی[۵]۔

اسیروں اور پسماندگان کی تعداد

ابن سعد نے پسماندگان کی کل تعداد (بچے اور بڑے) پانچ[۶]، دینوری نے چار[۷] (دو اصحاب اور دو بنی ہاشم) ابن قتیبہ اور ابن عبد ربہ نے بارہ[۸]، ابو الفرج اصفہانی نے سات[۹]، قاضی نعمان مغربی نے چودہ[۱۰] بیان کی ہے۔

---

[۱]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۳۸؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۱۶۔

[۲]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۰؛ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص۱۸۶؛ ابن حبان، کتاب الثقات، ج۲، ص۳۱۰؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۱۱۹؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۲۲۔

[۳]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۰۵؛ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۶۔

[۴]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۶۔

[۵]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۱۱، ص۱۸۳۔

[۶]۔ ابن سعد، ترجمۃ الاحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص۱۸۶، ۱۸۷۔

[۷]۔ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۸۲۔

[۸]۔ ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، ج۲، ص۱۲؛ ابن عبد ربہ، العقد الفرید، ج۴، ص۳۵۸۔

[۹]۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۱۱۹۔

[۱۰]۔ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج۳، ص۱۹۶ تا ۱۹۹۔

ہم ذیل میں مردوں اور عورتوں کی تعداد علیحدہ لکھتے ہیں:

ا۔ مردوں کی تعداد

قدیمی کتب میں واقعہ کربلا سے بچ جانے والے مردوں کی مندرجہ ذیل تعداد بیان ہوئی ہے، جن میں سے اکثر کم سن تھے:

ا۔ امام سجاد علیہ السلام۔

۲۔ امام باقر علیہ السلام۔

۳۔ عمر بن حسین بن علی بن ابی طالب۔[1]

۴۔ محمد بن حسین بن علی۔[2]

۵۔ زید بن حسن بن علی بن ابی طالب۔[3]

۶۔ عمرو بن حسن بن علی بن ابی طالب۔[4]

۷۔ محمد بن عمرو بن حسن بن علی بن ابی طالب۔[5]

۸و۹۔ جعفر بن ابی طالب کے دو بیٹے۔[6]

۱۰۔ عبد اللہ بن عباس بن علی۔[7]

---

[1] ۔ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۸۲؛ مسروفی ہروی، ترجمۃ الفتوح، ص ۹۰۸؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۸، ص ۲۱۲۔

[2] ۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۱۱؛ ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسہ، ج۲، ص ۱۲؛ ابن عبد ربہ، العقد الفرید، ج۴، ص ۳۵۸، ۳۶۰؛ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج۳، ص ۱۹۷۔

[3] ۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۱۱۹؛ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۹۱۔

[4] ۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۱۸۶؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۶۲؛ ابن حبان، کتاب الثقات، ج۲، ص ۳۱۰، ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۱۱۹۔

[5] ۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۰ تا ۱۵۷؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۰۱؛ ابو الصلاح حلبی، تقریب المعارف، ص ۲۵۲۔

[6] ۔ ابن قتیبہ، دینوری، الامامۃ والسیاسہ، ج۲، ص ۸۔

[7] ۔ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج۳، ص ۱۹۸۔

۱۱۔ قاسم بن عبد الل بن جعفر۔[1]

۱۲۔ قاسم بن محمد بن جعفر۔[2]

۱۳۔ محمد اصغر بن عقیل۔[3]

۱۴۔ عقبہ بن سمعان، حضرت رباب کا غلام۔[4]

۱۵۔ عبد الرحمان بن عبد ربہ انصاری کا غلام۔[5]

۱۶۔ مسلم بن رباح، امیر امومنین علیہ السلام کا غلام۔[6]

۱۷۔ علی بن عثمان مغربی۔[7]

۲۔ خواتین کی تعداد

ابن سعد نے اسیر ہونے والی مخدراتِ عصمت و طہارت کی تعداد (کنیزوں کے علاوہ) چھ[8] لکھی ہے، جبکہ قاضی نعمان مغربی نے یہ تعداد چار[9] اور ابو الفرج اصفہانی نے تین کہی ہے۔[10] تاریخی کتب میں ان مندرجہ ذیل نام ذکر ہوئے ہیں:

---

[1]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۱۸۷؛ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ج ۴، ص ۱۵۴۔

[2]۔ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج ۳، ص ۱۹۸۔

[3]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۱۸۷؛ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ج ۵۷، ص ۱۷۶؛ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ج ۴، ص ۱۵۴۔

[4]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۱۱؛ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۸۳؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۵۴۔

[5]۔ طربی، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۲۳۔

[6]۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ج ۱۴، ص ۲۱۶۔

[7]۔ شیخ صدوق، کمال الدین وتمام النعمۃ، ص ۵۴۶۔

[8]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۱۸۷؛ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ج ۴، ص ۱۵۴۔

[9]۔ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج ۳، ص ۱۹۸، ۱۹۹۔

[10]۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۱۱۹۔

۱،۲،۳،۴۔امیر المومنین علیہ السلام کی صاحبزادیاں: حضرت زینب (کبریٰ) [1] علیہا السلام، حضرت فاطمہ [2] علیہا السلام، حضرت ام کلثوم [3] (صغری، نفیسہ یا زینب صغریٰ اسی بی بی کے نام ہیں) علیہا السلام، حضرت ام حسن [4] علیہا السلام۔

۵،۶۔امام حسین علیہ السلام کی بیٹیاں: حضرت فاطمہ علیہا السلام [5] اور حضرت سکینہ علیہا السلام۔[6]

۷۔امام حسین علیہ السلام کی زوجہ معظمہ حضرت رباب [7] علیہا السلام، جو حضرت سکینہ اور عبد اللہ رضیع (علی اصغر) کی والدہ ماجدہ ہیں۔

۸۔حضرت ام محمد [8] (فاطمہ: امام حسن علیہ السلام کی بیٹی، امام سجاد علیہ السلام کی زوجہ اور امام محمد باقر علیہ السلام کی والدہ ماجدہ علیہا السلام۔

۹۔حضرت زینب سلام اللہ کی کنیزیں۔[9]

قیام حسینی میں کردار ادا کرنے والی خواتین

۱۔ماریہ بنت سعد یا مُنقذ، جس کا گھر بصرہ میں شیعوں کے جمع ہونے کی جگہ تھا۔

---

[1]۔ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ ۱۰، ص ۱۸۷؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۶۱؛ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۳۱، ص ۲۲۹؛ ابن کثیر، النداية والنهاية، ج۸، ص ۲۱۱۔

[2]۔ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ ۱۰، ص ۱۸۷؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۶۱؛ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۳۱، ص ۲۲۹؛ ابن کثیر، النداية والنهاية، ج۸، ص ۲۱۱۔

[3]۔ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۱۱۹؛ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج۳، ص ۱۹۸۔

[4]۔تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج۳، ص ۱۹۸۔

[5]۔ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۱۸۷؛ طبرانی، المعجم الکبیر، ج۳، ص ۱۰۴؛ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج۳، ص ۱۹۸؛ شیخ صدوق، الامالی، ص ۲۲۸؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۱۸۰؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۲۵؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص ۲۱۳۔

[6]۔ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ ۱۰، ص ۱۸۷؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۱۱۹؛ طبرانی، المعجم الکبیر، ص ۱۰۴؛ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ص ۱۹۹؛ شیخ صدوق، الامالی، ص ۲۳۰۔

[7]۔ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ ۱۰، ص ۱۸۷۔

[8]۔ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ ۱۰، ص ۱۸۷۔

[9]۔طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۵۷؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۱۱۵؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص ۲۴۷؛ اربلی، کشف الغمہ، ج۲، ص ۲۷۵؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۸، ص ۲۱۰۔

۲۔ طوعہ[2] (اشعث بن قیس کی کنیز) جس نے حضرت مسلم کو اس وقت اپنے گھر میں پناہ دی، جب آپ کوفہ کے گلی کوچوں میں تنہا رہ گئے تھے۔

۳۔ دیلم[3] یا دَلہم[4]: زہیر بن قین کی بیوی، جس نے اپنے شوہر کو امام حسینؑ کی فوج میں شامل ہونے کی ترغیب دلائی۔

۴۔ ایک کوفی عورت جس نے مخدراتِ عصمت وطہارت کو لباس اور مقنعے دیے تھے۔[5]

امامؑ کے دشمنوں پر اعتراض کرنے والی خواتین

واقعہ کربلا میں پانچ خواتین کے نام ذکر ہوئے ہیں، جنہوں نے یزیدی فوج پر اعتراض کیا:

۱۔ ام عبد اللہ[6] بنت حُر بدّی کندی، جس نے اپنے شوہر پر امام حسینؑ کی ٹوپی لوٹنے پر اعتراض کیا تھا۔

۲۔ عبد اللہ بن عفیف ازدی[7] کی بیٹی۔ جب ابن زیاد کے سپاہیوں نے اس کے باپ کا محاصرہ کیا تو اس نے اپنے باپ کا دفاع کیا۔

۳۔ قبیلہ بنی بکر بن وائل کی ایک عورت؛[8] جس نے عمر بن سعد کے لشکر پر اعتراض کیا، جب وہ خیام حسینیؑ کو لوٹ رہے تھے۔

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۳۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۳۔

[3]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۷۸، ۳۷۹۔

[4]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۹۶۔

[5]۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۸۵؛ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۱۹۰؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۱۰۸۔

[6]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۸؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۷۶۔

[7]۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۹۳؛ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۲۰۵؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۱۲۰۔

[8]۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۷۷؛ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۱۸۰۔

۴۔ کعب بن جابر بن عمرو ازدی کی بیوی نوار؛[1] جس نے اپنے شوہر پر عمر بن سعد کے لشکر میں شمولیت اور بریر بن خضیر کے قتل پر اعتراض کیا۔

۵۔ نوّار[2] بنت مالک بن عقرب حضرمی؛ جس نے امام حسین علیہ السلام کا سر اپنے گھر لانے پر اپنے شوہر خولی کی مذمت کی۔

امام حسین علیہ السلام کی اجازت سے چھوڑ جانے والا شخص

مؤرخین نے صرف ضحّاک بن عبد اللہ مِشرقی کا نام لیا ہے، جو امام حسین علیہ السلام کی اجازت سے آپ کے لشکر سے جدا ہو گیا۔[3]

قیامِ عاشورہ کے دنوں پر ایک نظر

ساٹھ ہجری

نمبر	ایام	مناسبت
۱	پندرہ رجب	مرگِ معاویہ۔
۲	ستائیس رجب	مدینہ کے حاکم ولید بن عُتبہ کا امام حسین علیہ السلام سے بیعت کا مطالبہ۔

---

[1] ۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۹۹؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۳۲۔

[2] ۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۱۱؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۵۵؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۱۱۴؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۸۵؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۸، ص۲۰۶۔

[3] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۴۔

۳	اٹھائیس رجب (بروز اتوار)	امام حسینؑ کی مدینہ سے روانگی۔
۴	تین شعبان (شب جمعہ)	امام حسینؑ کا مکہ میں داخلہ۔
۵	دس رمضان	امام حسینؑ کو کوفیوں کا سب سے پہلا خط عبد اللہ بن مسمع ہمدانی اور عبد اللہ بن وال کے ہاتھوں ملا۔
۶	بارہ رمضان	قیس بن مسہر صیداوی، عبد الرحمن بن عبد اللہ ارجبی اور عمارہ بن عبد سلولی کے ہاتھوں کوفیوں کے ایک سو پچاس خط امام حسینؑ کو ملے۔
۷	چودہ رمضان	بزرگان کوفہ کے خطوط ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبد اللہ حنفی کے ہاتھوں امام حسینؑ پاس پہنچے۔
۸	پندرہ رمضان	مسلم بن عقیل کی مکہ سے روانگی۔
۹	پانچ شوال	حضرت مسلم بن عقیل کا کوفہ میں داخلہ۔

۱۰	آٹھ ذی الحجہ (بروز منگل)	امام حسین علیہ السلام کی مکہ سے روانگی اور کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیل کا قیام۔
۱۱	نو ذی الحجہ	حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت۔[1]

---

[1] طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج۵، ص ۳۴۱، ۳۸۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۳۷۱؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۳۴؛ ابن فتال نیشابوری، روضۃ الواعظین، ص ۱۷۲؛ ابن کثیر، البدایہ و النہایہ، ج۸، ص ۱۷۱؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۹۸۔ مسعودی، مروج الذہب، ج۳، ص ۶۴؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج۲، ص ۱۴۸؛ محمد بن طلحہ شافعی، مطالب السؤول فی مناقب آل الرسول، ج۲، ص ۷۳۔

اکسٹھ ہجری

نمبر شمار	ایام	مناسبت
۱	دو محرم	امام حسین علیہ السلام کا کربلا پہنچنا۔
۲	تین محرم	عمر بن سعد کا چار ہزار سپاہیوں کے ہمراہ کربلا آنا۔
۳	چھ محرم	دشمن کی پوری فوج اکھٹی ہوئی اور حبیب بن مظاہر نے قبیلہ بنی اسد سے امام حسین علیہ السلام کے لیے مدد مانگی اور ناکام ہوئے۔
۴	سات محرم	امام حسین علیہ السلام کا پانی بند ہوا۔
۵	نو محرم	شمر بن ذی الجوشن کربلا آیا، عمر بن سعد کی فوج نے اعلان جنگ کیا اور امام حسین علیہ السلام نے مہلت مانگی۔
۶	دس محرم (عاشورہ)	امام حسین علیہ السلام، بنی ہاشم، اصحاب کی شہادت اور اہل بیت علیہم السلام کی اسیری۔
۷	گیارہ محرم	قیدیوں کی کوفہ روانگی، بستی غاضریہ کے قبیلہ بنی اسد نے شہدا کے لاشے دفن کیے۔
۸	بارہ محرم	اہل بیت علیہم السلام کا کوفہ میں داخلہ۔
۹	تیرہ محرم	اہل بیت علیہم السلام کی کوفہ سے شام روانگی۔
۱۰	یکم صفر	اہل بیت علیہم السلام اور امام حسین علیہ السلام کے سروں کا شام پہنچنا۔

۱۱	بیس صفر	اربعین حسینی، (بعض اقوال کی بناپر) اہل بیت علیہم السلام شام سے مدینہ واپسی پر کربلا پہنچے۔[1]

[1] ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۸، ص۱۷۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۸۵؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۰۹؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۸۴؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۸۳؛ ابن فتال نیشابوری، روضۃ الواعظین، ص۱۸۱؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۰۵؛ سید ابن طاووس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص۱۳۹؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۴۹؛ محمد بن طلحہ شافعی، مطالب السؤول فی مناقب آل الرسول، ج۲، ص۷۷؛ ابن جوزی، المنتظم، ج۵، ص۳۳۶؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۳۴۵؛ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص۱۷۹؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص۲۴۶؛ ابوریحان بیرونی، الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ، ص۳۳۱؛ زکریا محمد بن محمود قزوینی، عجائب المخلوقات والحیوانات وغرائب الموجودات، ج۱، ص۱۰۹؛ کفعمی، المصباح، ص۵۰۹، ۵۱۰؛ ملا حسین کاشفی، روضۃ الشہدا، ص۳۹۱؛ بہاؤالدین عاملی، توضیح المقاصد، ص۶، ۷؛ شیخ مفید، مسار الشیعہ، ص۴۶؛ شیخ طوسی، مصباح المتہجد، ص۷۸۷؛ علی بن یوسف بن مطہر حلی، العدد القویہ، ص۲۱۹۔

بارہویں فصل

شہدائے بنی ہاشم کے حالات زندگی

حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے بیٹے

۱۔ حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت ام البنین فاطمہ بنت حزام بن خالد بن ربیعہ بن وحید بن کلاب بن ربیعہ العامری ہیں۔[۱] حضرت علی علیہ السلام نے اپنے بھائی عقیل سے کہا کہ میرے لیے کسی بہادر خاندان سے رشتہ تلاش کرو، تاکہ میرا ایک بہادر بیٹا ہو۔ جناب عقیل نسب شناس تھے۔ انہوں نے حضرت ام البنین کا مشورہ دیا اور کہا کہ عرب میں اس کے آباؤ اجداد سے بڑھ کر کوئی دلیر نہیں ہے۔[۲] ان سے چار بیٹے ہوئے، جن کے نام یہ ہیں: حضرت عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان۔[۳]

حضرت عباس اتنے خوبصورت تھے کہ ان کو قمر بنی ہاشم کہا جاتا تھا[۴]۔ آپ روزِ عاشورہ امام حسین علیہ السلام کی فوج کے علمدار تھے۔[۵] آپ کی کنیت ابوالفضل اور ابو القِربۃ اور مشہور القاب: قمر بنی ہاشم[۶]، سقا[۷]، علمدار[۸] اور شہید[۹] ہیں۔

۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ج۳، ص ۲۰؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۱، ص ۳۵۴؛ ابن عنبہ، عمدۃ الطالب، ص ۳۲۷۔

۲۔ ابن عنبہ، عمدۃ الطالب، ص ۳۲۷۔

۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ج۳، ص ۲۰؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۱، ص ۳۵۴۔

۴۔ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۸۴، ۸۵۔

۵۔ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۸۴، ۸۵؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۱۷۔

۶۔ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۸۵؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۱۷۔

۷۔ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۸۵؛ ابن عنبہ، عمدۃ الطالب، ص ۳۲۷؛ مزی، تہذیب الکمال، ج ۲۰، ص ۴۷۹؛ علوی، المُجدی فی انساب الطالبیین، ص ۴۳۶، ۴۳۷؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۱۷۔

۸۔ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۸۵؛ ابن عنبہ، عمدۃ الطالب، ص ۳۲۷۔

۹۔ علوی، المُجدی فی انساب الطالبیین، ص ۴۳۶، ۴۳۷۔

حضرت عباس علیہ السلام کے فضائل

آپ بچپن سے ہی اہل معرفت تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن امیر المومنین علیہ السلام نے حضرت عباس کو اپنی گود میں لیا اور فرمایا: کہو ایک۔ حضرت عباس نے کہا: ایک۔ پھر فرمایا: کہو دو۔ حضرت عباس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے وجہ پوچھی۔ حضرت عباس نے کہا: جس زبان سے اپنے رب کو ایک کہا ہے، اس سے دو کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اس جواب پر امیر المومنین علیہ السلام نے شاباش دی۔[1]

امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں:

رَحِمَ اللہُ الْعَبَّاسَ یَعْنِیْ ابْنَ عَلِیٍّ فَلَقَدْ آثَرَ وَ أَبْلٰی وَ فَدٰی أَخَاہُ بِنَفْسِہٖ حَتّٰی قُطِعَتْ یَدَاہُ فَأَبْدَلَہُ اللہُ بِھِمَا جِنَاحَیْنِ یَطِیْرُ بِھِمَا مَعَ الْمَلَائِکَۃِ فِی الْجَنَّۃِ کَمَا جَعَلَ لِجَعْفَرِ بْنِ أَبِیْ طَالِبٍ وَ إِنَّ لِلْعَبَّاسِ عِنْدَ اللہِ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی لَمَنْزِلَۃً یَغْبِطُہُ بِھَا جَمِیْعُ الشُّھَدَآءِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔[2]

اللہ تعالیٰ، عباس ابن علی (یعنی میرے چچا) پر رحمت نازل فرمائے۔ انہوں نے اپنے بھائی کی راہ میں ایسی جانثاری کی کہ آپ کے دونوں بازو قلم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جعفر (طیار) بن ابی طالب کی طرح دو پَر عطا کیے ہیں، جن کے ساتھ وہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ روزِ قیامت تمام شہدا ان پر رشک کریں گے۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

کَانَ عَمُّنَا الْعَبَّاسُ نَافِذَ الْبَصِیْرَۃِ صُلْبَ الْاِیْمَانِ، جَاھَدَ مَعَ أَبِیْ عَبْدِ اللہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَ أَبْلٰی بَلَآءً حَسَناً وَ مَضٰی شَھِیْداً۔[3]

---

[1] خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۱۲۲؛ حسین نوری، مستدرک الوسائل، ج۱۵، ص۲۱۵۔

[2] شیخ صدوق، الخصال، ص۶۷، ح۱۰۱؛ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۷۰، ص۵۴۸، ح۷۳۱۔

[3] ابو نصر بخار، سر السلسلۃ العلویۃ، ص۸۹؛ ابن عنبہ، عمدۃ الطالب، ص۳۲۷۔

ہمارے چچا عباس کامل بصیرت اور محکم ایمان رکھنے والے تھے۔ آپ نے امام حسین ؑ کے ہمراہ جہاد کیا، احسن انداز سے امتحان دیا اور شہید ہو گئے۔

لوگوں نے آپ کی بہت سی کرامات دیکھی ہیں اور جن لوگوں نے آپ سے توسل کیا ہے، ان کی حاجات پوری ہوئی ہیں اور یہ بات لوگوں کے درمیان مشہور ہے۔

حضرت عباس علمدار، تین اماموں ؑ کے ساتھ

شہادت کے وقت آپ کی عمر ۳۴ سال تھی۔[1] آپ کی ولادت سنہ ۲۶ ہجری میں ہوئی۔ اس بنا پر حضرت علیؑ کی شہادت کے وقت آپ کی عمر چودہ سال، اور امام حسنؑ کی شہادت کے وقت چوبیس سال تھی؛ پھر آپ نے دس سال امام حسینؑ کے ساتھ زندگی گزاری۔[2]

حضرت عباسؑ کے جنگ صفین میں موجود ہونے کے متعلق مؤرخین کا اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ آپ جنگ صفین میں شریک ہوئے۔[3]

ایک ہم عصر محقق کا نظریہ ہے کہ حضرت عباسؑ بعض جنگوں میں موجود تھے، لیکن امیر المومنین نے ان کو لڑنے کی اجازت نہیں دی۔[4] بعض نے کہا ہے کہ آپ نے جنگ صفین میں بہادری کے ساتھ معاویہ کی فوج کے کمانڈر ابن شعثاء اور اس کے سات بیٹوں کو جہنم واصل کیا اور دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیا؛[5] لیکن یہ بات قدیمی کتابوں میں ذکر نہیں ہوئی۔

---

[1] ۔ ابن عنبہ، عمدۃ الطالب، ص ۳۲۷؛ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج ۳، ص ۱۹۴۔

[2] ۔ سید محسن امین، اعیان الشیعہ، ج ۷، ص ۴۲۹؛ محمد سماوی، ابصار العین، ص ۵۷۔

[3] ۔ خوارزمی، المناقب، ص ۲۲۷۔

[4] ۔ سید محسن امین، اعیان الشیعہ، ج ۷، ص ۴۲۹۔

[5] ۔ بیرجندی خراسانی، کبیرت الاحمر فی شرائط المنبر، ص ۳۸۵، ۳۸۶۔

محدث نوری کہتے ہیں کہ یہ واقعہ عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کا ہے؛ کیونکہ اس سے ملتا جلتا واقعہ ان کے بارے میں بھی نقل ہوا ہے اور اسی وجہ سے بعض لکھاریوں نے اشتباہ کیا ہے، وگرنہ حضرت عباس علیہ السلام صفین میں موجود ہی نہ تھے۔[1]

بعض محققین نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں کیونکہ دونوں واقعات مناقبِ خوارزمی میں چند صفحات کے فاصلے پر بیان ہوئے ہیں اور یہ بات غیر متوقع ہے کہ خوارزمی نے ایک ہی واقعہ کو دو انداز سے بیان کیا ہو۔[2]

اگر یہ قبول کرلیں کہ حضرت عباس علیہ السلام کی تاریخ پیدائش چھبیس (۲۶) ہجری ہے تو آپ ۳۷ ہجری کو جنگ صفین میں گیارہ سال کے تھے اور اس صورت میں قبول نہیں کیا جاسکتا کہ آپ نے اس عمر میں جنگ میں شرکت کی ہو۔

حضرت عباس علیہ السلام اپنے بابا کے قاتل سے قصاص لینے کے وقت موجود تھے؛ لیکن قصاص جاری کرنے میں ان کا کردار نہیں ہے۔[3] آپ امام حسن علیہ السلام کے غسلِ میت کے وقت اپنے بھائی محمد حنفیہ کے ہمراہ امام حسین علیہ السلام کی مدد کرتے رہے۔[4]

واقعہ کربلا سے پہلے امام حسین علیہ السلام کے زمانہ امامت میں حضرت عباس علیہ السلام کے بارے میں کوئی معلومات موجود نہیں ہیں؛ لیکن یہ مسلّم ہے کہ آپ تحریک عاشورہ کے آغاز ہی سے اپنے بڑے بھائی کے شانہ بشانہ تھے اور ان کے ساتھ ہی مدینہ چھوڑ کر مکہ گئے۔[5]

---

[1] ۔ بیر جندی خراسانی، کبریت الاحمر فی شرائط المنبر، ص ۳۸۵۔

[2] ۔ مقرم، العباس، ص ۱۷۸،۲۷۷۔

[3] ۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ج ۳، ص ۴۰؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۲۶۳۔

[4] ۔ دیار بکری، تاریخ الخمیس، ج ۲، ص ۲۹۳۔

[5] ۔ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۲۳۷؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۳۴۔

حضرت عباسؑ کی عظیم نسل

حضرت عباس علمدارؑ نے لبابہ بنت عبید اللہ بن عباس بن عبد المطلب کے ساتھ شادی کی۔[۱] البتہ آپ کی ایک کنیز بھی تھی جس سے ایک بیٹا حسن تھا۔[۲] حضرت عباسؑ کی اولاد کے بارے میں اختلاف ہے؛ لیکن تمام نسب شناس علماء کا اتفاق ہے کہ حضرت عباس علمدارؑ کی نسل صرف آپ کے بیٹے عبید اللہ سے آگے بڑھی۔[۳]

۲۔ عبد اللہ بن علیؑ

حضرت عبد اللہ، حضرت ام البنین کے بیٹے اور حضرت عباس کے بھائی ہیں۔ آپ کا لقب عبد اللہ اصغر[۴] اور کنیت ابو محمد ہے۔[۵] شہادت کے وقت آپ کی عمر مبارک پچیس (۲۵) سال تھی اور آپ کی اولاد نہیں تھی۔[۶] حضرت عبد اللہ کو ہانی بن ثُبیت حضرمی ملعون نے شہید کیا۔[۷]

۳۔ عثمان بن علیؑ

ابو عمرو[۸] عثمان بھی حضرت ام البنین کے فرزند اور حضرت عباس کے بھائی ہیں۔[۱] امیر المومنین ؑ نے عثمان بن مظعون کی محبت میں ان کا نام عثمان رکھا اور فرمایا:

---

[۱]۔ ابن قتیبہ دینوری، المعارف، ص۱۲۷؛ ابن حبیب، المحبر، ص۴۴۱۔

[۲]۔ ابن قتیبہ دینوری، المعارف، ص۱۲۷۔

[۳]۔ ابو نصر بخاری، سر السلسلۃ العلویہ، ص۸۹؛ ابن حزم اندلسی، جمہرۃ انساب العرب، ص۶۷؛ ابن عنبہ، عمدۃ الطالب، ص۳۲۸؛ ابن قتیبہ دینوری، المعارف، ص۱۲۷؛ علوی، المجدی فی انساب الطالبیین، ص۴۳۶؛ عبد الواحد مظفر، بطل العلقمی، ج۳، ص۴۸۶۔

[۴]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۲۲۔

[۵]۔ علوی عمری، المجدی فی انساب الطالبیین، ص۱۹۷۔

[۶]۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۸۲۔

[۷]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص۱۸۵؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۸، ۴۴۹۔

[۸]۔ علوی، المجدی فی انساب الطالبیین، ص۱۹۷۔

اِنَّمَا سَمَّيْتُهُ بِاسْمِ اَخِيْ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُوْنَ[۲]

میں نے اپنے بیٹے کا نام اپنے بھائی عثمان بن مظعون کے نام پر رکھا ہے۔

حضرت عثمان، روزِ عاشورہ خولی بن یزید کے تیر سے شہید ہوئے۔[۳] شہادت کے وقت آپ کی عمر اکیس سال تھی۔[۴]

۴۔ جعفر بن علی علیہ السلام

ابو عبد اللہ[۵] جعفر، حضرت ام البنین[۶] کے فرزند اور حضرت عباس کے آخری بھائی تھے۔ انہوں نے کربلا میں ہانی بن ثُبیت حضرمی کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا۔[۷] کچھ مؤرخین کا خیال ہے کہ شہادت کے وقت آپ کی عمر انیس سال تھی۔[۸]

۵۔ ابو بکر بن علی علیہ السلام

ان کی ماں کا نام لیلی بیان ہوا ہے۔[۱] بعض علما نے کہا ہے کہ ان کا نام اصغر[۲] تھا؛ لیکن بعض کتب میں محمد اصغر اور ابو بکر کو اکٹھا حضرت علی علیہ السلام کے دو بیٹوں کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔[۳] ابن اعثم اور علوی نے ان کا نام عبد اللہ بیان کیا ہے۔[۴] آپ نے روز عاشورہ جامِ شہادت نوش فرمایا۔[۵]

---

[۱]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۸، ۴۴۹؛ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۰؛ ابن عنبہ، عمدۃ الطالب، ص ۳۲۷۔

[۲]۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۸۴۔

[۳]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۱۸۵۔

[۴]۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۸۳؛ علوی، المجدی فی انساب الطالبیین، ص ۱۹۷؛ ابن فندق، لباب الانساب، ج۱، ص ۳۹۸؛ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج۳، ص ۱۹۴۔

[۵]۔ علوی، المجدی فی انساب الطالبیین، ص ۱۹۷۔

[۶]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۸، ۴۴۹؛ ابن سعد الطبقات الکبری، ج۳، ص ۲۰۔

[۷]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۱۴۹؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۸۳؛ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۱۸۵۔

[۸]۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۸۳؛ ابن فندق، لباب الانساب، ج۱، ص ۳۹۸۔

۶۔ محمد بن علیؑ

بعض مؤرخین نے انہیں اصغر کے لقب سے یاد کیا ہے۔[6] ان کی ماں اسماء بنت عمیس خثعمی[7] ہیں اور بعض کہا ہے کہ ان کی ماں کنیز تھیں۔[8] آپ عاشورہ کے دن بائیس سال[9] کی عمر میں بنی ابان بن دارم کے ایک شخص کے ہاتھوں شہید ہوئے۔[10]

امام حسنؑ کے بیٹے

امام حسن مجتبیٰؑ کے تین بیٹوں نے روزِ عاشورہ، امام حسینؑ کے رکاب میں جام شہادت نوش فرمایا۔

---

[1]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ ۲، ص۱۴۹؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۸۶؛ ابن سعد، الطبقات الکبری، ج۳، ص۱۹؛ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص۱۰۶۔

[2]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۱، ص۲۵۴۔

[3]۔ شیخ مفید، الاختصاص، ص۸۲؛ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۴۹؛ طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج۵، ص۴۶۸؛ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص۱۰۵،۱۰۶۔

[4]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۱۲؛ علوی، المجدی فی انساب الطالبیین، ص۱۹۷۔

[5]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ ۲، ص۱۴۹؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۸۶۔

[6]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۴۹؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۸۵؛ طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج۵، ص۴۴۹؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۲۲؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۴۴۰۔

[7]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۱۵۴۔

[8]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۴۹؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۸۵؛ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص۱۰۵؛ شیخ مفید، الاختصاص، ص۸۲۔

[9]۔ ابن فندق، لباب الانساب، ج۱، ص۴۰۰۔

[10]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۴۹؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۸۶؛ طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج۵، ص۴۴۹، ۴۶۸، ۱۵۴۔

ا۔ ابو بکر بن الحسن علیہ السلام

اکثر کتب میں ان کا یہی نام ذکر ہوا ہے؛[1] لیکن بعض کتب میں ان کا نام عبد اللہ یا عبد اللہ اکبر اور کنیت ابو بکر لکھی ہے۔[2] اس صورت میں کہا جائے گا کہ امام حسن علیہ السلام کے دو بیٹوں کا نام عبد اللہ تھا اور دونوں عاشورہ کے دن شہید ہوئے۔ آپ کی والدہ کنیز تھیں،[3] جن کا نام نفیلہ[4] اور ام اسحاق بیان ہوا ہے۔[5] بعض کا نظریہ ہے کہ ابو بکر اور قاسم بن حسن ایک ماں سے تھے اور امام حسین علیہ السلام نے اپنی بیٹی سکینہ کی شادی ابو بکر سے کی تھی۔[6] کہا گیا ہے کہ روز عاشورہ آپ کی عمر ۳۵ برس تھی۔[7] امام باقر علیہ السلام کی روایت کے مطابق آپ روز عاشورہ عبد اللہ بن عقبہ غنوی کے تیر سے شہید ہوئے۔[8]

۲۔ قاسم بن الحسن علیہ السلام

حضرت قاسم کی ماں کنیز[9] تھیں، جن کا نام نرجس تھا۔[10] البتہ ان کا نام نفیلہ بھی نقل کیا گیا ہے۔[11] حضرت قاسم کی تاریخِ ولادت صحیح معلوم نہیں ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ شہادت کے وقت آپ بالغ نہیں تھے[12]۔ ایک جگہ آپ کی عمر سولہ سال نقل ہوئی ہے۔[13] ایک قول کے مطابق حضرت قاسم سنہ ۴۴

---

[1] ۔ ابن حزم اندلسی، جمہرۃ انساب العرب، ص۳۹؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص ۲۱۲؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۳۴۔

[2] ۔ علوی، المجدی فی انساب الطالبیین، ص ۲۰۱۔

[3] ۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۰؛ تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۶۸۔

[4] ۔ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۲۱۵۔

[5] ۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۳۴۔

[6] ۔ علوی (عمری) المجدی فی انساب الطالبیین، ص ۲۰۱۔

[7] ۔ ابن فندق، لباب الانساب، ج۱، ص ۴۰۰۔

[8] ۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۸۷؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۱۰۹۔

[9] ۔ طبری، تاریخ الامم والملو، ج۵، ص ۴۶۸؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۲۰؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۸۸، ۸۷۔

[10] ۔ ابن فندق، لباب الانساب، ج۱، ص ۳۴۲۔

[11] ۔ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخوواص، ص ۲۱۵۔

[12] ۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۱۸۳۔

[13] ۔ ابن فندق، لباب الانساب، ج۱، ص ۴۰۱۔

ہجری کو مدینہ میں پیدا ہوئے اور پچاس ہجری امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے وقت، یعنی چھ سال کی عمر تک اپنے بابا کے زیر سایہ رہے؛ پھر امام حسن علیہ السلام کی وصیت کے مطابق اپنے چچا کی سرپرستی میں رہے۔

حضرت قاسم مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا کے سفر میں اپنے چچا کے ہمراہ تھے اور عاشورہ کے دن جہاد کی اجازت لے کر میدانِ کارزار میں تشریف لے گئے۔ چھوٹی عمر کے باوجود بہادری کے ساتھ جنگ لڑی اور آخر شہید ہو گئے۔

۳۔ عبد اللہ بن الحسن علیہ السلام

بعض نے ان کی والدہ گرامی ایک کنیز[1] بنام نفیلہ[2] یا حبیبہ بتائی ہے، جو حبشہ کے قیدیوں میں سے تھیں؛[3] جبکہ بعض نے ان کی والدہ سلیل بن عبد اللہ بجلی کی بیٹی لکھا ہے۔[4] عبد اللہ کربلا میں نابالغ لڑکے تھے۔ جب امام حسین علیہ السلام تنہا رہ گئے تو اپنے چچا کی مدد کے لیے دوڑے، اور پھر حرملہ بن کاہل کے تیر یا ابجر بن کعب کی تلوار سے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[5]

---

[1]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۲۰؛ طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج ۵، ص ۴۶۷؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۸۹؛ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۰۔

[2]۔ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ۲۱۵۔

[3]۔ ابن فنبدق،، لباب الانساب، ج ۱، ص ۳۴۲۔

[4]۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۸۹۔

[5]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۶۸؛ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۰؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۸۸، ۱۱۶؛ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۷۳؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۱۰۔

امام حسین علیہ السلام کے بیٹے

۱۔ حضرت علی اکبر علیہ السلام

مشہور قول کی بنا پر ان کا نام علی اور لقب اکبر ہے۔ آپ امام حسین علیہ السلام کے بڑے بیٹے ہیں۔ حضرت علی اکبر علیہ السلام خوش اسلوب، شجاع، صادق، پاکیزہ اور نیک کردار کے مالک جوان تھے۔ حضرت علی اکبر علیہ السلام شکل و شمائل، اخلاق اور گفتار میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی شبیہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے روزِ عاشورہ حضرت علی اکبر علیہ السلام کو میدانِ جنگ میں بھیجتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ فَقَدْ بَرَزَ اِلَیْھِمْ غُلَامٌ اَشْبَہُ النَّاسِ خَلْقًا وَ خُلُقًا وَ مَنْطِقًا بِرَسُوْلِکَ، وَ کُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰی نَبِیِّکَ نَظَرْنَا اِلَیْہِ۔[1]

مؤرخین نے آپ کی کنیت ابو الحسن لکھی ہے۔[2] ابو حمزہ ثمالی نے نقل کیا ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے حضرت علی اکبر علیہ السلام کی زیارت میں فرمایا:

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا اَبَا الْحَسَنِ۔[3]

اکثر مؤرخین کے نزدیک حضرت علی اکبر علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت لیلیٰ بنت ابی مُرّہ بن عروہ بن مسعود ثقفی ہیں[4] اور جناب لیلیٰ کی والدہ میمونہ المعروف ام شیبہ بنت ابو سفیان صخر بن حرب بن امیہ تھیں۔[5]

---

[1] ۔ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۱۶۶؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۱۴؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۳۰۔

[2] ۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۸۰۔

[3] ۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، باب ۷۹، ص۴۱۶، ح۶۳۹۔

[4] ۔ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج۲، ص۲۴۶، ۲۴۷؛ خلیفہ بن خیاط، تاریخ خلیفہ بن خیاط، ص۱۷۹؛ ابو فلرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۸۰؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۰۶؛ طبرسی، تاج الموالید، ص۳۴؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۶۹؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص۲۰۱۔

[5] ۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۸۰؛ خلیفہ بن خیاط، تاریخ خلیفہ بن خیاط، ص۱۷۹؛ ابو نصر بخاری، سر السلسلۃ العویۃ، ص۳۰۔

قدیمی کتب میں کوئی قابل اعتماد روایت موجود نہیں کہ حضرت لیلیٰ کربلا میں موجود ہوں۔ صرف ابن شہر آشوب نے ایک جگہ پر حضرت علی اکبرؑ کی والدہ کا نام شہر بانو بتایا ہے اور کہا ہے کہ وہ کربلا میں اپنے بیٹے کی شہادت کی شاہد تھیں؛[1] لیکن یہ روایت صرف ابن شہر آشوب نے ہی بیان کی ہے۔

مؤرخین اور نسب شناس علما کے درمیان حضرت علی اکبرؑ کی عمر کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ عثمان بن عفان کے دورِ خلافت (۲۵ تا ۳۵ہجری) میں پیدا ہوئے۔[2] ابن اعثم، خوارزمی اور ابن شہر آشوب نے شہادت کے وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال[3]، شیخ مفید اور شیخ طوسی نے انیس سال لکھی ہے۔[4] ابن شہر آشوب نے ایک قول میں آپ کی عمر مبارک ۲۵ سال[5] اور ابن فندق نے ۲۳ سال بیان کی ہے۔[6]

ابو الفرج اصفہانی اور ابن ادریس حلی کہتے ہیں: اگر آپ کی ولادت، جناب عثمان کے دور خلافت کے آخری سالوں میں ہو تو کربلا میں آپ کی عمر کم از کم ۲۵ سال بنتی ہے۔

حضرت علی اکبرؑ بڑے تھے یا امام سجادؑ؟

قرائن و شواہد کی بنا پر حضرت علی اکبرؑ، امام سجادؑ سے بڑے تھے؛ کیونکہ معتبر روایات کی رو سے امام سجادؑ کی ولادت سنہ ۳۸ہجری میں ہوئی اور کربلا میں امام حسینؑ کی شہادت کے وقت آپ

---

[1]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۲۵۷۔

[2]۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۸۱، محمد بن منصور حلی، السرائر، ج۱، ص۶۵۵؛ عبد الرزاق مقرم، مقتل الحسین، ص۲۵۵۔

[3]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۱۴؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی اطالب، ج۴، ص۱۱۸؛ خواند میر، حبیب السیر، ج۲، ص۵۴؛ ملا حسین واظ کاشفی، روضۃ الشہدا، ص۷۳۳؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۴۲؛ مجلسی، جلاء العیون، ص۱۹۹؛ سید محسن امین، اعیان الشیعہ، ج۱، ص۶۰۷۔

[4]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۳، ص۲۳۸؛ طبرسی اعلام الوری باعلام الہدی، ص۲۴۲۔

[5]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۱۸۔

[6]۔ ابن فندق، لباب الانساب، ج۱، ص۳۹۷۔

کی عمر مبارک ۲۳ سال تھی[1]، جبکہ حضرت علی اکبرؑ کی عمر ۲۳ سال سے زیادہ تھی، لہٰذا ۲۵ یا ۲۷ سال والا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔

نیز بہت سے مؤرخین نے کربلا میں شہید ہونے والے جوان کو "علی اکبر" اور امام سجادؑ کو "علی اصغر" کہا ہے۔[2]

اس کے مقابلے میں ایک قول ہے کہ حضرت علی اکبرؑ امام سجادؑ سے چھوٹے تھے اور اس کی دلیل "اقبال الاعمال" میں منقول امام حسینؑ کی زیارت کے یہ جملات ہیں:

وَعَلٰی وَلَدِكَ عَلِیٍّ الْاَصْغَرِ الَّذِیْ فُجِعْتَ بِهٖ[3]

اور سلام ہو آپ کے بیٹے علی اصغر پر، جس کی مصیبت آپ پر آئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً: یہ زیارت نامہ کسی معصوم سے صادر نہیں ہوا، بلکہ اسے بعض علما نے لکھا ہے؛ ثانیاً: اصغر کا لفظ اس زیارت میں نہیں تھا بلکہ یہ لفظ، شیخ صدوق، شیخ مفید، علامہ حلی اور دیگر علما کے اقوال سے لے کر زیارت نامہ کے متن میں شامل کر دیا گیا ہے۔[4]

حضرت علی اکبرؑ کی اولاد

حضرت علی اکبرؑ کی کنیت ابو الحسن تھی۔ اگرچہ عرب معاشرے میں کنیت خاندانی نسبت کو بیان نہیں کرتی؛ لیکن پھر بھی یہ احتمال دیا جا سکتا ہے کہ آپ کا ایک بیٹا حسن تھا۔ اس کی دلیل امام رضاؑ کی روایت ہے جو احمد بن محمد بن ابی نصر بزنطی نے نقل کی ہے کہ حضرت علی اکبرؑ کی ایک کنیز تھی اور اس سے ایک بیٹا تھا۔[5]

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبری، ج۵، ص ۲۱۲؛ ابو نصر بخاری، سر السلسلۃ العلویہ، ص ۳۱؛ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج۳، ص ۱۵۴، ۱۹۶، ۲۶۶۔

[2] ابن سعد، الطبقات الکبری، ج۵، ص ۲۱۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۳۶۱، ۳۶۲، ۴۱۱؛ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۸۲؛ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج۲، ص ۲۴۶، ۲۴۷؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۴۶؛ طبری، المنتخب من ذیل المذیل من تاریخ الصحابہ والتابعین، ص ۲۴، ۱۱۹۔

[3] سید ابن طاووس، الاقبال بالاعمال الحسنہ، ج۳، ص ۷۱؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۹۸، ص ۳۱۴، ۳۱۵۔

[4] محمد تقی تستری، قاموس الرجال، ج۷، ص ۴۲۱۔

[5] کلینی، الفروع من الکافی، ج۵، باب "الرجل یتزوج المرئۃ ویتزوج ام ولد ابیہا"، ص ۳۶۱۔

اس کے علاوہ حضرت علی اکبرؑ کی زیارت میں امام صادقؑ کا یہ جملہ بھی اس بات کی تائید کرتا ہے:

صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ وَ عَلَى عِتْرَتِكَ وَ أَهْلِ بَيْتِكَ وَ آبَائِكَ وَ أَبْنَائِكَ وَ أُمَّهَاتِكَ الْأَخْيَارِ الَّذِينَ أَذْهَبَ اللهُ عَنْهُمَ الرِّجْسَ وَ طَهَّرَهُمْ تَطْهِيراً۔[1]

درود و سلام ہو تجھ پر، تیرے خاندان پر، تیری اہل بیت پر، تیرے آباؤ اجداد پر، تیرے بیٹوں پر، تیری نیک ماؤں پر، جن سے اللہ تعالیٰ نے رجس کو ایسے دور کیا ہے جیسے دور کرنے کا حق ہے۔

زیارت کے ان جملات سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ ابنائك: یہ لفظ جمع کی شکل میں آیا ہے۔ عربی قوانین کے مطابق دو سے زیادہ افرد پر بولا جاتا ہے پس نتیجہ یہ ہے کہ حضرت علی اکبرؑ کے دو سے زیادہ بیٹے تھے۔

۲۔ قوی احتمال کی بنا پر لفظ ابنائك سے مراد حقیقی بیٹے ہیں، نہ کہ ان کی نسل کے تمام پسمند گان ؛کیونکہ "ابن" کا لفظ عربی زبان میں حقیقی بیٹے پر بولا جاتا ہے۔[2]

۳۔عترت: عترت کا لفظ ذریت اور خاندان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علی اکبرؑ شادی شدہ تھے، وگرنہ یہ لفظ استعمال کرنا صحیح نہیں ہے۔ بہر حال امام معصوم کی زبان سے اس جملہ کا صادر ہونا، جو عربی زبان کے مفاہیم اور فصاحت وبلاغت کے و قوانین سے آشنا تھے، اس کی محکم ترین دلیل ہے۔[3]

---

[1]۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، ص۴۱۶۔

[2]۔ عبد الرزاق مقرم، علی الاکبر، ص۲۱،۲۰۔

[3]۔ عبد الرزاق مقرم، علی الاکبر، ص۲۱۔

۲۔ شیر خوار بچہ

ان کا نام بعض کتب میں "عبد اللہ ابن الحسین" یا "عبد اللہ رضیع" ذکر ہوا ہے۔ عاشورہ کے دن، اُن کی عمر کے بارے میں مختلف اقوال ذکر ہوئے ہیں۔ ان کی عمر مبارک ایک دن سے لے کر تین سال تک بیان ہوئی ہے۔ نیز ان کی شہادت کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی گود میں خیام کے دروازے پر ایک تیر سے شہید ہوئے اور ایک قول ہے کہ امام حسین علیہ السلام ان کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر فوج اشقیا کے سامنے لے گئے اور ان کے لیے پانی کا مطالبہ کیا، لیکن دشمن نے تیر مارا، جس سے آپ نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

حضرت عبد اللہ بن جعفر طیار کے فرزندان

ا۔ عون بن عبد اللہ بن جعفر علیہ السلام

آپ نے روز عاشورہ عبد اللہ بن قطبہ طائی کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا۔[1] بعض کتب میں آپ کی والدہ ماجدہ کا نام حضرت زینب علیہا السلام[2] اور بعض میں جُمانہ بنت مسیب بیان ہوا ہے۔[3] تاریخی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب عبد اللہ بن جعفر کے دو بیٹوں کا نام عون تھا۔ عون اکبر، حضرت زینب[4] علیہا السلام کے فرزند تھے، جو روزِ عاشورہ شہید ہوئے اور عون اصغر "واقعہ حرّہ واقم" میں شہید ہوئے۔[5]

---

[1]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۰۶؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۶۸؛ ابن صباغ، الفصل المہمہ، ج۲، ص ۸۴۶۔

[2]۔ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۹۱۔

[3]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۲، ص ۳۲۵؛ ابن صباغ، الفصول المہمہ، ج۲، ص ۷۴۶؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۲۵۴۔

[4]۔ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۹۱۔

[5]۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ج۴، ص ۴۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۲، ص ۳۲۵؛ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۱۲۴۔

۲۔ محمد بن عبداللہ بن جعفرؑ

قدیمی کتب میں ان کی والدہ ماجدہ کا نام خوصاء بنت خصفۃ بن ثقیف بن ربیعہ بیان ہوا ہے[۱] اور بعض متاخرہ کتب میں آپ کو حضرت زینبؑ کا بیٹا کہا گیا ہے؛[۲] لیکن اس قول کی کوئی مضبوط سند نہیں ملی۔ حضرت محمد بن عبداللہ، روزِ عاشورہ عامر بن نہشل تیمی کے ہاتھوں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[۳]

حضرت عقیل کی بیٹے اور پوتے

ا۔ عبداللہ بن عقیلؑ

آپ حضرت عقیل کی ایک کنیز کے بیٹے تھے۔[۴] ابن سعد نے ان کی والدہ ماجدہ کا نام خلیلہ اور بلاذری نے ام البنین کلابیہ لکھا ہے۔[۵] آپ روزِ عاشورہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[۶] شہادت کے وقت آپ کی عمر مبارک ۳۳سال تھی۔[۷] بعض نے ان کو حضرت علیؑ کا داماد قرار دیا ہے۔[۸]

۲۔ عبدالرحمن بن عقیلؑ

ان کی والدہ ماجدہ ام ولد کنیز تھیں۔[۱] انہوں نے خدیجہ بنت امام علیؑ کے ساتھ شادی کی[۲] اور ان سے ایک بیٹی تھی، جس کا نام حمیدہ تھا۔[۳] عبدالرحمن کو بلند قامت ہونے کی وجہ سے "رُمح عَقِیلٍ"[۴] یعنی

---

[۱]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۶۹؛ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۹۱۔

[۲]۔ عمادالدین طبری، کامل بہائی، ج۲، ص۳۰۳؛ سید محسن امین، اعیان الشیعہ، ج۱، ص۶۰۸۔

[۳]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۶۹؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۰۶۔

[۴]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص۱۸۵؛ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۹۳۔

[۵]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۲، ص۳۲۷۔

[۶]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۲، ص۳۲۷، ۳۲۸؛ ابن سعد، الطبقات الکبری، ج۴، ص۴۲؛ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۹۳۔

[۷]۔ ابن فندق، لباب الانساب، ج۱، ص۳۹۹۔

[۸]۔ ابن حبیب المحبَّر، ص۵۶؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۲، ص۳۲۸؛ ابن قتیبہ دینوری، المعارف، ص۱۱۸؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص۲۰۴۔

"خاندانِ عقیل کا نیزہ" کہا جاتا تھا۔[4] آپ نے روز عاشورہ ۳۵ سال[5] کی عمر میں عثمان بن خالد بن اسیر جُہَنی اور بِشر بن سوط ہمدانی[6] کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا۔[7]

۳۔ جعفر بن عقیل علیہ السلام

آپ کی والدہ ماجدہ ام الثَّغر بنت عامر تھیں۔[8] بعض نے ان کی ماں کا نام ام البنین[9] اور بعض نے خوصا بنت ثغریہ لکھا ہے۔[10] آپ روزِ عاشورہ ۲۳ سال کی عمر میں عبد اللہ بن عزرہ خثعمی کے ہاتھوں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[11]

۴۔ ابو سعید (اَحوَل) بن عقیل علیہ السلام

بعض مصادر میں ان کو بھی حضرت عقیل کے بیٹا کہا گیا۔ آپ روزِ عاشورہ شہید ہوئے۔[12]

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۶۹؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۹۲؛ ابن صباغ، الفصول المہمہ، ج۲، ص۸۴۸۷؛ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج۳، ص۱۹۵۔

[2]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۲، ص۳۲۸؛ ابن قتیبہ دینوری، المعارف، ص۱۱۸۔

[3]۔ ابن فندق، لباب الانساب، ج۱، ص۳۳۴۔

[4]۔ ابن فندق، لباب الانساب، ج۱، ص۳۳۴۔

[5]۔ ابن فندق، لباب الانساب، ج۱، ص۴۰۱۔

[6]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۷۔

[7]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص۱۸۵۔

[8]۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۹۸۔

[9]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۱؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص۲۵۵۔

[10]۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۹۳۔

[11]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۷۔

[12]۔ علوی (عمری) المجدی فی انساب الطالبیین، ص۵۲۰۔

۵۔ محمد بن ابی سعید (اَحوَل) بن عقیلؑ

یہ بھی کربلا کے شہید ہیں۔ ان کی والدہ ماجدہ ام ولد کنیز تھیں۔[1] انہوں نے فاطمہ بنت امام علیؑ سے شادی کی[2] اور ان سے ایک بیٹی پیدا ہوئی، جس کا نام حمیدہ تھا۔[3] آپ ۲۵ سال کی عمر میں لُقیط بن یاسر جُھنی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔[4]

٦۔ حضرت مسلم بن عقیلؑ

ولادت

حضرت مسلم بن عقیل کی ولادت اور عمر کے متعلق تاریخ کی کتابیں خاموش ہیں۔ صرف مرحوم میرزا خلیل کمرہ ای نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

> **کہتے ہیں کہ جب حضرت عقیل نے اسلام قبول کیا، اسی سال حضرت مسلم پیدا ہوئے۔ اسی لیے ان کا نام مسلم رکھا گیا۔[5]**

لیکن اس کی کوئی سند ذکر نہیں کی۔

واقدی نے حضرت مسلم بن عقیل کے بارے میں لکھا ہے:

> **خالد بن ولید نے سرزمین بہنساء کو فتح کے بعد، اس سرزمین کا انتظام تمام قبائل میں سے صحابہ کے سپرد کیا اور خود دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ سرزمین صعید کی طرف چلا گیا۔ وہ قبائل یہ تھے: بنی ہاشم، بنی مطلب، بنی مخزوم، بنی عبد الدار، بنی زہرہ، بنی نزار، بنی جہینہ، اوس، خزرج، مذحج و... ان کے سردار حضرت مسلم بن عقیل تھے۔ مسلم بن عقیل،**

---

[1] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴٦۹؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۹۴؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۸۲۔

[2] ابن حبیب بغدادی، المُحَبَّر، ص۵٦؛ ابن سعد، الطبقات الکبری، ج۸، ص۴٦۵۔

[3] ابن سعد، الطبقات الکبری، ج۸، ص۴٦۵۔

[4] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴٦۹؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۸۲؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۱۵۔

[5] میرزا خلیل کمرہ، تنہا عنصر شجاعت مسلم بن عقیل، ص۱۰٦۔

خلافتِ عثمان کے زمانے تک یہاں کے والی تھے اور ان کے بعد محمد بن جعفر بن ابی طالب والی بنے۔[1]

خلاصہ یہ کہ حضرت مسلم بن عقیل کی تاریخِ ولادت اور عمر معین نہیں کی جاسکتی؛ البتہ یہ کہا سکتا ہے کہ آپ سمجھداری اور پختگی کی عمر میں تھے کیونکہ اس قدر سنگین ذمہ داری کا تقاضا یہی ہے۔

حضرت مسلم کی والدہ ماجدہ

ان کی والدہ ماجدہ کے بارے میں زیادہ معلومات موجود نہیں ہیں؛ لیکن ابو الفرج اصفہانی کہتے ہیں: ان کی والدہ ام ولد کنیز تھیں۔ ان کا نام حلیہ تھا حضرت عقیل نے انہیں شام سے خریدا اور پھر ان سے حضرت مسلم پیدا ہوئے۔[2]

ابو الفرج اصفہانی کے قول کی بنیاد، ابو الحسن علی بن محمد مدائنی کی داستان ہے۔ مدائنی نے کہا ہے کہ حضرت مسلم بن عقیل نے مدینہ میں زمین کا ایک ٹکڑا ایک لاکھ درہم میں معاویہ کو بیچا؛ لیکن امام حسین علیہ السلام نے معاملہ فسخ کرنے کے لیے معاویہ کو خط لکھا۔ معاویہ نے زمین بھی لوٹا دی اور حضرت مسلم کو زمین کی قیمت بھی بخش دی۔

یہ داستان صحیح نہیں ہے کیونکہ ایک طرف تو اس کی سند مرسل ہے اور دوسری طرف اس ماجرا کو نقل کرنے والا مدائنی، بنی امیہ کا طرفدار تھا لہٰذا اس نے بنی امیہ کی بخشش ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت مسلم، امام علی اور امام حسن صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ

ابن شہر آشوب کی روایت کے مطابق حضرت مسلم جنگ صفین میں اپنے چچا امام حسن، امام حسین صلی اللہ علیہ وآلہ اور عبد اللہ بن جعفر طیار کے ہمراہ لشکر کی دائیں جانب کے سردار تھے۔[3] البتہ کتاب "وقعۃ الصفین" میں حضرت مسلم بن عقیل کا نام، حضرت علی علیہ السلام کے کمانڈروں میں درج نہیں ہوا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو

---

[1] محمد بن عمر واقدی، فتوح الشام، ج۲، ص۳۰۸۔

[2] ابو الفرض اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۸۰۔

[3] ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۳، ص۱۹۷۔

کہ امیر المومنین علیہ السلام نے ترتیب وار مذکورہ افراد کو سربراہی سونپی اور حضرت مسلم کو سب سے آخر میں سربراہ بنایا۔ لہذا چونکہ آپ آخری مرحلے پر تھے اسی لیے کتاب میں ان کا ذکر نہیں ہوا۔ بہر حال حضرت مسلم کمانڈر بننے کے لائق تھے۔

حضرت مسلم بن عقیل نے امام حسن علیہ السلام کے زمانے میں جب شیعہ سخت مشکلات کا شکار تھے، اپنے چچازاد امام حسن علیہ السلام کی نصرت سے کوتاہی نہیں کی؛ چنانچہ شیخ طوسی اور ابن شہر آشوب نے آپ کو امام حسن علیہ السلام کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔[1]

حضرت مسلم کی بیوی اور اولاد

حضرت مسلم نے امیر المومنین علیہ السلام کی بیٹی جناب رقیہ سے شادی کی۔ آپ کے دو بیٹے عبد اللہ اور علی تھے۔[2] بعض نے کہا ہے حضرت مسلم نے امیر المومنین کی دو بیٹیوں سے شادی کی تھی؛ چنانچہ محمد بن حبیب نے لکھا ہے کہ حضرت رقیہ کی وفات کے بعد حضرت مسلم دوبارہ امیر المومنین علیہ السلام کے داماد بنے اور رقیہ صغریٰ (ام کلثوم) کے ساتھ شادی کی؛[3] لیکن معتبر مصادر میں حضرت علی علیہ السلام کی رقیہ نام کی صرف ایک بیٹی کا تذکرہ آیا ہے۔[4]

حضرت مسلم کی اولاد کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی اور بعض نے چار بیٹے اور ایک بیٹی لکھی ہے۔

۱۔ ابن قتیبہ نے جناب مسلم کے بیٹے کے نام یوں بیان کیے ہیں: عبد اللہ اور علی، (ان کی ماں رقیہ بنت علی علیہ السلام تھیں)، مسلم اور عبد العزیز۔[5]

---

[1] ۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۴۵؛ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص۹۶، شمارہ نمبر ۹۵۳۔

[2] ۔ ابن قتیبہ، دینوری، المعارف، ص۱۱۸۔

[3] ۔ ابن حبیب، المحبر، ص۵۶۔

[4] ۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ج۳، ص۲۰؛ تاریخ اہل البیت، تحقیق محمد رضا حسینی، ص۹۳، ۱۰۱۔

[5] ۔ ابن قتیبہ دینوری، المعارف، ص۱۱۸۔

۲۔ ابو الفرج اصفہانی نے حضرت مسلم کے ایک بیٹے کا نام محمد لکھا ہے، جن کی والدہ کنیز تھیں۔[1]

۳۔ ابن عنبہ نے حضرت مسلم کی اولاد میں ایک بیٹی کا نام حمیدہ بیان کیا ہے۔[2]

۴۔ مقرم نے حضرت مسلم کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی کہا ہے۔ دو بیٹے محمد اور عبد اللہ کربلا اور دو بیٹے کوفہ میں شہید ہوئے ہیں اور پانچویں بیٹے کے بارے میں تاریخ میں کچھ نقل نہیں ہوا۔[3]

۱۔ عبد اللہ بن مسلم بن عقیلؑ

حضرت عبد اللہ بھی کربلا کے شہدا میں شامل ہیں۔ ان کی ماں رقیہ بنت علیؑ ہیں۔[4] عبد اللہ بن مسلم عاشورہ کے دن ۲۶ سال کی عمر میں عمرو بن صُبیح صیداوی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔[5]

۲۔ محمد بن مسلم بن عقیلؑ

ان کی ماں ام ولد کنیز تھیں۔[6] آپ روز عاشورہ ۲۷ سال[7] کی عمر میں شہید ہوئے۔[8] آپ کے قاتل کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ آپ ابو مریم ازدی کے ہاتھوں زخمی[9] اور پھر لقیط بن ایاس جُہنی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔[10] آپ کی قبر شہدائے کربلا کے مقبرہ کے درمیان واقع ہے۔[11]

---

[1]۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۹۴۔

[2]۔ ابن عنبہ، عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، ص ۳۲۔

[3]۔ عبد الرزاق مقرم، الشہید مسلم بن عقیل، ص ۲۶۲۔

[4]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۶۹؛ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۱؛ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۱۰۳؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۹۴؛ تمیمی مغربی، شرح الاخبار، ج ۳، ص ۱۹۵۔

[5]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۴؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۸۲۔

[6]۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۹۴؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۲۵۵۔

[7]۔ ابن فندق، لباب الانساب، ج ۱، ص ۴۰۲۔

[8]۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۹۴؛ ابن فندق، لباب الانساب، ج ۱، ص ۴۰۲؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۵، ۱۲۲۔

[9]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۵۔

[10]۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الاطالبیین، ص ۹۴۔

[11]۔ ابن فندق، لباب الانساب، ج ۱، ص ۴۰۲۔

۳ □ طفلان حضرت مسلمؑ

دو بچوں محمد اور ابراہیم کے بارے میں سب سے قدیمی اور مفصل روایت شیخ صدوقؒ نے کوفہ کے ایک بزرگ ابو محمد سے نقل کی ہے، وہ روایت یہ ہے:

جب حسینؑ شہید ہو گئے تو دو بچے لشکر گاہ سے قیدی ہوئے۔ ان کو ابن زیاد کے پاس لایا گیا۔ اس نے زندان کے داروغہ کو بلا کر کہا: یہ دو بچے لے جا، انہیں اچھا کھانا اور پانی نہ دینا اور ان پر زندان میں سختی کرنا۔ دونوں بچے دن کو روزہ رکھتے تھے جب رات ہوتی تو ان کے لیے جَو کی دو روٹیاں اور ایک کوزہ پانی لے آتا۔ وہ ایک سال تک قید میں رہے۔ ایک دن ایک بھائی نے دوسرے سے کہا: بھیا! ہم عرصہ دراز سے زندان میں ہیں۔ ہم مزید تھوڑے عرصے میں گل سڑ اور مر جائیں گے۔ جب وہ بوڑھا داروغہ آئے تو اسے رسول خداؐ سے اپنی نسبت کے بارے میں بتائیں گے۔ شاید وہ ہمارے کھانے اور پانی میں اضافہ کر دے۔

جب رات ہوئی تو داروغہ ان کے لیے دو روٹیاں اور ایک کوزہ پانی لے آیا۔ چھوٹے بھائی نے کہا: اے مرد! کیا تم محمدؐ کو پہچانتے ہو؟ اس نے کہا: کیوں نہیں؟! وہ میرے پیغمبر ہیں۔ بچے نے کہا: جعفر بن ابی طالب کو جانتے ہو؟ اس نے کہا: جانتا ہوں! اللہ نے انہیں دو پَر عطا کیے ہیں وہ ان کے ساتھ فرشتوں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں۔ بچے نے کہا: علی بن ابی طالبؑ کو جانتے ہو؟ اس نے کہا: کیوں نہیں جانتا؟! وہ رسول خداؐ کے چچازاد بھائی ہیں۔ بچے نے کہا: اے شخص! ہم تیرے رسولؐ کے خاندان سے ہیں۔ ہم مسلم بن عقیل کے بیٹے ہیں اور تیرے قیدی ہیں۔ ہم تجھ سے اچھا کھانا اور ٹھنڈا پانی چاہتے ہیں اور تو ہمیں وہ بھی نہیں دیتا اور ہمارے اوپر زندان بھی تنگ کر رکھا ہے۔

وہ شخص ان کے قدموں پر گر کر بوسے لینے لگا اور کہا: اے خاندان پیغمبرؐ! میں آپ پر فدا ہو جاؤں؛ تمہارے لیے زندان کا دروازہ کھلا ہے۔ جہاں چاہو چلے جاؤ۔ جب رات چھا گئی تو داروغہ دو روٹیاں اور پانی کا ایک کوزہ لے آیا اور انہیں راستے پر لے گیا اور کہا: میرے دوستو! رات کو چلنا اور دن کو چھپ جانا، اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی پیدا کرے گا۔

انہوں نے ایسا کیا۔ جب رات ہو گئی تو ایک بوڑھی خاتون کے دروازے پر آئے اور کہا: ہم دو بچے اور مسافر ہیں، راستہ بھی نہیں جانتے۔ آج رات ہمیں اپنے ہاں مہمان رکھ لے تاکہ رات گزاریں، کل صبح چلے جائیں گے۔ بوڑھیا نے کہا: میرے بچے تم کون ہو؟ تم سے خوشبو آ رہی ہے۔ انہوں نے کہا: ہم تیرے رسولؐ کے خاندان سے ہیں۔ ابن زیاد کے زندان اور موت سے بھاگے ہوئے ہیں۔ بڑھیا نے کہا: میرا ایک داماد ہے، جو واقعہ (عاشورہ) کے دن ابن زیاد کے ساتھ تھا۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہیں یہاں پالے گا۔ انہوں نے کہا: ہم صرف رات کے اندھیرے میں یہاں رہیں گے اور صبح چلے جائیں گے۔ بڑھیا نے کہا: ابھی آپ کے لیے کھانا لے آتی ہوں۔

بڑھیا ان کے لیے کھانا اور پانی لے آئی۔ بچوں نے کھانا کھایا اور پانی پیا۔ جب بستر پر گئے تو چھوٹے نے بڑے بھائی سے کہا: بھیا! ہمیں آج رات امن سے گزارنے کی امید ہے۔ آؤ ایک دوسرے کی گردن میں باہیں ڈالیں اور ایک دوسرے کے بوسے لیں، اس سے پہلے کہ ہمیں موت ایک دوسرے سے جدا کر دے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی گردن میں باہیں ڈالیں اور سو گئے۔ رات کے کچھ پہر نہ گزرے تھے کہ اس بڑھیا کا ملعون داماد آیا اور آہستہ آہستہ دروازہ کھٹکھٹایا۔ بڑھیا نے کہا: کون ہے؟ اس نے کہا: میں ہوں۔ بڑھیا نے کہا: تم اچانک اس وقت کیوں آئے ہو؟! اس نے کہا: افسوس ہو تجھ پر! اس سے پہلے کہ میں پاگل ہو جاؤں اور وہ بلا جو میرے سر پر ٹوٹی ہے مجھے پگھلا دے، دروازہ کھول۔

بڑھیا نے پوچھا: ر کیا ہوا ہے ؟ اس نے کہا: دو بچے ابن زیاد کے زندان سے بھاگ گئے ہیں۔ امیر نے اعلان کیا ہے کہ جو شخص ان میں سے ایک کا سر لائے گا، اسے ایک ہزار درہم دوں گا؛ اور جو دونوں کے سر لائے گا، اسے دو ہزار درہم دوں گا۔ میں نے اپنے آپ کو تھکا دیا، لیکن میرے ہاتھ میں کچھ نہیں آیا۔

بڑھیا نے کہا: اے میرے داماد! ایسا کام نہ کر جس کی وجہ سے روزِ قیامت پیغمبر خدا علیہ السلام تیرے دشمن ہوں۔ اس نے کہا: افسوس ہو تجھ پر! دنیا تو ہونی چاہیے! بڑھیا نے کہا: جب آخرت نہ ہو تو دنیا کا کیا فائدہ؟! اس نے کہا: مجھے معلوم ہے کہ تو ان کی حمایت کر رہی ہے۔ گویا امیر کا مطلوب تیرے پاس ہے۔ اٹھ تجھے امیر کے پاس لے جاؤں۔ بڑھیا نے کہا: امیر کو میرے ساتھ کیا کام ہے؟! میں اس دشت میں ایک بوڑھی عورت ہوں۔ اس نے کہا: مجھے انہیں تلاش کرنا چاہیے، دروازہ کھولو تا کہ آرام کروں، پھر صبح کو دیکھوں گا کہ کس طرف سے ان کے پیچھے جاؤں۔

بڑھیا نے دروازہ کھولا، اس کے لیے پانی اور کھانا لائی۔ اس نے کھانا کھایا اور پانی پیا۔ تھوڑی رات گزری تھی کہ اس نے رات کی تاریکی میں بچوں کے سانس کی آواز سنی۔ غصے سے چلایا، دیوار پر ہاتھ مارا اور اندھیرے میں آگے بڑھا۔ اس کا ہاتھ چھوٹے بچے کو جا لگا۔ بچے نے کہا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں گھر کا مالک ہوں، تم کون ہو؟ چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی کو ہلا کر کہا: بھیا اٹھو! جس چیز کا ہمیں خوف تھا، وہ ہمارے سر پر آ گئی ہے۔

اس نے بچوں سے کہا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: اے مرد! اگر ہم سچ بتائیں تو ہمارے لیے امان ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ انہوں نے کہا: اللہ اور رسول کی امان اور پناہ میں؟ اس نے کہا: ہاں۔ بچوں نے کہا: حضرت محمد علیہ السلام اس پر گواہ ہیں؟ اس نے کہا: ہاں۔ بچوں نے کہا: اللہ بھی گواہ ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ انہوں نے کہا: ہم تیرے پیغمبر علیہ السلام

کے خاندان سے ہیں، ابن زیاد کے زندان اور موت کے چنگل سے بھاگے ہیں۔ اس نے کہا: موت سے بھاگے ہو اور موت کے منہ میں آئے ہو۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے تمہیں پالیا ہے۔

وہ اٹھا اور دونوں کے ہاتھ باندھ دیئے اور صبح تک باندھے رکھا۔ صبح جلدی سے اپنے حبشی غلام "فلیح" کو بلایا اور کہا: دونوں کو فرات کے کنارے لے جا اور ان کی گردن کاٹ کر سر میرے پاس لے آ، تاکہ میں ابن زیاد کے پاس لے جاؤں اور دو ہزار درہم انعام حاصل کروں۔ غلام نے تلوار اٹھائی اور بچوں کے آگے آگے چلنے لگا۔ تھوڑا چلے تھے کہ ایک بچے نے کہا: اے حبشی غلام! تم پیغمبرؐ کے حبشی مؤذن بلال سے کتنی مشابہت رکھتے ہو۔ غلام نے کہا: میرے مالک نے مجھے تمہارے قتل کا حکم دیا ہے۔ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: اے حبشی مرد! ہم تیرے پیغمبر محمدؐ کے خاندان سے ہیں۔ ابن زیاد کے زندان اور موت کے چنگل سے بھاگے ہیں۔ بڑھیا نے ہمیں اپنا مہمان بنایا ہے لیکن تمہارا مالک ہمیں قتل کرنا چاہتا ہے۔ حبشی غلام ان کے پیروں پر گر کر بوسے لینے لگا اور کہا: اے عترتِ رسول خداؐ! میری جان تم پر فدا ہو۔ اللہ کی قسم؛ محمدؐ روزِ قیامت میرے دشمن نہیں ہوں گے۔ پھر بھاگا، تلوار ایک طرف پھینکی اور دریائے فرات میں چھلانگ لگادی اور دوسری طرف نکل گیا۔ اس کے مالک نے آواز دی: اے غلام! تم نے میری نافرمانی کی ہے؟ غلام نے کہا: جب تک تم نے گناہ نہیں کیا تھا تو میں تیرا فرمانبردار تھا۔ جبتم نے اللہ کی نافرمانی کی ہے، تو میں دنیا اور آخرت میں تجھ سے بیزار ہوں۔

پھر اس نے اپنے بیٹے کو آواز دی اور کہا: میرے بیٹے! میں نے دنیا کا حلال وحرم تیرے لیے اکٹھا کیا ہے۔ تجھے دنیا کی فکر ہونی چاہیے۔ ان بچوں کو فرات کے کنارے لے جا اور ان کی گردن کاٹ کر سر میرے پاس لے آ، تاکہ میں یہ سر ابن زیاد کے پاس لے

جاؤں اور دو ہزار درہم انعام حاصل کروں۔ بیٹے نے تلوار لی اور بچوں کے آگے آگے چل پڑا۔ تھوڑا سا آگے جانے کے بعد ایک بچے نے اسے کہا: اے جوان! ہم کس قدر تیری جوانی کے بارے میں آتشِ جہنم سے خوفزدہ ہیں۔ اس نے پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: ہم تیرے پیغمبر محمدﷺ کے اہل بیت ہیں؛ لیکن تیرا باپ ہمیں قتل کرنا چاہتا ہے۔ وہ بھی ان کے پاؤں پر گر کر بوسے لینے لگا اور غلام جیسی گفتگو کی۔ پھر اس نے تلوار ایک طرف پھینک کر دریائے فرات میں چھلانگ لگائی اور دوسرے پار نکل گیا۔ اس کے باپ نے آواز دی: بیٹا! تم نے میری نافرمانی کی ہے؟! بیٹے نے کہا: اگر اللہ کی اطاعت کروں اور تیری نافرمانی کروں، تو اس سے بہتر ہے کہ تیری اطاعت کروں اور اللہ کی نافرمانی کروں۔

اس شخص نے کہا: میں خود تمہیں قتل کروں گا۔ اس نے تلوار اٹھائی اور ان کے آگے آگے چلنے لگا۔ جب فرات کے کنارے پہنچے تو تلوار نیام سے نکالی۔ جب بچوں کی نگاہ تلوار پر پڑی تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور کہنے لگے: اے مرد! ہمیں بازار لے جا اور بیچ دے۔ ایسا کام نہ کر جس کی وجہ سے روزِ قیامت حضرت محمدﷺ تیرے دشمن ہوں۔ اس نے کہا: میں تمہیں قتل کروں گا، تمہارے سر ابن زیاد کے پاس لے جاؤں گا اور اس سے دو ہزار درہم انعام پاؤں گا۔ بچوں نے کہا: ہماری رسولﷺ کے ساتھ رشتہ داری کا لحاظ کر۔ اس نے کہا: تمہاری پیغمبر کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔ انہوں نے کہا: ہمیں ابن زیاد کے پاس لے جا، وہ ہمارے بارے میں خود فیصلہ کرے گا۔ اس نے کہا: میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ تمہارہ خون بہا کر اس کا قرب حاصل کروں۔ انہوں نے کہا: کیا تو ہماری کمسنی پر رحم نہیں کھاتا؟ اس نے کہا: خدا نے میرے دل میں رحم پیدا ہی نہیں کیا۔ انہوں نے کہا: اگر تو ہمیں قتل ہی کرنا چاہتا ہے

توذرا ٹھہر جا، ہمیں چند رکعت نماز پڑھنے دے۔ وہ کہنے لگا: اگر نماز تمہیں فائدہ دیتی ہے تو جتنی جی چاہے پڑھ لو!۔

انہوں نے چار رکعت نماز پڑھی اور آسمان کی طرف نگاہ کر کے کہا: اے خدائے زندہ اور حکیم، اے احکم الحاکمین، ہمارے اور اس کے درمیان حق کا فیصلہ کر۔ وہ شخص اٹھا، پہلے بڑے بھائی کی گردن کاٹی اور سر تھیلے میں ڈالا۔ چھوٹا بھائی آگے بڑھا اور اپنے آپ کو اس کے خون سے رنگین کیا اور کہا: میں پیغمبرؐ کے ساتھ اسی حالت میں ملاقات کروں گا۔ اس شخص نے کہا: تجھے بھی اس کے ساتھ ملاؤں گا۔ پھر اس کی گردن کاٹی اور سر کو تھیلے میں ڈالا۔ پھر دونوں کے بدن پانی میں بہا دیئے، جبکہ ان سے خون ٹپک رہا تھا اور سروں کو ابن زیاد کے پاس لے گیا۔

ابن زیاد تخت پر بیٹھا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ اس شخص نے ابن زیاد کے سامنے سر رکھ دیئے۔ ابن زیاد نے جب سروں کو دیکھا تو تین بار اٹھا اور بیٹھا۔ پھر کہا: وائے ہو تجھ پر! تو نے انہیں کہاں پایا ہے؟ اس نے کہا: ہماری ایک بڑھیا نے انہیں اپنا مہمان بنایا ہوا تھا۔ ابن زیاد نے کہا: تو نے مہمان کے حق کا خیال نہیں رکھا؟ اس نے کہا: نہیں۔ ابن زیاد نے پوچھا: انہوں نے تجھے کیا کہا تھا؟ اس نے کہا: انہوں نے کہا کہ ہمیں بردہ فروشوں کے بازار میں لے جا اور ہماری قیمت سے فائدہ اٹھا اور روزِ قیامت محمدؐ کو اپنا دشمن نہ بنا۔ ابن زیاد نے کہا: تو نے ان سے کیا کہا؟ اس نے کہا: میں نے کہا: نہیں! میں حتماً تمہیں قتل کروں گا، تمہارے سر ابن زیاد کے پاس لے جاؤں گا اور اس سے دو ہزار درہم انعام حاصل کروں گا۔ پھر ابن زیاد نے پوچھا: انہوں نے کیا کہا؟ اس نے کہا: انہوں نے کہا کہ ہمیں ابن زیاد کے سامنے پیش کر دے، وہ ہمارے بارے میں فیصلہ کرے گا۔ ابن زیاد نے پوچھا: تم نے کیا کہا؟ اس نے بتایا: میں نے کہا کہ تمہیں قتل کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، تاکہ تمہارے خون کے ذریعہ اس کا قرب حاصل کروں۔

ابن زیاد نے کہا: اگر انہیں زندہ لے آتا تو میں تجھے دگنا انعام یعنی چار ہزار دینار دیتا۔ اس شخص نے کہا: ان کو قتل کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا۔ ابن زیاد نے کہا: انہوں نے مزید تجھے کیا کہا؟ اس نے کہا: انہوں نے کہا کہ ہماری پیغمبرؐ کے ساتھ قرابت داری کا لحاظ کرو۔ ابن زیاد نے پوچھا: تم نے کیا کہا؟ اس نے بتایا: میں نے کہا کہ تمہاری پیغمبرؐ کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔ ابن زیاد نے کہا: وائے ہو تجھ پر! انہوں نے مزید کیا کہا؟ اس نے بتایا: انہوں نے کہا کہ اے مرد! ہماری کم سنی پر رحم کر۔ ابن زیاد نے کہا: کیا تم نے رحم کیا؟ اس نے کہا: میں نے کہا کہ اللہ نے میرے دل میں رحم نہیں ڈالا۔ ابن زیاد نے کہا: وائے ہو تجھ پر! انہوں نے اور کیا کہا؟ اس نے بتایا: انہوں نے کہا کہ ہمیں چند رکعت نماز پڑھنے دے۔ انہوں نے چار رکعت نماز پڑھی۔ ابن زیاد نے پوچھا: نماز کے آخر میں انہوں نے کیا کہا؟ اس نے بتایا: انہوں نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور کہا: اے خدائے زندہ اور حکیم، ہمارے اور اس کے درمیان حق کا فیصلہ کر۔ ابن زیاد نے کہا: خدائے احکم الحاکمین نے تمہارے اور اس بدبخت کے درمیان حق کا فیصلہ کیا ہے۔

ایک شامی نے کہا: اسے میرے سپرد کردو۔

ابن زیاد نے کہا: اسے وہاں لے جا، جہاں اس نے ان بچوں کے سر قلم کیے ہیں، اس کی گردن کاٹ دے اور اس کا خون ان بچوں کے خون میں ملنے دے۔ پھر جلدی سے اس کا سر میرے پاس لے آ۔

شامی نے ایسا ہی کیا، اس کا سر لے آیا اور نیزے پر لٹکا دیا۔ بچے اس کے سر کو پتھر اور تیر مارتے اور کہتے تھے: یہ رسول خداؐ کے بیٹوں کا قاتل ہے۔[1]

---

[1] ۔ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۱۹، ح ۲، ص ۱۴۳ تا ۱۴۸؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۱۰۰ تا ۱۰۵۔

خوارزمی نے بھی یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ، لیکن شیخ مفید سے قدرے مختصر اور دوسری سند کے ساتھ، تھوڑے فرق سے ذکر کیا ہے۔[1]

ابن سعد نے ان کو عبد اللہ بن جعفر کے بیٹے کہا ہے چنانچہ یوں نقل کیا ہے:

عبد اللہ بن جعفر کے دو نابالغ بیٹے تھے۔ ان کو عبد اللہ بن قُطبہ طائی نبہانی کی بیوی نے چھپایا ہوا تھا۔ عمر سعد نے آواز دی: جو شخص ایک سر لے آئے گا اس کا انعام ہزار درہم ہے۔ عبد اللہ بن قطبہ اپنے گھر گیا۔ اس کی بیوی نے کہا: دو بچے ہمارے پاس پناہ لیے ہوئے ہیں۔ کیا ممکن ہے کہ ان کے ساتھ نیکی کرو اور ان دونوں کو ان کے خاندان کے پاس مدینہ بھیج دو؟ عبد اللہ نے کہا: ہاں! وہ دونوں مجھے دکھاؤ؛ جب اُس نے اُن دونوں بچوں کو دیکھا تو انہیں قتل کر دیا اور ان کے سر ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ ابن زیاد نے اسے کچھ نہ دیا اور کہا: میں چاہتا تھا کہ ان کو میرے پاس زندہ لے آتے تاکہ میں ان کے باپ عبد اللہ بن جعفر پر احسان کرتا اور انہیں رہا کر دیتا۔ عبد اللہ بن جعفر نے بھی یہ خبر سن کر کہا: میں چاہتا تھا کہ وہ انہیں میرے پاس لے آتا، تاکہ میں اسے بیس لاکھ درہم عطا کرتا۔[2]

بلاذری[3]، طبری[4]، ابن عدیم[5] اور ابن کثیر[6] نے یہ واقعہ مختصر انداز سے نقل کیا ہے۔ ان کتب میں کہا ہے کہ ابن زیاد نے عبد اللہ طائی کی گردن کاٹنے کا فیصلہ کیا اور اس کے گھر کو ویران کرنے کا حکم صادر کیا۔ یہ واقعہ بعد والی کتب میں مزید تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔[1]

---

[1]۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۵۴ تا ۵۸۔

[2]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص۷۷۔

[3]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۲۴۔

[4]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۴، ص۲۹۶۔

[5]۔ ابن عدیم، بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب، ج۶، ص۲۶۳۹۔

[6]۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص۱۸۵۔

تحقیق

چونکہ شیخ صدوقؒ کی کتاب "الامالی" سے پہلی کتب مثلاً مقتل ابن سعد، تاریخ طبری اور انساب الاشراف بلاذری میں اس واقعہ کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے؛ لہٰذا اصل واقعہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا؛ چاہے وہ بچے مسلم بن عقیل کے ہوں یا عبد اللہ بن جعفر کے؛ لیکن کچھ دلائل کی بنا پر اس واقعہ کی بعض جزئیات کو آسانی سے قبول نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح ان دو مظلوم بچوں کے قتل پر ابن زیاد کا رحم اور اس کا متاثر ہونا بھی قبول نہیں کیا جاسکتا؛ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا یہ عمل ریاکاری اور عوام کو دھوکہ دینے کے لیے تھا۔ اسی طرح بچوں کے قاتل کو ایک شامی کے سپرد کرنا بھی قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ کوفہ میں شامی نہیں رہتے تھے۔ اس بنا پر اگر اس واقعہ کی جزئیات کو قبول کر لیا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ وہ شخص یزید کا طرفدار اور شامیوں کا حامی تھا، نہ کہ خود شام کا رہنے والا تھا۔

---

[۱] ملا حسین واعظ کاشفی، روضۃ الشہدا، ص ۲۳۶ تا ۲۴۱؛ میرزا محمد تقی سپہر، ناسخ التواریخ امام حسین، ص ۳۲۴ تا ۳۲۸ (منقول از روضۃ الشہدا)؛ محمد مہدی حائری مازندرانی، معالی السبطین الامامین (الحسن والحسین)، ج ۲، ص ۴۱ تا ۴۵۔

تیرہویں فصل

اصحابِ امام حسین علیہ السلام کے حالات زندگی

۱۔ابو الہِیاج

عبد اللہ بن ابی سفیان بن حارث بن عبد المطلب المعروف ابو الہِیاج، پیغمبر اسلامؐ کے صحابی[1] اور رَملہ بنت امیر المومنین علیہ السلام کے شوہر ہیں۔[2] آپ کی والدہ ماجدہ جمانہ بنت ابو طالب تھیں۔[3] ابو الہیاج، امیر المومنین علیہ السلام کے دور حکومت میں سواد (عراق) میں قاضی کے عہدے پر فائز تھے۔[4] آپ ماہر شاعر اور حاضر جواب خطیب تھے، چنانچہ آپ نے معاویہ کے دربار میں عمرو بن عاص سے بنی ہاشم کی عیب جوئی سن کر اسے محکم جواب دیا اور اس کی سخت مذمت کی۔[5] ابو الہیاج روزِ عاشورہ شہادت کے اعلیٰ و ارفع پر فائز ہوئے۔[6]

۲۔ابو ثُمامہ زیاد بن عمرو بن عُریب صائدی

آپ امیر المومنین علیہ السلام کے صحابی[7]، عرب کے بہادر اور مشہور شیعہ تھے۔[8] جب حضرت مسلم بن عقیل کوفہ گئے تو ابو ثمامہ ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور حضرت مسلم کے حکم سے قیام کے اخراجات کے لیے لوگوں سے چندہ جمع کرتے تھے۔ آپ چونکہ فوجی انتظامات کے ماہر تھے، لہٰذا آپ نے اسلحہ اور جنگی آلات خریدنے کی ذمہ داری لی۔ آپ نے ہی ابن زیاد کے جاسوس سے رقم لی، جبکہ آپ اسے نہیں جانتے

---

[1]۔ ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج۴، ص۱۰۱۔

[2]۔ ابن حبیب، المحبر، ص۵۶۔

[3]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۴، ص۴۰۸۔

[4]۔ ابن حزم، المحلی، ج۹، ص۳۸۵۔

[5]۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ج۳۱، ص۵۱۔

[6]۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ج۳۱، ص۵۱؛ ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج۴، ص۱۰۱۔

[7]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۶؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص۲۱۲۔

[8]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۶۴؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۴۶۔

تھے کہ یہ حکومت کا جاسوس ہے۔[1] دارلامارہ کے محاصرہ کے وقت اور ہانی بن عروہ کی گرفتاری کے بعد قبیلہ تمیم اور ہمدان کی سپہ سالاری آپ نے سنبھالی۔[2]

آپ محکم ایمان، ولایت اہل بیتؑ سے سرشار، شجاع، ذہین سیاسی اور معلومات رکھنے والے انسان تھے۔ جب کثیر ابن عبد اللہ نے عمر بن سعد کو مشورہ دیا کہ امام حسینؑ کو چھپ کر قتل کر دیا جائے اور اس کام کے لیے اپنی آمادگی کا اظہار کیا اور پھر اسلحہ سے لیس ہو کر امامؑ کے پاس آیا تو اس وقت ابو ثمامہ صائدی نے اسے امامؑ کی ساتھ ملاقات نہ کرنے دی۔[3]

روزِ عاشورہ جب نماز ظہر کا وقت ہوا تو ابو ثمامہ نے ہی نماز کی یاد آوری کروائی۔ طبری کی روایت کے مطابق انہوں نے امامؑ کے دفاع میں اپنے ایک چچازاد کو بھی قتل کیا، جو دشمن کی فوج میں شامل تھا۔[4] آخر کار آپ نے قیس بن عبد اللہ کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا۔[5]

۳۔ اَدہم بن امیہ عَبدی

آپ بصرہ کے شیعہ اور قبیلہ عبد القیس سے تھے، جو امامؑ کے ساتھ مل گئے اور روزِ عاشورہ جام شہادت نوش فرمایا۔[6]

۴۔ اسلم مولی بنی مدینہ

آپ امام حسینؑ کے اصحاب میں سے تھے، اور روزِ عاشورہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[7] فضیل بن زبیر نے ان کو قبیلہ بنی کلب کا فرد شمار کیا ہے۔[1]

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۶۴؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۴۶۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۶۹؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۱۰۰۔

[3]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۱۰؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۸۶، ۸۷۔

[4]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۱؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۶۸۔

[5]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۶۔

[6]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۳۔

[7]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۵؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص۲۱۱۔

۵۔ امیہ بن سعد طائی

آپ قبیلہ طی سے ہیں۔ آپ بھی روز عاشورہ شہید ہوئے ہیں۔[۲]

۶۔ انس بن حارث کاہلی

آپ رسول خداؐ کے صحابی تھے،[۳] جنہوں نے رسول خداؐ سے امام حسینؑ کی شہادت کے بارے میں سن رکھا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خداؐ سے سنا ہے کہ میرا بیٹا حسین سرزمین عراق پر شہید کیا جائے گا۔ جو شخص اس وقت تک زندہ رہے اور حسین کو درک کرلے تو اس پر ضروری ہے کہ اس کی مدد کرے۔[۴] جناب انس کوفہ کے رہنے والے تھے[۵]۔ روز عاشورہ اٹھارہ لعینوں کو جہنم واصل کرنے کے بعد، شہادت کے اعلیٰ وارفع درجہ پر فائز ہوئے۔[۶]

۷۔ اَنیس بن مَعقِل اصبحی

روز عاشورہ حضرت ابوذر کے غلام جَون کے میدان کارزار میں جانے کے بعد آپ رجز پڑھتے ہوئے میدانِ جنگ میں گئے اور دشمن کی ایک جماعت کو واصل جہنم کرنے کے بعد جامِ شہادت نوش فرمایا۔[۷]

---

[۱] فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ ۲، ص ۱۵۴۔

[۲] فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۴؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۱۔

[۳] فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۲؛ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۲۱۔

[۴] ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۱، ص ۱۸۴۔

[۵] ابن اثیر، اُسد الغابہ، ج ۱، ص ۱۴۶؛ ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، ج ۱، ص ۲۷۰، ۲۷۱۔

[۶] شیخ صدوق، الامالی، ص ۲۲۴، ح ۲۳۹۔

[۷] ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۱۰۸؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۱۔

۸۔ بدر بن مُعْقَّل جعفی

طبری نے ان کو قبیلہ ازد سے شمار کیا ہے اور کہا ہے: آپ حضرت علی علیہ السلام کی فوج کے ایک گروہ کے سردار تھے، جو ایک خارجی خرّیت کے ساتھ جنگ لڑنے کے لیے گیا تھا۔[1] بلاذری اور عسقلانی نے ان کو امام حسین علیہ السلام کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔ آپ نے میدانِ کربلا میں جام شہادت نوش فرمایا۔[2]

۹۔ بُریر[3] بن خُضَیر ہمدانی

حضرت بُریر خدا کے نیک بندے،[4] قاری، معلم قرآن[5] اور زاہد انسان تھے۔ رات کو عبادت کرتے اور دن کو روزہ رکھتے تھے۔[6] آپ روزِ عاشورہ سے پہلے امام حسین علیہ السلام سے اجازت لے کر عمر بن سعد کے ساتھ ملاقات کرنے کے لیے گئے اور سلام کیے بغیر اس کے سامنے بیٹھ گئے، جس کی وجہ سے عمر بن سعد نے غصہ میں کہا: کیا تو مجھے مسلمان نہیں سمجھتا؟ جناب بُریر نے فرمایا: اگر تم مسلمان ہوتے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کے اہل بیت کے ساتھ یہ سلوک نہ کرتے۔ پھر حضرت بُریر نے سخت کلام کیا اور اسے اپنی غلطی کا اعتراف کروانے کی کوشش کی؛ لیکن اس ملعون نے آخر میں کہا کہ میں حسین بن علی کے ساتھ جنگ کرنے کا مصمم ارادہ رکھتا ہوں۔[7]

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۱۲۳۔

[2] ۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۰۵؛ ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج۶، ص ۵۵۴۔

[3] ۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۹۵؛ ابن فتال نیشابوری، روضۃ الواعظین، ج۱، ص ۱۸۷۔

[4] ۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۱۰۳۔

[5] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۳۲۔

[6] ۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص ۲۴۸۔

[7] ۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص ۲۴۸۔

۱۰۔ بشیر بن عمرو حضرمی

امام حسینؑ کی شہادت سے پہلے آپ کے صرف دو اصحاب بچ گئے تھے، ایک سوید بن عمر بن ابی المطاع اور دوسرے بشیر بن عمرو حضرمی؛[1] لہٰذا حضرت بشیر بن عمرو عاشورہ کے دن شہید ہونے والے اصحاب میں سے آخری شہید ہیں۔

۱۱۔ جابر بن حارث سَلمانی

آپ کو بھی شہدائے کربلا میں شمار کیا جاتا ہے۔[2] احتمال ہے کہ آپ ان چار افراد میں سے ہیں جو طرماح بن عدی کی رہنمائی میں کوفہ سے نکلے اور "عذیب الھجانات" کے مقام پر امام حسینؑ کے قافلے میں شامل ہوئے۔[3] چونکہ آپ جنگ کے آغاز میں عمرو بن خالد صیداوی، سعد غلام عمرو بن خالد اور مجمع بن عبد اللہ عائذی کے ہمراہ شہید ہوئے،[4] لہٰذا اس احتمال کو تقویت ملتی ہے کہ آپ انہی کے ہمراہ کوفہ سے نکلے تھے۔

۱۲۔ جابر بن حجّاج

آپ قبیلہ بنی تیم اللہ سے عامر بن نہشل کے غلام اور شہدائے کربلا میں سے ہیں، جو روزِ عاشورہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[5]

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۴۴۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۴۶۔

[3]۔ تستری، قاموس الرجال، ج۲، ص ۵۰۵۔

[4]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۴۶۔

[5]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۴؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص ۲۱۱؛ سید محسن امین، اعیان الشعیہ، ج۱، ص ۶۱۱۔

۱۳۔ جَبَلہ بن علی شیبانی

آپ شیعہ تھے اور کربلا میں موجود تھے۔ آپ روز عاشورہ پہلے حملے[1] میں شہید ہوئے۔[2] آپ کا نام زیارت ناحیہ اور زیارت رجبیہ میں آیا ہے۔[3]

۱۴۔ جنُادہ بن حارث انصاری

آپ امام حسینؑ کے جانثاروں میں سے تھے، جو روزِ عاشورہ شہید ہوئے۔[4]

۱۵۔ جنُادہ بن حارث سَلمانی

آپ بھی امام حسینؑ کے صحابی اور شہدائے کربلا میں سے ہیں۔[5] فضیل بن زبیر اور بلاذری نے ان کو قبیلہ بنی مراد سے شمار کیا ہے۔[6] طبری نے ان کا نام جابر بن حارث سلمانی لکھا ہے اور ان کو سب سے پہلے شہدا میں ذکر کیا ہے جو اکٹھے شہید ہوئے۔[7] ابن شہر آشوب نے ان کا نام حباب بن حارث اور ان کو پہلے حملے کے شہدا میں شمار کیا ہے۔[8] ان کا نام زیارت ناحیہ اور زیارت رجبیہ میں بھی آیا ہے۔

---

[1]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۲۲۔

[2]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۵؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۱۔

[3]۔ (السلام علی جبلۃ بن علی الشیبانی) سید ابن طاووس، الاقبال بالاعمال الحسنۃ، ج۳، ص ۷۹؛ ابن المشہدی، المزار الکبیر، ص ۴۹۴۔

[4]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۱۱۰؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابیطالب، ج۴، ص ۱۱۳۔

[5]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۴؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیۃ، ج ۱، ص ۲۱۱؛ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۹۹؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۱۳۔

[6]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۴؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۰۵۔

[7]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۴۶۔

[8]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۲۲۔

۱۶، ۱۷۔ جُندب بن حُجَیر کِندی اور ان کے بیٹے

حضرت جندب اور آپ کے بیٹے حجیر، قبیلہ "جَواب" سے تھے، جنہوں نے روزِ عاشورہ جام شہادت نوش فرمایا۔[2] شیخ طوسی نے جناب جندب کو امام حسینؑ کے اصحاب میں شمار کیاہے، [3] اور ان کا نام بھی زیارت ناحیہ مقدسہ اور زیارت رجبیہ میں آیاہے۔

۱۸۔ جَون (حضرت ابوذر غفاری کے غلام)

آپ امام حسینؑ کے اصحاب اور موالیوں میں سے تھے، جو روزِ عاشور شہید ہوئے۔[4] قدیم کتب میں ان کا نام ایک جیسا ذکر نہیں ہوا۔ اگرچہ سب نے ان کو حضرت ابوذر کا غلام کہاہے، لیکن بعض مؤرخین نے ان کا نام حُوَی [5]، بعض نے جون [6] اور بعض نے جُوین [7] لکھاہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ابن شہر آشوب نے جوین بن مالک کو حضرت ابوذر کا غلام جاناہے؛[8] جبکہ شیخ طوسی نے "جَون" کے ساتھ "جوین بن مالک" کو بھی امام حسینؑ کا صحابی شمار کیاہے، [9] جس معلوم ہوتاہے کہ شیخ طوسی کی نگاہ میں جوین بن مالک حضرت ابوذر کے غلام جَون کے علاوہ کوئی اور شخص تھا۔

---

[1]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۵؛ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۱۰۰؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۱۔

[2]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۵۔

[3]۔ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۱۰۰۔

[4]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۳؛ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۹۹؛ ابن نماز، مثیر الاحزان، ص ۶۳۔

[5]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۳۹۳؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۲۰؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۱۰۸؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۵۹؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۸، ص ۱۹۱۔

[6]۔ ابوافرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۱۱۳؛ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۹۹؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۶۳؛ تستری، قاموس الرجال، ج ۲، ص ۹۳۔

[7]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۹۳۔

[8]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۱۔

[9]۔ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۹۹۔

۱۹۔ جوین بن مالک[۱]

آپ قبیلہ قیس بن ثعلبہ[۲] تیمی سے تھے اور کربلا میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[۳] آپ کا نام زیارت ناحیہ اور زیارت رجبیہ میں آیا ہے۔[۴]

۲۰۔ حارث بن امرؤالقیس کندی

آپ یمنی عربوں کے قبیلہ "کِندہ" سے ہیں اور کربلا میں امام حسینؑ کی مدد کرتے ہوئے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[۵]

۲۔ حارث بن نبہان

آپ سید الشہدا حضرت حمزہ کے غلام تھے اور روزِ عاشورہ شہید ہوئے۔[۶]

۲۲۔ حبیب بن مظاہر

آپ قبیلہ "بنی اسد" سے تھے۔ وہی قبیلہ جنہوں نے واقعہ عاشورہ کے بعد شہدائے کربلا کو دفن کرنے کا شرف حاصل کیا۔[۷] حضرت حبیب نے رسول خداؐ کو درک کیا تھا، لہٰذا آپ رسول خداؐ کے اصحاب میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ عرب کے بہادر شاعر ربیعہ بن حوط بن رئاب المعروف اَثور کے چچازاد تھے۔[۸]

---

[۱]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۹۳۔

[۲]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۳؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص۲۱۰۔

[۳]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۳؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص۲۱۰۔

[۴]۔ ابن المشہدی، المزار الکبیر، ص۴۹۴؛ سید ابن طاووس، الاقبال، ج۳، ص۳۴۶؛ شہید اول، المزار، ص۱۵۳۔

[۵]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۵؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص۲۱۱۔

[۶]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۲؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص۲۱۰۔

[۷]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۱۴۔

[۸]۔ ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، ج۲، ص۱۴۲؛ سماوی، ابصار العین، ص۱۰۰۔

حضرت حبیب، امام علیؑ کے خاص صحابی تھے اور میثم تمار، رُشید ہجری، عمرو بن حمق اور محمد بن ابی بکر جیسے فداکار اصحاب کی صف میں شامل تھے۔[1] آپ امیر المومنین ؑ کی خصوصی فوج (شُرطۃ الخمیس[2]) کے رکن تھے۔[3] تمام جنگوں میں حضرت علیؑ کے ساتھ رہے اور آپ سے بہت سے علوم حاصل کیے۔ علما نے لکھا ہے کہ آپ نے امام علی ؑ سے علمِ منایا(موت کے وقت کا علم) اور علمِ بلایا(یعنی مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کا علم) سیکھا ہے۔[4] اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت حبیب اور حضرت میثم تمار نے ایک دوسرے کو شہادت کی کیفیت کی خبر دی ہے۔ شیخ طوسی نے فضیل بن زبیر سے نقل کیا ہے:

> **ایک دن حضرت میثم تمار کوفہ میں گھوڑے پر جارہے تھے کہ بنی اسد کی بیٹھک پر حبیب بن مُظاہر کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ حضرت حبیب نے حضرت میثم تمار سے کہا: میں ایک ایسے بوڑھے شخص کو دیکھ رہا ہوں جو دار الرزق میں خربوزے بیچتا ہے اور اسے اہل بیتؑ کی محبت میں سولی پر لٹکایا جائے گا اور سولی پر اس کا شکم چاک کیا جائے گا۔ حضرت میثم نے کہا: میں ایک سرخ چہرے والے مرد کو دیکھ رہا ہوں جو فرزند پیغمبرؐ کی راہ میں شہید ہوگا، پھر اس کا سر تن سے جدا کر کے کوفہ میں پھیرایا جائے گا۔**
>
> **اس کے بعد دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوگئے۔ سننے والوں نے کہا کہ ان سے زیادہ ہم نے کسی کو جھوٹا نہیں دیکھا۔ اُسی وقت حضرت رُشید ہجری جو انہیں تلاش کر رہے تھے، وہاں موجود لوگوں کے پاس آئے اور ان سے میثم اور حبیب کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے رُشید ہجری کے سامنے اُن دونوں کی باتیں دہرائیں۔ رُشید نے کہا: خدا میثم پر**

---

[1]۔ شیخ مفید، الاختصاص، ص ۳؛ سماوی، ابصار العین، ص ۱۰۱۔

[2]۔ شیخ مفدی، الاختصاص، ص ۳، ۲۔

[3]۔ یہ وہ جماعت تھی جو سب سے پہلے جنگ میں جاتی اور موت کے لئے ہمیشہ تیار رہتی۔

[4]۔ مامقانی، تنقیح المقال، ج ۱، ص ۲۵۳۔

رحم کرے! وہ یہ کہنا بھول گیا ہے کہ حبیب کا سر لانے والے کو سو درہم انعام بھی دیا جائے گا۔ لوگوں نے کہا: یہ اُن دونوں سے بھی زیادہ جھوٹا ہے۔

یہ واقعات دیکھنے والوں نے کہا کہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ حضرت میثم کو عمرو بن حُریث کے گھر کے دروازے پر سولی پر لٹکایا گیا اور حضرت حبیب بھی شہید ہو گئے اور ان کا سر تن سے جدا کر کے کوفہ لایا گیا۔[1]

حبیب بن مُظاہر، امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام دونوں کے صحابی تھے۔[2] معاویہ کی موت اور امام حسین علیہ السلام کے مدینہ سے مکہ ہجرت کرنے کے بعد، کوفہ کے شیعوں کی ایک جماعت سلیمان بن صُرد خزاعی کے گھر جمع ہوئی اور امام حسین علیہ السلام کو خط لکھ کر کوفہ بلانے کا فیصلہ کیا۔[3] حبیب بن مُظاہر بھی اس میٹنگ میں شریک ہوئے، امام حسین علیہ السلام کو خط لکھا[4] اور حضرت مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کی۔

امام حسین علیہ السلام کے کوفہ روانہ ہونے اور حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کے بعد، ابن زیاد نے کوفہ کے پولیس افسر حُصین بن نمیر کو حکم دیا کہ کوفہ کے تمام راستوں پر پہرہ لگا دیا جائے،[5] تا کہ امام علیہ السلام کوفہ میں داخل نہ ہو سکیں اور نہ ہی کوفہ کے رہنے والے شیعہ امام حسین علیہ السلام کی فوج میں شمولیت اختیار کر سکیں۔

ان حالات کے باوجود حبیب بن مُظاہر، امام علیہ السلام کے کربلا پہنچنے کی خبر ملتے ہی حضرت مسلم بن عوسجہ کے ہمراہ کربلا پہنچے۔

شیخ طوسی نے حضرت حبیب بن مُظاہر کے بارے میں لکھا ہے:

---

[1] ۔ شیخ طوسی، اختیار معرفۃ الرجال، ص۷۸،۷۹۔

[2] ۔ شیخ طوسی، اختیار معرفۃ الرجال، ص۷۹، ۹۳، ۱۰۰۔

[3] ۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۳۶، ۳۷؛ تستری، قاموس الرجال، ج۳، ص۹۷۔

[4] ۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۳۵، ۳۶؛ تستری، قاموس الرجال، ج۳، ص۹۷۔

[5] ۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۶۹۔

حبیب ان ستر شہدا میں سے ہیں جن پر لوہے کے پہاڑ اور تلواریں آئیں، انہوں نے دشمن کے تیر اپنے سینوں پر لیے اور ان کی تلواروں کا اپنے خون آلود رخسار کے ساتھ استقبال کیا۔ اگرچہ عمر بن سعد نے انہیں امان بھی دی اور بہت زیادہ رقم کی پیشکش بھی کی، لیکن اس کے باوجود آپ نے امام حسینؑ کی مدد کرنے سے دریغ نہ کیا اور کہا: رسول خداؐ کے سامنے ہمارے پاس کوئی عذر نہیں ہوگا کہ ہم بیٹھے رہیں اور حسین کو شہید ہوتا دیکھتے رہیں۔ ہماری ذمہ داری اس وقت مکمل ہوگی جب ہم حسینؑ کے ساتھ شہید ہو جائیں گے۔[1]

حضرت حبیب کربلا پہنچنے کے بعد بھی قبیلہ بنی اسد[2] کو امامؑ کے لشکر میں شامل ہونے کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔[3] آپ روزِ عاشورہ سپاہِ امام کے میمنہ کے سردار تھے۔[4] آپ اعلیٰ عزم کے مالک، اس پُر حزن دن کو خوشحال نظر آتے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مذاق کرتے تھے۔[5] ان کی شہادت کی کیفیت کو ہم نے روزِ عاشورہ کے واقعات میں ذکر کیا ہے۔ ان کا نام زیارت ناحیہ مقدسہ اور رجبیہ میں آیا ہے۔

۲۳۔ حجّاج بن بدر سعدی

حجاج بصرہ کے رہنے والے تھے اور روزِ عاشورہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[6]

---

[1]۔ شیخ طوسی، اختیار معرفۃ الرجال، ص۷۹۔

[2]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۸۸؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۹۰۔

[3]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۱۶؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۹۸۔

[4]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۲۲؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۹۵؛ طبرسی، اعلام الوریٰ باعلام الهدی، ص۲۳۷؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۷۹۔

[5]۔ شیخ طوسی، اختیار معرفۃ الرجال، ص۷۹۔

[6]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۳؛ حمید احمد محلی، الحدائق الوردیۃ، ج۱، ص۲۱۰۔

۲۴۔ حجّاج بن مسروق الجعفی

آپ کا شمار امام حسین علیہ السلام کے اصحاب اور شہدائے کربلا میں سے ہوتا ہے۔[۲] آپ امام حسین علیہ السلام کے مؤذن بھی تھے؛ چنانچہ جب امام علیہ السلام کی حُر سے ملاقات ہوئی تو امام علیہ السلام نے حجاج ہی کو ظہر کی اذان کا حکم دیا۔[۳] ان کی شہادت کی تفصیل روزِ عاشورہ کے واقعات میں بیان ہو چکی ہے۔ ان کا نام زیارت رجبیہ میں آیا ہے۔[۴]

۲۵۔ حُر بن یزید ریاحی

آپ عدنانی عرب کے قبیلہ "تمیم" کی شاخ "یربوع" کی ذیلی شاخ "بنی ریاح" سے تھے۔[۵] آپ کا شمار اپنے قبیلہ کے بزرگوں میں سے ہوتا تھا۔[۶] آپ نے مکہ سے کوفہ جاتے ہوئے امام حسین علیہ السلام کے کاروان کا راستہ روکا اور آپ علیہ السلام کو سرزمین کربلا میں اترنے پر مجبور کیا۔ تاریخ اور رجال کی کتابوں میں ان کا تذکرہ نہیں ہوا۔

عمر بن سعد نے روزِ عاشورہ قبیلہ بنی تمیم اور قبیلہ ہمدان کے سپاہیوں کی کمانڈ حُر کے سپرد کی۔[۷] یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اموی حکومت کو ان پر مکمل اعتماد تھا، لیکن حُر آخر کار امام حسین علیہ السلام کی فوج میں شامل ہو گئے، اپنے گناہ سے توبہ کی اور راہِ خدا میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[۸] انہوں نے تھوڑی سی مدت میں جنت اور جہنم کا فاصلہ طے کیا اور اپنے آپ کو سعادت کی بلند و بالا چوٹی پر پہنچا دیا۔

---

[۱]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۰۵؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۱۲؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۰۹۔

[۲]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۰۵؛ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص۱۰۰؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۱۲؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۰۹۔

[۳]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۰۱؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۷۸۔

[۴]۔ سید ابن طاووس، الاقبال بالاعمال الحسنہ، ج۳، ص۳۴۵۔

[۵]۔ ابن حزم اندلسی، جمہرۃ انساب العرب، ص۲۲۷۔

[۶]۔ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص۲۵۱۔

[۷]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۲۲؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۶۰۔

[۸]۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، الطبقۃ الخامسۃ، ج۱، ص۴۶۹؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۰۱، ۱۰۲۔

۲۶۔ حنظلہ بن اسعد شَبامی

آپ یمنی قبیلہ "ہمدان"[1] اور امام حسین علیہ السلام کے اصحاب میں سے ہیں۔[2] حضرت حنظلہ کا شمار اُن شہدا[3] میں ہوتا ہے جنہوں نے روزِ عاشورہ اپنے آپ کو تیروں، نیزوں اور تلواروں کے سامنے امام حسین علیہ السلام کی ڈھال بنایا۔[4] آپ نے امام علیہ السلام کے سامنے کوفیوں کو نصیحت کی اور قرآن کی عذاب والی آیات کے ذریعہ ان کو امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے سے منع کیا، لیکن امام علیہ السلام فرمایا: ان پر اللہ کا عذاب واجب ہو چکا ہے۔ پھر حضرت حنظلہ امام علیہ السلام سے اذنِ جہاد لے کر میدان کارزار میں تشریف لے گئے، شجاعانہ جنگ کی اور دشمن کی ایک جماعت کو واصل جہنم کیا۔ دشمن نے آپ پر حملہ کر کے شہید کر دیا۔[5] آپ کا نام زیارت ناحیہ مقدسہ اور زیارت رجبیہ میں آیا ہے۔[6]

۲۷، ۲۸۔ خالد بن عمرو اور ان کے والد عمرو بن خالد ازدی

آپ اپنے باپ کے ہمراہ کربلا تشریف لائے اور اپنے باپ کی شہادت کے بعد میدان جنگ میں گئے۔ آپ نے رجز پڑھتے ہوئے سخت جنگ کی اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[7]

---

[1]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۶۔

[2]۔ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۱۰۰۔

[3]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۶؛ حمدی بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۲۔

[4]۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۲۴۔

[5]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۴۳؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۰۵۔

[6]۔ سید ابن طاووس، الاقبال بالاعمال الحسنۃ، ج ۳، ص ۷۹، ۳۴۵۔

[7]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۱۰۵؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۰۔

۲۹۔ خُفَینَہ بن قیس بن سَلَمہ بن طُریف

عسقلانی کی روایت کے مطابق آپ قبیلہ عیلان کی شاخ "فَہم" سے تھے۔[1] آپ نے امام حسین علیہ السلام کے رکاب میں جام شہادت نوش فرمایا۔[2] آپ کے پڑدادا "طُریف"، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے صحابی تھے[3] اور آپ کے دادا "سلمہ" نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کو صرف دیکھا تھا۔[4]

متقدم علما میں سے صرف عسقلانی نے کتاب "الاصابہ" میں آپ کا نام و نشان ذکر کیا ہے، لیکن متاخرہ کتب میں ایسے شخص کو شہدائے کربلا میں شمار کیا ہے، جس کے باپ کا نام قیس تھا اور جو قبیلہ "نَہم" سے تھا۔[5] انہوں نے اس شخص کے مختلف نام لکھے ہیں، مثلاً حبشہ بن قیس[6]، حبشی بن قیس[7] اور حبشہ بن قیس نہمی[8]۔ اسی طرح آپ کا نسب "فہمی" کے بجائے "نہمی" لکھا ہے۔ البتہ مذکورہ تمام ناموں کی خُفَینَہ بن قیس کے ساتھ شباہت کی وجہ سے اس احتمال کو تقویت ملتی ہے کہ ان سب ناموں سے ایک ہی شخص مقصود ہے۔

۳۰۔ مسلم ازدی کے غلام رافع بن عبد اللہ

آپ قبیلہ شَنُوئَہ[9] کے غلام اور کربلا کے شہید ہیں۔ آپ اپنے مالک کے ہمراہ امام حسین علیہ السلام کی مدد کے لیے کربلا تشریف لائے اور جام شہادت نوش فرمایا۔[10]

---

[1]۔ سمعانی، الانساب، ج۴، ص ۴۱۳؛ ابن اثیر، اللباب فی تہذیب الانساب، ج ۲، ص ۴۴۸۔

[2]۔ ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، ج۳، ص۱۹۹۔

[3]۔ ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، ج۳، ص۱۹۹؛ ابن سعد، الطبقات الکبری، ج۵، ص ۵۶۵؛ ابن اثیر، اُسد الغابہ، ج ۲، ص ۴۵۷۔

[4]۔ ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، ج۳، ص۱۹۹۔

[5]۔ مامقانی، تنقیح المقال، ج۱، ص ۲۵۰؛ سماوی، ابصار العین، ص ۱۳۴؛ سید محسن امین، اعیان الشیعہ، ج۱، ص ۶۱۱۔

[6]۔ مامقانی، تنقیح المقال، ج۱، ص ۲۵۰۔

[7]۔ سماوی، ابصار العین، ص ۱۳۴۔

[8]۔ سید محسن امین، اعیان الشیعہ، ج۴، ص ۳۸۶۔

[9]۔ یاقوت حموی، معجم البلدان، ج۳، ص ۴۱۸۔

[10]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۶؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص ۲۱۲۔

۱۳۱۔ زاہر، عمرو بن حمق کے ساتھی

زاہر کا تعلق قبیلہ "کندہ"[۱] سے تھا اور آپ امیر المومنین علیہ السلام کے صحابی تھے۔ آپ نے امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد عمرو بن حمق خزاعی کے ساتھ مل کر معاویہ کے ساتھ مقابلے پر اتر آئے؛ یہاں تک کہ معاویہ انہیں گرفتار کرنے کے درپے ہو گیا۔ دونوں جزیرہ (دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقے) کی طرف بھاگ گئے اور ایک درہ میں پناہ لی۔ آدھی رات کے وقت عمرو کو سانپ نے ڈسا۔ عمرو نے زاہر سے کہا: تم مجھے چھوڑ دو اور یہاں سے چلے جاؤ، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے مجھے خبر دی ہے کہ میرے خون میں سانپ اور انسان شریک ہوں گے۔ اب میں اپنی موت کو قریب دیکھ رہا ہوں اور دشمن بھی ہمارے نزدیک ہے۔

اسی وقت ان کانوں میں دشمن کے نزدیک ہونے کی آواز پہنچی۔ عمرو نے کہا: تم مخفی ہو جاؤ اور یہ لوگ مجھے قتل کرنے کے بعد میرا سر تن سے جدا کر کے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اس کے بعد تم آ کر میرے بدن کو دفن کرنا۔ زاہر نے کہا: میں تمہارے پاس رہوں گا اور ان کے ساتھ اس وقت تک جنگ کروں گا کہ میرے تیر ختم ہو جائیں اور تمہارے ساتھ قتل ہو جاؤں۔ عمرو نے کہا: یہ کام نہ کرو۔ جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر عمل کرو، یہ تیرے لیے بہتر ہے۔ زاہر نے اس کی بات مان لی اور چھپ گیا۔ اتنے میں دشمن پہنچ گئے۔ انہوں نے عمرو کو قتل کیا اور اس کا سر، بدن سے جدا کر کے معاویہ کے پاس لے گئے۔ اس کے بعد زاہر واپس پلٹا اور عمرو کے بدن کو دفن کیا۔[۲]

حضرت زاہر، عاشورہ کے دن پہلے حملے میں شہید ہوئے۔[۳] آپ کا نام زیارت ناحیہ مقدسہ[۴] اور رجبیہ میں آیا ہے۔[۵]

۱۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۵۔

۲۔ تمیمی، مغربی، شرح الاخبار، ج ۲، ص ۳۱، ۳۲۔

۳۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۲۲۔

۴۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۷۹۔

۵۔ سید بن طاووس، الاقبال بالاعمال الحسنہ، ج ۳، ص ۳۴۶۔

۳۲۔ زُہیر بن سُلیم ازدی

آپ کا تعلق قبیلہ "ازد" سے ہے[1] یعنی آپ یمنی اور قحطانی عرب ہیں۔ آپ امیر المومنین علیہ السلام کے صحابی مخنف بن سُلیم ازدی[2] کے بھائی ہیں۔[3] آپ جنگ قادسیہ میں بھی موجود تھے اور سپاہ ایران کے ایک سردار "نخار جان" یا "نخیر خان" کے ساتھ تن بہ تن لڑے اور اسے قتل کیا۔[4]

زُہیر بن سلیم کربلا میں امام حسین علیہ السلام کی مدد کرتے ہوئے روزِ عاشورہ پہلے حملے میں شہید ہوئے۔[5] بعض کتب میں بیان ہوا ہے کہ آپ کا ایک بیٹا عبد اللہ، عمر بن سعد کی فوج کے ایک دستے کا کمانڈر تھا۔ طبری نے عبد اللہ بن زبیر بن سلیم نامی ایک شخص کو عمر بن سعد کے لشکر کا سردار بتایا ہے۔[6]

۳۳۔ زُہیر بن قَین بَجَلی

بعض روایات کے مطابق پہلے آپ عثمانی مسلک تھے؛[7] لیکن کوفہ کے راستے میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ملاقات کے بعد بابصیرت ہو کر امام کے لشکر میں شامل ہوگئے۔ آپ کے عثمانی ہونے پر بہت سے شواہد موجود ہیں؛ مثلاً روزِ عاشورہ دشمن کے سپاہی عَزرہ بن قیس نے حضرت زہیر کو عثمانی کہا اور امام حسین علیہ السلام کے لشکر میں شمولیت پر تعجب کیا؛ جبکہ زہیر نے اس کی نفی نہ کی۔[8] اس کے علاوہ جناب زہیر نے عثمان بن عفان کے دور خلافت (سنہ ۳۳ہجری) میں "بلنجر" کی فتح میں شرکت کی؛ جبکہ امیر المومنین علیہ السلام کے دورِ خلافت کی جنگوں میں شریک نہیں ہوئے اور کوفہ کے راستے میں امام حسین علیہ السلام ساتھ کے ملاقات

---

[1]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۵، ۱۵۶۔

[2]۔ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۱۷۹۔

[3]۔ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۸۱۔

[4]۔ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۱۷۹۔

[5]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۲۲۔

[6]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۲۲۔

[7]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۳۷۸۔

[8]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۱۶، ۴۱۷۔

کرنا بھی نہیں چاہتے تھے؛ یہ سب چیزیں آپ کے عثمانی مذہب ہونے کی تائید کرتی ہیں۔ آپ نے ۹ محرم اور عاشورہ کے دن دشمن کے سامنے نہایت قیمتی گفتگو کی اور امام حسینؑ کو تنہا چھوڑنے پر ان کی ملامت کی؛ پھر امامؑ کا دفاع کرنے میں بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ آخر کار کثیر بن عبد اللہ شعبی اور مہاجر بن اَوس کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا۔[1] آپ کا نام زیارت ناحیہ مقدسہ میں بھی آیا ہے۔

۳۴۔ عامر بن مسلم کا غلام سالم

آپ امام حسینؑ کے صحابی اور کربلا کے شہیدوں میں سے ہیں۔[2] ان کے بارے میں مزید معلومات نہیں مل سکیں۔

۳۵۔ سعید بن عبد اللہ حنفی

آپ امام حسنؑ کے صحابی تھے اور صلحِ معاویہ کے بعد شیعہ بزرگوں کے ہمراہ کوفہ کے دارالامارہ میں امام حسینؑ کے پاس گئے اور صلح سے ناراضگی کا اظہار کیا؛ لیکن امام حسینؑ نے قرآنی آیات کے ذریعہ ان کی دلجوئی کی اور انہیں مطمئن کیا۔[3]

سعید بن عبد اللہ امام حسنؑ کی شہادت کے بعد، امام حسینؑ کے حلقہ احباب میں شامل ہوگئے۔[4] انہوں نے ہانی بن ہانی سُبیعی کے ہمراہ کوفیوں کے خطوط امام حسینؑ کی خدمت میں مکہ پہنچائے[5] اور امام حسینؑ نے کوفیوں کے جواب میں ایک خط لکھ کر انہیں دیا تاکہ کوفہ پہنچائیں۔[6]

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۱۔

[2]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۳؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص۲۱۰۔

[3]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۶۳۔

[4]۔ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص۱۰۱۔

[5]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۳؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۲۹؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۳۸؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۹۸۔

[6]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۳؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۳۸؛

جناب سعید نے حضرت مسلم بن عقیل کے کوفہ پہنچنے کے بعد اُن کے اجتماع میں شرکت کی اور عابس بن شبیب اور حبیب بن مُظاہر کی حمایت کے بعد، انہوں نے بھی حضرت مسلم کی مکمل حمایت کا اعلان کیا۔[1]

شبِ عاشورہ جب امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے بیعت اٹھائی، تو جناب سعید نے وفاداری کا اعلان کیا۔[2] روز عاشورہ جب امام حسین علیہ السلام اور اصحاب، نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت سعید امام علیہ السلام کے سامنے کھڑے ہوگئے اور اپنے آپ کو ڈھال بنالیا۔ اس وقت آپ کو اتنے تیر لگے کہ آپ زمین پر گر گئے۔[3] آپ کو تلوار اور نیزے کے زخموں کے علاوہ تیرہ تیر لگے،[4] جس کی وجہ سے آپ نے جام شہادت نوش فرمایا۔[5]

۳۶۔ سَلمان بن مُضارب

آپ کا تعلق کوفہ میں بسنے والے قبیلہ "بجلیہ" سے ہے اور زہیر بن قین کے چچازاد تھے۔ آپ حضرت زہیر کے ہمراہ کربلا تشریف لائے۔ بعض کتب میں آپ کو شہدائے کربلا میں شمار کیا گیا ہے۔[6]

۳۷۔ امام حسین کے غلام سُلَیمان

سلیمان، امام حسین علیہ السلام کے غلام اور صحابی ہیں، جن کا شمار شہدائے کربلا میں سے ہوتا ہے۔[7] بعض نے ان کی کنیت ابی رَزِین لکھی ہے۔[1] متقدم مصادر نے ان کی شہادت کے متعلق ایک جیسی خبر نہیں دی۔

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۵۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۱۹؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۹۳؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۰۷۔

[3]۔ سید ابن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوط، ص۱۶۵۔

[4]۔ سید ابن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوط، ص۱۶۵۔

[5]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۵؛ حمید ابن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص۲۱۱۔

[6]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۵؛ حمید ابن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص۲۱۱۔

[7]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۲؛ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص۱۸۶؛ ابن حبان، کتاب الثقات، ج۲، ص۳۱۰؛ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۴۳؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۷؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۲۷۔

ایک روایت کے مطابق آپ امام حسینؑ کے قاصد تھے جو امامؑ کا پیغام بصرہ کے قبائل کے پانچ سرداروں، اشراف اور بزرگان تک لے کر گئے۔ ان میں سے ایک سردار ابن زیاد کا سسر مُنذر بن جارود تھا۔ منذر اس ڈر سے کہ کہیں یہ خط ابن زیاد کی سازش نہ ہو، اسے ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ جب ابن زیاد کو خط کے مضمون کا پتہ چلا تو اس نے قاصد کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ جونہی سلیمان کو گرفتار کر کے لایا گیا، ابن زیاد نے اسے شہید کرنے کا حکم دیا۔[1] لیکن دوسری روایت کے مطابق آپ کربلا میں امامؑ کے ساتھ موجود تھے اور روز عاشورہ شہید ہوئے۔[2] ان کا قاتل سلیمان بن عوف حضرمی بتایا گیا ہے۔[3][4]

۳۸۔ سوّار بن ابی خُمیر جابری

آپ یمنی قبیلہ ہمدان[5] کی شاخ "فہم" سے تھے[6] اور واقعہ کربلا میں شہید ہوئے۔[7] بعض نے ان کو پہلے حملے کے شہدا میں شمار کیا ہے؛[8] لیکن بعض روایات کے مطابق، آپ واقعہ کربلا میں اسیر ہو گئے تھے اور چھ ماہ بعد شدید زخموں کی وجہ سے شہید ہو گئے۔[9] زیارت ناحیہ مقدسہ میں آپ کو ابی حُمیرہ کا فرزند کہا گیا ہے اور آپ پر یوں سلام کیا گیا ہے:

اَلسَّلامُ عَلَی الْجَرایِحِ الْمَأسُوْرِ سَوّارِ بْنِ اَبِیْ حُمَیْرٍ الفَهْمِیِّ الهَمْدانِیِّ۔[10]

---

[1] ۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۲۷۔

[2] ۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۲۷؛ دیونری، الاخبار الطوال، ص ۳۴۳؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۳۷؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۵۷، ۳۵۸۔

[3] ۔ تستری، قاموس الرجال، ج ۵، ص ۲۹۶۔

[4] ۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۲؛ حمید ابن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۰؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۵۹؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۸۲۔

[5] ۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۶؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۲۔

[6] ۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۵۔

[7] ۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۵؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۲۲۔

[8] ۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۲۲۔

[9] ۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۶؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۲۔

[10] ۔ سید بن طاووس، الاقبال بالاعمال الحسنہ، ج ۳، ص ۸۰۔

سلام ہو سوار بن ابی میر فہمی ہمدانی پر، جو زخمی اسیر ہوئے۔

۳۹۔ سُوَید بن عمرو بن ابی مُطاع

آپ قحطانی[1] عربوں کے قبیلہ "خثعم"[2] سے تھے۔ آپ امام حسین علیہ السلام آخری صحابی ہیں، جنہوں نے بشیر بن عمرو حضرمی کے ہمراہ امام حسین علیہ السلام کے ہمرکاب جنگ کی۔[3] پہلے بشیر حضرمی میدان کارزار میں گئے اور جام شہادت نوش فرمایا پھر سوید میدانِ وغا میں کودے اور مبارزہ طلبی کی؛ پھر زخمی ہوئے اور بے ہوش کر لاشوں کے درمیان گر گئے، یہاں تک ابن زیاد کے سپاہیوں کو کہتے ہوئے سنا: "حسین قتل ہو گئے ہیں"۔ جب سوید ہوش میں آئے، تو دیکھا کہ دشمن آپ کی تلوار لے گئے تھے، آپ کے پاس ایک خنجر تھا، اسی کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہوئے اور بالآخر عروۃ بن بطار تغلبی اور زید بن رُقاد جنبی کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا۔[4]

۴۰۔ سیف بن حارث بن سُرَیع[5]

آپ یمنی قبیلہ ہمدان[6] کی شاخ "بنی جابر"[7] سے تھے۔ آپ شہیدِ کربلا ہیں[8]، جو عاشورہ کے دن امام حسین علیہ السلام کو وداع کرنے کے بعد مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔[9]

---

[1] عمر رضا کحالہ، معجم قبائل العرب، ج۱، ص۳۳۱۔

[2] فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۴۔

[3] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۴۔

[4] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۵۳۔

[5] فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۶؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص۲۱۲؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۲؛ ابن درید، الاشتقاق، ص۴۲۰۔

[6] فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۶؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص۲۱۲۔

[7] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۲؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۶۸؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۶۶۔

[8] فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۶؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص۲۱۲؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۲؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۶۸؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۶۶۔

[9] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۲؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۶۸؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۶۶۔

۴۱۔ سیف بن مالک[1] عبدی[2]

آپ بصرہ کے شیعہ اور قبیلہ "عبد القیس" سے ہیں[3]، اور روزِ عاشورہ پہلے حملے میں شہید ہوئے۔[4] آپ کا نام زیارت ناحیہ مقدسہ میں آیا ہے۔[5]

۴۲۔ شَبیب بن عبداللہ[6] نَہشلی[7]

آپ کو شبیب بن عبد اللہ[8] اور حبیب بن عبد اللہ نہشلی کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔[9] آپ قبیلہ "بنی نُفیل بن دارم"[10] سے ہیں اور روز عاشورہ شہید ہوئے۔[11] آپ کا نام زیارت ناحیہ مقدسہ[12] اور زیارت رجبیہ[13] میں آیا ہے۔

[1] ۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۳؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۰؛ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۱۰۱؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۲۲۔

[2] ۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۳؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۰۔

[3] ۔ حمید بن احمد، الحدا!ق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۰۔

[4] ۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۳؛ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۱۰۱؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۲۲۔

[5] ۔ سید ابن طاووس، الاقبال بالاعمال الحسنہ، ج ۳، ص ۷۸۔

[6] ۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۳؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۰؛ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۱۰۱؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۸۵۔

[7] ۔ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۱۰۱؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۸۵۔

[8] ۔ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۱۔

[9] ۔ سید ابن طاووس، الاقبال بالاعمال الحسنہ، ج ۳، ص ۳۴۶۔

[10] ۔ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۱۔

[11] ۔ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۱؛ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۴۔

[12] ۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۷۸۔

[13] ۔ سید ابن طاووس، الاقبال الاعمال الحسنہ، ج ۳، ص ۳۴۶۔

۴۳۔ شوذب (قبیلہ شاکر کا ہم پیمان)[1]

آپ کا نام سُوید بھی ذکر ہوا ہے۔[2] متقدم علما نے آپ کو قدیمی شیعہ اور امام حسین علیہ السلام کا صحابی بیان کیا ہے۔[3] آپ بنی شاکر کے آزاد کردہ غلام اور یمنی قبیلہ ہمدان سے تھے اور روز عاشورہ امام حسین علیہ السلام سے الوداع کر کے میدانِ وغا میں کود ے اور درجہ شہادت پایا۔[4] زیارت ناحیہ مقدسہ میں آپ کا نام سوید مولی شاکر ذکر ہوا ہے۔[5]

۴۴۔ ضُباب بن عامر خثعمی

آپ قبیلہ "بنی حارث بن کعب" سے ہیں اور روزِ عاشورہ امام حسین علیہ السلام کے رکاب میں جام شہادت نوش فرمایا۔[6]

۴۵۔ ضرغامہ بن مالک تغلبی

آپ قبیلہ "بنی تغلب" اور امام حسین علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔[7] آپ بھی عاشورہ کے دن پہلے حملے میں شہید ہونے والوں میں ہیں۔[8]

---

[1]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۳؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۰؛ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۱۰۱؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۰۵؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۶۸؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۴۳۔

[2]۔ سید بن طاووس، الاقبال الاعمال الحسنہ، ج ۳، ص ۷۹، ۳۴۶۔

[3]۔ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۱۰۱؛ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۶؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۲؛ شجری، الامالی الخمیسیہ، ج ۱، ص ۱۷۳۔

[4]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۶؛ حمید بن احمد محلی، الھدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۲؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۴۴؛ شیخ طوسی، رجاالطوسی، ص ۱۰۱؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۶۸۔

[5]۔ سید ابن طاووس، الاوبال الاعمال الحسنہ، ج ۳، ص ۷۹۔

[6]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۴؛ حمید بن احمد بن محلی، الھدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۱۔

[7]۔ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۱۰۱؛ ابن شہر آشوب، مناقب آابی طالب، ج ۴، ص ۱۲۲۔

[8]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۲۲۔

۴۶۔ عابس بن ابی شبیب شاکری[1]

حضرت عابس کا تعلق قبیلہ ہمدان[2] سے تھا۔ آپ امام حسینؑ کے اصحاب میں سے ہیں۔[3] جناب عابس نے حضرت مسلم کے کوفہ داخل ہونے کے بعد ایک خطبہ دیا، جس میں اہل بیتؑ کی حمایت کا اعلان کیا۔[4] کوفی شیعوں کی حضرت مسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد حضرت عابس، حضرت مسلم بن عقیل کے قاصد بن کر امام حسینؑ کے پاس کوفیوں کے خط لے کر گئے۔[5]

ابو مخنف نے دو واسطوں سے ربیع بن تمیم (عمر بن سعد کے سپاہی) سے نقل کیا ہے:

> **میں روزِ عاشورہ کربلا میں موجود تھا۔ جب میں نے کربلا میں عابس کو دیکھا تو اسے پہچان گیا۔ اس سے پہلے میں نے اسے دیگر جنگوں میں بھی دیکھا تھا۔ وہ سب سے شجاع شخص تھے۔ میں نے اپنے سپاہیوں سے کہا: اے لوگو! یہ شیروں کا شیر، ابی شبیب کا بیٹا ہے۔ تم میں سے کوئی اکیلے اس پر حملہ نہ کرے۔ پھر حضرت عابس نے صدا دی: کوئی ہے جو میرے ساتھ جنگ کرے؟ عمر بن سعد نے حکم دیا کہ اس کو پتھر مارو۔ عابس نے جب یہ صورت حال دیکھی تو اپنی خُود اور زرہ اتار کر دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ اللہ کی قسم، میں نے دیکھا کہ اس نے دو سو سے زیادہ افراد کو پیچھے دھکیلا۔ اس کی شہادت کے بعد میں نے چند افراد کے ہاتھوں میں اس کا سر دیکھا، ہر شخص دعوی کر رہا تھا کہ میں نے اسے قتل کیا**

---

[1]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۶؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص ۲۱۲؛ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۱۰۳؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۱۰۵؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۵۶۸؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۴۳۔

[2]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۶؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۳۴۔

[3]۔ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۱۰۳۔

[4]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۵۵؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۳۴۔

[5]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۷۵؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۳۲۔

ہے۔ عمر بن سعد نے کہا: ایک دوسرے سے نہ لڑو۔ عابس کسی ایک شخص کے ہاتھ سے قتل نہیں ہوا۔ یہ سن کر سب چلے گئے۔[۱]

۴۷۔ عامر[۲] بن مسلم عبدی

آپ بصرہ کے شیعہ اور امام حسینؑ کے صحابی تھے،[۳] اور روزِ عاشورہ پہلے حملے میں شہید ہوئے۔[۴]

۴۸۔ عباد بن مہاجر بن ابی مہاجر جُہنی

آپ کا تعلق قبیلہ جہنیہ[۵] کی شاخ "خِرقہ" سے ہے اور آپ روزِ عاشورہ کے شہدا میں شامل ہیں۔[۶] شیخ طوسی نے ایک شخص عیاض بن ابی مہاجر کو امام حسینؑ کے اصحاب میں شمار کیا ہے،[۷] احتمالاً یہ وہی شخص ہیں۔

۴۹۔ عبد الاعلیٰ بن یزید کلبی

آپ کوفہ کے جوان اور حضرت مسلم بن عقیل کی بیعت کرنے والوں میں سے ہیں۔ جب حضرت مسلم نے اپنے قیام کا آغاز کیا تو آپ جنگی لباس پہن کر گھر سے نکلے اور محلہ بنی فتیان میں حضرت مسلم کی فوج میں شامل ہونا چاہتے تھے؛ لیکن کثیر بن شہاب (ابن زیاد کا فوجی) نے ان کو گرفتار کر لیا اور ابن زیاد

---

[۱]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۴۴۔

[۲]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۲۲؛ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۳؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص ۲۱۰؛ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۱۰۳۔

[۳]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۲۲؛ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۳؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص ۲۱۰؛ ابن حزم اندلسی، جمہرۃ انساب العرب، ص ۲۹۳۔

[۴]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۲۲۔

[۵]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۵۔

[۶]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۳؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص ۲۱۱، ۲۱۲۔

[۷]۔ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۱۰۳۔

کے پاس لے گیا۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ انہیں زندان میں ڈال دیا جائے۔[۱] حضرت مسلم اور ہانی کی شہادت کے بعد ابن زیاد نے ان کو بلا کر کہا کہ اپنی گرفتاری کا واقعہ بیان کرو۔ عبد الاعلیٰ نے کہا: میں اپنے گھر سے نکلا تا کہ دیکھوں کہ لوگ کیا کر رہے ہیں؛ اُس وقت کثیر بن شہاب نے مجھے گرفتار کر لیا۔ ابن زیاد نے کہا: اگر تو نے سچ کہا ہے، تو سچی قسم کھاؤ کہ تمہارا کوئی اور مقصد نہیں تھا؛ لیکن عبد الاعلیٰ نے قسم کھانے سے انکار کر دیا۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ "جَبّانۃ السُّبیع"[۲] جا کر ان کا سر قلم کر دیا جائے۔ سپاہیوں نے ایسا ہی کیا اور آپ درجہ شہادت پر فائز ہو کر ملاقاتِ الٰہی طرف گامزن ہو گئے۔[۳]

۵۰۔ عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن کَدِن [۴] یزنی

معاویہ کی موت اور کوفیوں کے امام حسینؑ سے کوفہ آنے کی درخواست کے بعد، عبد الرحمٰن کوفیوں کے خط امام تک پہنچانے والے دوسرے گروہ میں شامل تھے۔[۵] آپ امام حسینؑ کے ساتھ ملاقات کے بعد امامؑ کے حکم سے چند افراد کے ہمراہ حضرت مسلم کے ساتھ کوفہ روانہ ہوئے۔[۶] بعد میں کربلا تشریف لائے اور روز عاشورہ جام شہادت نوش فرمایا۔[۷] ابن شہر آشوب کی روایت کے مطابق

---

[۱]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۷۰۔

[۲]۔ جبانہ یعنی صحراء یا مقبرہ۔

[۳]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۷۹۔

[۴]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۵۴۔

[۵]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۵۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۳۷۰؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۳۷؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۲۴۴؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۹۸؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۲۹؛ ابن کثیر، البدایۃ و النہایہ، ج۸، ص ۱۶۲؛ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۳۹۔

[۶]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۵۴؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۳۹؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۳۷۰؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۲۴۴۔

[۷]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۶؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۰۴؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۲۲۔

آپ پہلے حملے میں شہید ہوئے۔[1] آپ کا نام زیارت ناحیہ مقدسہ میں عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن الکدن الارحبی آیا ہے۔[2]

۵۱۔ عبد الرحمٰن بن عبد ربّ

آپ انصار کے قبیلہ "بنی سالم بن خزرج" سے ہیں۔ آپ نے امیر المومنین علیہ السلام کے دامن میں تربیت پائی اور آپ ہی سے قرآن کی تعلیم حاصل کی۔[3]

۵۲۔ عبد الرحمٰن بن مسعود بن حجّاج[4]

بعض مصادر میں آپ کو کربلا کے شہدا میں شمار کیا گیا ہے۔[5] زیارت ناحیہ مقدسہ[6] میں آپ کا نام آپ کے والد کے ہمراہ آیا ہے:

اَلسَّلَامُ عَلٰى مَسْعُوْدِ بْنِ حَجّاجٍ وَ ابْنِہٖ۔

سلام ہو مسعود بن حجّاج اور اس کے بیٹے پر۔

۵۳۔ عبد اللہ بن بشر خثعمی

بعض کتب میں ان کا نام شہدائے کربلا کی فہرست میں شامل ہے۔[7] بعض ہم عصر محققین نے کہا ہے کہ آپ عمر بن سعد کی فوج کے ساتھ کربلا گئے تھے، لیکن جنگ شروع ہونے سے پہلے امام حسین علیہ السلام سے جا ملے اور شہید ہو گئے۔[1]

---

[1]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۲۲۔

[2]۔ سید ابن طاووس، الاقبال بالاعمال الحسنہ، ج۳، ص۷۹۔

[3]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۶؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص۲۱۱۔

[4]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۶؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص۲۱۱۔

[5]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۶؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص۲۱۱۔

[6]۔ سید ابن طاووس، الاقبال بالاعمال الحسنہ، ج۲، ص۷۹؛ ابن المشہدی، المزار الکبیر، ص ۴۹۴۔

[7]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۴؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص۲۱۱۔

۵۴۔ عبد اللہ بن یُقطر[2]

ابن حجر عسقلانی نے عبد اللہ بن یُقطر کو امام حسین علیہ السلام کے ہم عمر ہونے کی وجہ سے پیغمبر علیہ السلام کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔[3] فضیل بن زبیر نے ان کو "رضیع الحسین" یعنی امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ایک ماں کا دودھ پینے والا کہا ہے۔ بعض متاخر علما نے کہا ہے: چونکہ ان کی ماں امام حسین علیہ السلام کی دایہ تھیں، اس لیے ان کو رضیع الحسین کہا جاتا ہے۔[4] دلچسپ بات یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ علیہا السلام اور (ایک روایت کے مطابق کبھی) رسول خدا علیہ السلام کی انگلی کے علاوہ کسی کا دودھ نہیں پیا۔[5] پس یہ کہا جائے گا کہ عبد اللہ کی ماں نے صرف دایہ کے عنوان سے امام حسین علیہ السلام کی پرورش کی ہے، آپ علیہ السلام کو دودھ نہیں پلایا۔

عبد اللہ کے بچپن اور جوانی کے متعلق معلومات نہیں ملی، لیکن قیام حسینی کے شروع سے آپ کا نام امام حسین علیہ السلام کے اصحاب اور ساتھیوں میں نظر آتا ہے۔ جب حضرت مسلم بن عقیل کا خط امام حسین علیہ السلام کو ملا کہ کوفی آپ کی نصرت کے لیے آمادہ ہیں، تو امام حسین علیہ السلام نے کوفیوں تک خط پہنچانے کی ذمہ داری عبد اللہ بن یقطر کو سونپی، لیکن آپ کوفہ پہنچنے سے پہلے حُصین بن تمیم (یا حصین بن نمیر جو ابن زیاد کی طرف سے کوفہ کے راستوں کو کنٹرول کرنے پر مامور تھا) کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے۔

---

[1] ۔مامقانی، تنقیح المقال، ج۲، ص ۱۷۰؛ سماوی، ابصار العین، ص ۱۷۰۔

[2] ۔ابن سعد، الطبقات الکبری، الطبقۃ الخامسۃ، جلد اول، ص ۴۶۰، ۴۷۸؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۹۸، ۳۶۹۔

[3] ۔ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج۵، ص ۸۔

[4] ۔فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۲؛ سماوی، ابصار العین، ص ۹۳۔

[5] ۔کلینی، الکافی، ج۱، ص ۳۸۶، ۳۸۷؛ سماوی، ابصاری العین، ص ۹۳۔

۵۵۔ عبداللہ بن عمیر کلبی

آپ قبیلہ "بنی علیم" سے [۱] شجاع اور بلند قامت [۲] مرد تھے۔ آپ امیر المومنینؑ اور امام حسین کے اصحاب میں سے ہیں۔ آپ کا گھر کوفہ کے محلہ بنی ہمدان میں چاہِ جُعدہ کے قریب تھا۔ آپ کو واقعہ عاشورہ سے چند دن پہلے پتہ چلا کہ ایک گروہ نُخیلہ میں اکٹھا ہوا ہے۔ جب وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ حسین بن علیؑ کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہیں۔ عبداللہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں ہمیشہ مشرکین کے ساتھ جنگ کی آرزو رکھتا تھا اور اب امید ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے کا ثواب مشرکین سے زیادہ ہوگا، جو رسول خداؐ کے نواسے کو قتل کرنے کے درپے ہیں۔ وہ اپنی بیوی کے پاس گیا اور جو کچھ سن کر آیا تھا، اسے بتایا۔ اس کی بیوی نے اس کے مقصد کی تائید کی اور دعا دیتے ہوئے درخواست کی کہ اسے بھی اپنے ساتھ لے چلے۔

عبداللہ اور اس کی بیوی رات کے وقت کوفہ سے نکلے اور امام حسینؑ تک پہنچ گئے۔ روزِ عاشورہ جنگ شروع ہوتے ہی دشمن کے ساتھ جنگ کی [۳] اور سپاہ یزید کی ایک جماعت کو قتل کرنے کے بعد ہانی بن ثبیت حضرمی اور بُکیر بن حَی تیمی کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا۔ [۴] بعض محققین کا خیال ہے کہ وہب نامی ایک شخص کا تذکرہ کتب [۵] میں آیا ہے کہ وہ کربلا کے شہیدوں میں سے تھا اور اس کی شہادت بھی عبد اللہ بن عمیر کی شہادت کے مشابہ ہے؛ لیکن اس شخص کا کوئی وجود نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد یہی عبد اللہ بن عمیر کلبی ہی ہیں۔ [۶]

---

[۱] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۲۹۔
[۲] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۲۹۔
[۳] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۲۹۔
[۴] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۳۹۔
[۵] ۔ شیخ صدوق، الامالی، ص۲۲۵؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۰۹؛ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۱۶۱۔
[۶] ۔ تستری، قاموس الرجال، ج۱۰، ص۴۴۸، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۶۔

۵۶، ۵۷۔ عبداللہ و عبدالرحمٰن غفاری

ان دونوں بھائیوں کا شمار امام حسینؑ کے اصحاب میں ہوتا ہے،[1] جو بہت سخت حالات میں امامؑ کی فوج میں شامل ہوئے۔ ان کے والد کا نام عُزرہ، قیس اور عروہ ذکر ہوا ہے۔[2] ان دونوں بھائیوں کا نام زیارت ناحیہ اور زیارت رجبیہ میں آیا ہے۔

۵۸، ۵۹۔ یزید بن نُبیط کے دو بیٹے عبداللہ اور عبیداللہ

یہ دونوں بھائی امام حسینؑ کے اصحاب اور شہدائے کربلا میں سے ہیں۔[3] یہ بصرہ کے رہنے والے تھے اور اپنے باپ یزید بن نبیط کے ہمراہ سرزمین ابطح پر امام حسینؑ کے کاروان میں شامل ہوئے اور پھر روزِ عاشورہ شہید ہوگئے۔[4] یہ دونوں بھائی پہلے حملے کے شہدا میں سے ہیں۔

۶۰۔ عُقبہ بن صَلت جُہنی

عُقبہ کا تعلق قبیلہ "خِرقہ جُہنیہ" سے تھا اور آپ نے روزِ عاشورہ جام شہادت نوش فرمایا۔[5]

---

[1]۔ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۱۰۳۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۴۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۰۶؛ کلبی، جمہرۃ النسب، ص ۱۵۶؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۵۶۸۔

[3]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۳؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۲۲؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص ۲۱۰۔

[4]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۵۴۔

[5]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۳؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص ۲۱۱۔

۶۱۔ عمار بن ابی سلامہ دالانی

آپ کا شمار امام حسین علیہ السلام کے اصحاب میں ہوتا ہے[۱] اور آپ پہلے حملے میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[۲] آپ واقعہ عاشورہ سے پہلے امام علی علیہ السلام کے صحابی اور آپ کی تمام جنگوں میں آپ کے ہمرکاب رہے۔[۳]

بلاذری کی روایت کے مطابق آپ نخیلہ کے مقام پر ابن زیاد کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، جہاں وہ لشکر کو کربلا بھیجنے کے لیے آمادہ کر رہا تھا؛ لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔[۴] ان کا نام زیارت ناحیہ مقدسہ میں آیا ہے۔[۵]

۶۲۔ عمّار[۶] بن حسّان بن شُریح طائی

آپ امام حسین علیہ السلام کے صحابی[۷] ہیں اور آپ کے والد ماجد امیر المومنین علیہ السلام کے صحابی تھے، جو جنگ صفین میں شہید ہوئے۔[۸] جناب عمار روزِ عاشورہ پہلے حملے میں شہید ہوئے۔ آپ کا نام زیارت ناحیہ مقدسہ میں ذکر ہوا ہے۔[۹]

---

[۱]۔ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۱۰۳۔

[۲]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۲۲؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۶۴۔

[۳]۔ ابن حجر عسقلانی، الاصابہ، ج ۵، ص ۱۰۷۔

[۴]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۳۸۸۔

[۵]۔ سید بن طاووس، الاقبال بالاعمال الحسنہ، ج ۳، ص ۷۹۔

[۶]۔ سید بن طاووس، الاقبال بالاعمال الحسنہ، ج ۳، ص ۷۹؛ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۱۰۳؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۱۔

[۷]۔ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۱۰۳۔

[۸]۔ نجاشی، رجال النجاشی، ص ۲۲۹؛ ابن داوود، رجال ابن داوود، ص ۱۱۶۔

[۹]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۴؛ حمید ابن احمد، محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۱؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۲۲۔

۶۳۔ عُمارہ بن صَلخب ازدی

آپ نے کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیل کی بیعت کی اور جب آپ حضرت مسلم کی مدد کے لیے جارہے تھے تو محمد بن اشعث آپ کو گرفتار کرکے ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ ابن زیاد نے پہلے انہیں قید کر لیا اور حضرت مسلم اور ہانی کی شہادت کے بعد حکم دیا کہ ان کی اپنے قبیلہ ازد کے درمیان جاکر گردن کاٹ دی جائے اور آپ یوں شہید ہوئے۔[1]

۶۴۔ عمرو بن جُنادہ انصاری

آپ بھی امام حسینؑ کے صحابی اور کربلا کے شہید ہیں۔ آپ اپنے والد گرامی کے ہمراہ کربلا تشریف لائے اور اپنے والد کی شہادت کے بعد میدان کارزار میں تشریف لے گئے اور مقام شہادت حاصل کیا۔[2]

۶۵۔ عمرو بن خالد صیداوی

آپ اپنے غلام سعد اور کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ طرماح بن عدی کی رہنمائی میں کوفہ کے راستے میں امام حسینؑ سے جاملے اور روزِ عاشورہ شہید ہوئے۔[3]

۶۶۔ عمرو بن ضُبیعہ

آپ قبیلہ قیس بن ثعلبہ سے ہیں اور امام حسینؑ کے صحابی اور کربلا کے شہید ہیں۔[4]

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۷۰، ۳۷۹۔

[2]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۱۱۰؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۱۳۔

[3]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۵؛ حمید ابن احمد، محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص ۲۱۱۔

[4]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۴؛ حمید ابن احمد، محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص ۲۱۱؛ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۱۰۳۔

۶۷۔ عمرو بن عبداللہ جُندَعی

آپ بھی واقعہ عاشورہ میں امام حسین علیہ السلام کے صحابی ہیں۔ قدیمی کتب میں ان کی شہادت کی کیفیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے نقل کیا ہے کہ آپ پہلے حملے میں شہید ہوئے؛[1] لیکن بعض نے لکھا ہے کہ آپ روزِ عاشورہ زخمی ہوئے اور انہیں میدان جنگ سے باہر لے جایا گیا، اور پھر ایک سال مریض رہنے کے بعد رحلت فرما گئے۔[2]

آپ کا نام زیارت ناحیہ مقدسہ میں یوں آیا ہے:

السلام علی المرتثّ معه عمرو بن عبد الله الجندعی[3]

سلام اس زخمی پر جو زمین سے اٹھنے کے قابل نہ رہے (یعنی سوار بن حُمیر)، جن کے ساتھ عمرو بن عبداللہ جندعی بھی تھے۔

۶۸۔ عمرو بن قَرَظَہ انصاری

آپ بھی امام حسین علیہ السلام کے صحابی اور کربلا کے شہید ہیں۔[4] آپ کے والد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے صحابی اور قبیلہ "خزرج" سے تھے جو جنگ اُحد اور اس کے بعد والی جنگوں میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ رہے۔ دوسرے خلیفہ نے قَرَظہ کو دس انصار کے ہمراہ لوگوں کو احکام کی تعلیم دینے کے لیے کوفہ بھیجا۔[5] حضرت علی علیہ السلام نے جنگ جمل کے لیے جاتے ہوئے قرظہ کو کوفہ کا والی مقرر کیا؛[6] لیکن جنگ صفین پر ان کو اپنے ساتھ لے گئے۔ قرظہ پوری زندگی امام علی علیہ السلام کے ہمراہ رہے۔ وہ امیر المومنین علیہ السلام کی خلافت کے دور

---

[1] ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۲۲۔

[2] فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۶؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص ۲۱۲۔

[3] سید ابن طاووس، الاقبال بالاعمال الحسنہ، ج۳، ص ۸۰۔

[4] فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۳؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص ۲۱۰، ۲۱۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۳۹۹؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۳۴؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۵۶۵۔

[5] ابن اثیر، اسد الغابہ، ج۴، ص ۱۰۰۔

[6] ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۳۴۹؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۲۹، ۳۱؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۴، ص ۴۹۹۔

میں کوفہ میں فوت ہوئے، امام علیہ السلام نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔[1] ایک روایت کے مطابق قَرظہ دوسرے خلیفہ کے دور میں شہر ری کے فاتح بنے،[2] نیز ایک اور روایت کے مطابق آپ نے ہمدان کو فتح کیا۔[3]

عمرو بن قَرظہ انصای ماہ محرم کی ابتدائی راتوں میں سے کسی رات میں امام حسین علیہ السلام کی طرف سے عمر بن سعد کے پاس گئے اور اسے آپ علیہ السلام کا پیغام دیا کہ دونوں لشکروں کے درمیان ملاقات ہونی چاہیے۔[4]

عمرو بن قَرظہ نے روزِ عاشورہ دشمن کے ساتھ جنگ کی اور آخری وقت زخمی حالت میں امام علیہ السلام سے پوچھا: کیا میں نے وفا کی ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، تو مجھ سے پہلے جنت میں ہوگا۔ میری طرف سے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کو سلام کہنا اور انہیں بتانا کہ میں بھی آرہاہوں۔ پھر عمرو بن قرظہ نے جنگ جاری رکھی اور جام شہادت نوش فرمایا۔[5]

۶۹۔ تُرکی یا رومی غلام

بعض کتب نے شہدائے کربلا میں ایک ترکی غلام کا تذکرہ بھی کیا ہے۔[6] خوارزمی نے ان کو ترکی جوان کہا ہے، جو قرآن سے آشنا اور عربی دان تھے۔ پھر لکھا ہے: آپ امام حسین علیہ السلام کے غلام تھے۔ شہادت کے وقت امام علیہ السلام آپ کے سرہانے تشریف لائے، گریہ کیا اور اپنا رخسار اس کے چہرے پر رکھا۔ غلام نے آنکھیں کھولیں اور امام حسین علیہ السلام کو دیکھ کر مسکرایا اور پھر درجہ شہادت پر فائز ہوگئے۔[7]

---

[1]۔ ابن اثیر، اُسد الغابہ، ج۴، ص۱۰۰۔

[2]۔ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج۲، ص۱۵۷؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۴، ص۱۴۸۔

[3]۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۱۹۱۔

[4]۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۵۶، ۵۵۷؛ تاریخ الامم والملوک، ج۴، ص۱۴۸۔

[5]۔ سید ابن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۱۶۲؛ ابن نما، مثیر الحزان، ص۶۱۔

[6]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۴؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص۲۱۱؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۱۳۔

[7]۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۲۴۔

بعض نے ان کا نام "واضح رومی" [1] اور بعض نے "ابن واضح رومی" [2] لکھا ہے، جبکہ ایک جماعت نے ان کو ترکی غلام [3] اور متاخرین کی ایک جماعت نے ان کا نام اسلم بن عمر [4] جانا ہے۔

اس غلام کے مالک کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ فضیل بن زبیر نے اسے "اسلم مولی بنی المدینہ" [5] کہا ہے؛ بعض نے اُسے امام حسین علیہ السلام کا غلام [6]، بعض نے حر بن یزید ریاحی کا [7]، جبکہ بعض نے جنادہ بن حارث سلمانی کا غلام [8] جانا ہے۔ بہر حال یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اس غلام اور اس کے مالک کا نام کیا ہے؟ اور کیا یہ سب نام ایک ہی شخص کے ہیں یا مختلف افراد کے؟ یہی وجہ ہے کہ متاخر محققین یہ مشکل حل نہیں کر سکے، بلکہ اس بارے میں تناقض اور شک و تردید کا شکار ہو گئے ہیں۔

۷۰۔ امام حسین علیہ السلام کا غلام قارب

قارب، امام حسین علیہ السلام کے صحابی اور غلام تھے۔ آپ روزِ عاشورہ شہید ہوئے۔ [9] بعض کتب میں ان کے نام کے آخر میں "دیلمی" [10] اور بعض میں "دئلی" [11] کا اضافہ کیا گیا ہے۔ چونکہ عرب قبائل غلام نہ تھے

---

[1] ۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۴۔

[2] ۔ حمید ابن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۱۔

[3] ۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۳۔

[4] ۔ مامقانی، تنقیح المقال، ج ۱، ص ۱۲۵؛ سماوی، ابصار العین، ص ۹۵۔

[5] ۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۵۔

[6] ۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۲۴؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۳۰۔

[7] ۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۳۔

[8] ۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۴؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۱۔

[9] ۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۲؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۰؛ تستری، قاموس الرجال، ج ۸، ص ۴۵۹؛ خوئی، معجم رجال الحدیث، ج ۱۵، ص ۹۔

[10] ۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۲۔

[11] ۔ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۰۔

بلکہ عام طور پر آزاد ہوتے تھے, لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دیلمی تھے۔ محقق تستری نے لکھا ہے: عربی قبیلہ اور غلام ہونا، آپس میں ساز گار نہیں۔[1] ان کا نام زیارت ناحیہ مقدسہ میں بغیر لاحقہ کے آیا ہے۔[2]

۷۱۔ قاسط بن زُہیر بن حارث

قاسط کا تعلق قبیلہ "بنی تغلب" سے ہے اور ان کا شمار امام حسینؑ کے اصحاب میں ہوتا ہے[3]۔ آپ روزِ عاشورہ پہلے حملے میں شہید ہوئے۔[4] زیارت ناحیہ[5] مقدسہ اور زیارت رجبیہ[6] میں آپ کا نام، آپ کے بھائی کردوس یا کَرش کے ساتھ آیا ہے۔

۷۲۔ قاسم بن حبیب

آپ قبیلہ "ازد" سے ہیں اور آپ کو امام حسینؑ کے صحابی ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ بعض کتب میں آپ کا نام شہدائے کربلا کی فہرست میں آیا ہے۔[7]

۷۳۔ قُرّہ بن ابی قُرہ غفاری

آپ قبیلہ "غفار" کی شاخ "کنانہ" سے ہیں۔[8] حضرت ابوذر بھی اسی قبیلہ سے تھے۔ چونکہ آپ مدینہ میں رہتے تھے اس لیے "مدنی" مشہور ہوگئے۔ عسقلانی اور ذہبی نے آپ کو صحابی کہا ہے؛ لیکن دیگر کتب

---

[1]۔ تستری، قاموس الرجال، ج۸، ص۴۵۹۔

[2]۔ سید ابن طاووس، الاقبال بالاعمال الحسنہ، ج۳، ص۷۶۔

[3]۔ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص۱۰۴۔

[4]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۲۲۔

[5]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۲۲۔

[6]۔ سید ابن طاووس، الاقبال بالاعمال الحسنہ، ج۳، ص۳۴۵۔

[7]۔ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص۱۰۴؛ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۶؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص ۲۱۲۔

[8]۔ یاقوت حموی، معجم البلدان، ج۱، ص۲۵۳۔

کا مطالعہ کرنے سے آپ کا تابعی ہونا ثابت ہوتا ہے۔[1] قُرّہ بن ابی قُرہ غفاری اہل سنت کے درمیان بھی ثقہ ہیں۔[2] آپ روزِ عاشورہ یحیٰ بن سُلیم کے بعد میدان کارزار میں تشریف لے گئے، دلیری کے ساتھ جنگ کی اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[3]

۷۴۔ قیس بن مُسہِر صیداوی

آپ قبیلہ "بنی صیدا" کی شاخ "بنی اسد بن خُزیمہ" سے تھے۔[4] آپ کوفہ میں رہتے تھے۔ قیس بن مُسہِر ان افراد میں سے ہیں جنہوں نے کوفیوں کے خطوط امامؑ تک اور امام کے خطوط کوفیوں تک پہنچائے۔[5] آپ ابن زیاد کے سپاہیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے اور کوفہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔[6]

۷۵۔ کَرُدوس بن زہیر

آپ قبیلہ "بنی تغلب" سے زہیر بن حارث کے بیٹے اور قاسط کے بھائی ہیں، جو روزِ عاشورہ شہید ہوئے۔[7] شیخ طوسی نے کردوس کو امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔[8]

۷۶۔ کنانہ بن عتیق

حضرت کنانہ قبیلہ "بنی تغلب" سے تھے اور روزِ عاشورہ شہید ہوئے۔[9] ابن شہر آشوب کی روایت کے مطابق آپ عاشورہ کے دن پہلے حملے میں شہید ہوئے۔[1]

---

[1]۔ ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج۵، ۳۳۲۔

[2]۔ ابو یوسف یعقوب فسوی، المعرفۃ والتاریخ، ج۲، ص۴۶۷۔

[3]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۱۱۔

[4]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۷۰تا۳۷۸؛ ابن حزم اندلسی، جمہرۃ انساب العرب، ص۱۹۵۔

[5]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۲۔

[6]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۹۵؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۷۸؛ ابن اثیر، الاکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۴۸۔

[7]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۳؛ حمید ابن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص۲۱۰۔

[8]۔ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص۸۰۔

[9]۔ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص۸۰؛ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۳۔

۷۷۔ مالک بن دودان

آپ بنی اسد اور عدنانی عرب کی شاخ قبیلہ "دودان" سے تھے۔[۲] آپ روزِ عاشورہ امام حسینؑ کے رکاب میں جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔[۳]

۷۸۔ مالک بن عبد بن سُرَیع

مالک بن عبد، قبیلہ ہمدان کی شاخ "بنی جابر" سے ہیں اور کربلا شہید ہوئے۔[۴] آپ روزِ عاشورہ امام حسینؑ کو الوداع کر کے اپنے چچازاد اور مادری بھائی سیف بن حارث کے ہمراہ شہید ہوئے۔[۵]

۷۹۔ مُجَمِّع بن زیاد بن عمرو جُہَنی

آپ عاشورہ کے دن شہید ہوئے۔[۶]

۸۰۔ مُجَمِّع بن عبداللہ[۷] عائذی

آپ امام حسینؑ کے صحابی تھے۔ نافع بن ہلال اور عمرو بن خالد سمیت ایک جماعت کے ہمراہ طرماح بن عدی کی راہنمائی میں منزل "عذیب الھیجانات" پر، جب حُر نے امام حسینؑ کو کوفہ جانے

---

[۱]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۲۲۔

[۲]۔ سمعانی، الانساب، ج۵، ص ۳۹۰۔

[۳]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۱۳۔

[۴]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۶؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۰۵؛ حمید ابن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص ۲۱۲؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۴۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۷۸؛ ابن اثیر، الاکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۵۶۸؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۶۶۔

[۵]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۰۵؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۴۲؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۶۸؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۶۶۔

[۶]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۵؛ حمید ابن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص ۲۱۱۔

[۷]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۴؛ حمید ابن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص ۲۱۱؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۴۶؛ تستری، قاموس الرجال، ج۸، ص ۶۷۵۔

سے روکا، تو امام حسین علیہ السلام کے کاروانِ حق میں شامل ہوئے اور کوفہ کی خبریں امام علیہ السلام تک منتقل کیں۔ [2]مجمّع، جنگ کے شروع میں چار افراد کی جماعت کے ساتھ میدان کارزار میں گئے۔ جب دشمن نے ان کا محاصرہ کیا تو حضرت عباس علمدار علیہ السلام ان کی مدد کے لیے تشریف لے گئے اور سلامتی کے ساتھ واپس پلٹے۔ اس کے بعد جب دشمن نے امام علیہ السلام کا محاصرہ مزید تنگ کیا اور زیادہ نزدیک ہوا تو ان چار افراد نے پھر تلوار نکالی اور میدان وغا میں کودے اور جنگ کے آغاز میں ہی چاروں اکٹھے شہید ہوئے۔ [3]کہا جاتا ہے کہ آپ کربلا کے سب سے پہلے شہید ہیں۔ [4]زیارت ناحیہ مقدسہ اور زیارت رجبیہ [5]میں بھی آپ کا نام ذکر ہوا ہے۔ فضیل بن زبیر نے مجمّع کے بیٹے "عائذ" کو بھی شہدائے کربلا میں شمار کیا ہے۔ [6]

۸۱۔ مسعود بن حجّاج

آپ امام حسین علیہ السلام کے صحابی [7]اور شہید کربلا ہیں، [8]جو عاشورہ کے دن پہلے حملے میں شہید ہوئے۔ [9] آپ کا نام زیارت ناحیہ مقدسہ اور زیارت رجبیہ میں اپنے بیٹے کے ساتھ آیا ہے۔ [10]

---

[1]۔ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۱۰۵۔

[2]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۳۸۲؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۰۴؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۵۵۳۔

[3]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۴۶۔

[4]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۴؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۴۶؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۵۵۳؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۲۲۔

[5]۔ سید ابن طاووس، الاقبال بالاعمال الحسنہ، ج۳، س ۷۹، ۳۴۵۔

[6]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۴؛ حمید ابن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص ۲۱۱۔

[7]۔ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص ۱۰۵۔

[8]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۴؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۲۲؛ حمید ابن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص ۲۱۱۔

[9]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۲۲۔

[10]۔ سید ابن طاووس، الاقبال بالاعمال، ج۳، ص ۷۹، ۳۴۶؛ ابن المشہدی، المزار الکبیر، ص ۴۹۴؛ شہید اول، المزار، ص ۱۵۳۔

۸۲۔ مُسلم بن عوسجہ

حضرت مسلم بن عوسجہ قبیلہ بنی اسد کی شاخ "بنی سعد بن ثعلبہ" سے ہیں۔ آپ نے آذربائیجان کی فتح میں شرکت کی اور امام حسینؑ کے زمانہ میں اہل بیتؑ کی بیعت لینے کے لیے کوفہ میں مشہور تھے۔ آپ نے حضرت مسلم بن عقیل کی بیعت کی اور قیامِ کوفہ میں بھی سرگرم رہے، یہاں تک کہ دارالامارہ کے محاصرے کے وقت حضرت مسلم نے آپ کو فوج کے ایک دستے کی کمان دی۔ حضرت مسلم بن عوسجہ روزِ عاشورہ مسلم بن عبد اللہ ضُبابی اور عبد الرحمٰن بن ابی خُشکارہ بجلی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔[1] آپ کا نام زیارت ناحیہ مقدسہ اور زیارت رجبیہ میں آیا ہے۔

۸۳۔ مسلم بن کثیر اَعرج ازدی

آپ امام حسینؑ کے صحابی ہیں جو روزِ عاشورہ پہلے حملے میں شہید ہوئے۔[2] آپ قبیلہ "ازد" کے شہداء میں شمار ہوتے ہیں۔[3]

۸۴۔ مُنجح

مُنجح امام حسینؑ کے غلام اور صحابی تھے۔ آپ کربلا میں شہید ہوئے۔[4] آپ کا قاتل حسان بن بکر حنظلی بتایا گیا ہے۔ مُنجح کا نام زیارت ناحیہ مقدسہ اور زیارت رجبیہ میں آیا ہے۔

---

[1]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۲؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۳۶؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۹۷۔

[2]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۲۲۔

[3]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۶؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۲۔ نیز رجوع کریں: شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص، ۱۰۵۔

[4]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۲؛ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۱۸۶؛ ابن حبان، کتاب الثقات، ج ۲، ص ۳۱۰؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۶۹؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۰؛ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص، ۱۰۵۔

۸۵۔ نافع بن ہلال جملی

آپ امام حسینؑ کے اصحاب اور شہدائے کربلا میں سے تھے۔[1] آپ کو حضرت علیؑ کا صحابی بھی کہا جاتا ہے۔[2] نافع بھی ان چار افراد میں سے ہیں جو منزل "عُذیب الہجانات" پر امام حسینؑ کے ساتھ جا ملے تھے۔ جب امام حسینؑ نے منزل "ذو حسم" پر خطبہ دیا اور فرمایا: میں موت کو خوش بختی اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کو بد بختی سمجھتا ہوں، تو نافع بن ہلال نے کہا: اللہ کی قسم، ہم اپنے پروردگار کے دیدار سے ناراض نہیں ہیں، بلکہ اپنے ارادے اور بصیرت پر باقی ہیں۔ آپؑ کے دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے دشمن ہے۔[3]

سات محرم کو خیام حسینیؑ تک پانی میں پہنچانے میں بھی، آپ کا اہم کردار ہے۔[4] آپ پانی لانے والے گروہ کے علمدار تھے۔[5] روزِ عاشورہ جب دشمن کے ایک سپاہی نے امام حسینؑ پر اپنے بھائی کا بدلہ لینے کے بہانے حملہ کرنے کی کوشش کی، تو نافع نے وار کر کے اس کا حملہ روکا۔[6] آپ کا نام زیارت ناحیہ مقدسہ اور زیارت رجبیہ میں آیا ہے۔

۸۶، ۸۷۔ نُعمان بن عمرو راسبی اور حلاس بن عمرو راسبی

یہ دو بھائی قبیلہ "ازد" سے ہیں اور روزِ عاشورہ کربلا میں شہید ہوئے۔ ابن شہر آشوب نے ان کو پہلے حملے کے شہدا میں شمار کیا ہے۔[7]

---

[1]۔ شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص۱۰۶؛ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۶؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص۲۱۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۰۴؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۳۵، ۴۴۱؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۶۸۔

[2]۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۴؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص۲۱۱۔

[3]۔ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۱۳۸؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۴، ص۳۸۱۔

[4]۔ ابو الفرج، اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۱۱۷؛ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۷۶؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۸۹۔

[5]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۱۲۔

[6]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۹۹؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۶۵۔

[7]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۲۲۔ نیز رجوع کریں: فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۵؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص۲۱۱۔

۸۸۔ نُعَیم بن عَجلان

آپ بھی روزِ عاشورہ پہلے حملے میں شہید ہوئے۔[1]

۸۹۔ ہانی بن عُروہ مرادی

ہانی بن عُروہ مرادی مِذحجی، کوفہ کے بزرگوں[2] اور مخلص شیعوں میں سے تھے۔[3] آپ کوفہ میں قبیلہ "مراد" کے بزرگ اور رہبر تھے۔ اس قبیلہ میں آپ کی عظمت یہ تھی کہ جب آپ سفر پر جانے کے لیے گھوڑے پر سوار ہوتے، تو چار ہزار سوار اور آٹھ ہزار پیادہ آپ کے ساتھ ہوتے اور جب اپنے ہم پیمان قبیلہ کِندہ کو بلاتے تو تیس ہزار افراد جمع ہو جاتے۔[4]

ابن زیاد کے کوفہ آنے کے بعد حضرت مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ کے گھر منتقل ہو گئے لیکن جلد ہی وہاں سے چلے گئے۔ ابن زیاد نے ہانی کو بلایا اور حضرت مسلم کو حوالے کرنے کا مطالبہ کیا؛ لیکن ہانی نے قبول نہ کیا، لہٰذا ابن زیاد نے ہانی کو زندان میں ڈال دیا۔

نو ذی الحجہ کو حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کے بعد ابن زیاد نے حضرت ہانی کے قتل کا حکم صادر کیا۔ ایک غلام نے حضرت ہانی کی گردن پر وار کیا اور آپ شہید ہو گئے۔[5] ابن زیاد نے حضرت مسلم اور ہانی کے سروں کو یزید کی طرف بھیجا اور ان بے سر جسموں کو رسی کے ساتھ باندھ کر کوچہ اور بازار پھیرایا گیا؛[6] جس کے بعد حضرت ہانی کے بدن اطہر کو سولی پر الٹا لٹکا دیا گیا۔[7] اس کے بعد قبیلہ "مذحج" نے ابن زیاد سے

---

[1]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۲۲۔

[2]۔ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۴۴۔

[3]۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۵۳۷۔

[4]۔ مسعودی، مروج الذہب، ج۳، ص ۶۹؛ تستری، قاموس الرجال، ج۱۰، ص ۴۹۰۔

[5]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۲، ص ۳۴۰؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۷۸، ۳۷۹؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۶۱، ۶۲۔

[6]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۶۵، ۶۴۔

[7]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۰۲۔

اجازت لے کر حضرت مسلم اور ہانی کے جنازوں کو دارالامارہ کے نزدیک دفن کیا۔ ابن زیاد نے دارالامارہ میں دفن کرنے کا حکم اس لیے دیا، تاکہ ان کی قبریں مکمل طور اس کی نگرانی میں ہوں اور شیعوں کی آمد و رفت پر نظر رکھ سکے۔[1]

جب امام حسینؑ کو کوفہ کے راستے میں منزل "ثعلبیہ" پر حضرت مسلم اور ہانی کی شہادت کی خبر ملی، تو آپؑ نے فرمایا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، اور یہ کلمہ کئی مرتبہ دہرایا۔[2]

۹۰۔ ہفہاف بن مُہنّد راسبی

آپ نے جب امام حسینؑ کی روانگی کے بارے میں سنا تو آپ کی مدد کے لیے بصرہ سے چلے؛ لیکن امامؑ کی شہادت کے بعد عمر بن سعد کے لشکر تک پہنچے۔ نیام سے تلوار نکالی اور یہ کہتے ہوئے عمر بن سعد کے لشکر پر حملہ کیا: میں محمدﷺ کے خاندان کو چاہتا ہوں۔ پھر جنگ کرتے شہید ہو گئے۔ امام سجادؑ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

فَمَا رَأَی النَّاسُ مُنْذُ بَعَثَ اللهُ مُحَمَّدًا فَارِساً بَعْدَ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ، قُتِلَ بِیَدِہٖ مَا قُتِلَ، فَتَدَاعَوْ عَلَیْهِ خَمْسَةُ نَفَرٍ، فَاحْتَوَشُوْهُ، حَتّٰی قَتَلُوْهُ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی۔[3]

جب سے اللہ تعالیٰ نے محمدﷺ کو مبعوث کیا ہے، میں نے (علی بن ابی طالب کے بعد) اس جیسا کوئی جنگجو نہیں دیکھا، جو یوں دشمن کو قتل کرے۔ پس وہ (دشمن) اس کے مقابلے میں آئے اور پانچ افراد نے محاصرہ کر کے اسے قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحمت نازل کرے۔

---

[1] محمد علی عابدین، مبعوث الحسین، ص ۲۵۱۔

[2] شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۷۴، ۷۵۔

[3] فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۶؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۲۔

۹۱۔ ہمّام بن سلمہ قانِصی

آپ قبیلہ "ہمدان" سے تھے۔ مؤرخین نے آپ کا نام شہدائے کربلا میں لکھا ہے۔[1]

۹۲۔ یزید بن زیاد بن مہاصِر

آپ قبیلہ کندہ کی شاخ "بہدلہ" سے ہیں اور آپ کنیت "ابو شعثاء" ہے۔[2] آپ امام حسینؑ کے اصحاب اور شہدائے کربلا میں شمار ہوتے ہیں۔[3] بعض نے آپ کو سب سے پہلا شہید کہا ہے۔[4]

بعض روایات کے مطابق آپ پہلے عمر بن سعد کے لشکر میں تھے اور امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے کوفہ سے کربلا آئے تھے؛ لیکن جب عمر بن سعد نے امامؑ کی شرائط کو رد کیا تو امام حسینؑ کے ساتھ مل گئے۔[5]

بعض محققین کے نزدیک یزید بن زیاد، خود ہی کوفہ سے نکلے اور کربلا کے راستے میں امام حسینؑ سے جا ملے۔ اس بات کا شاہد یہ ہے کہ جب ابن زیاد کا ایلچی حُر کے پاس گیا اور اسے حکم سنایا کہ امامؑ کو بے آب و گیاہ زمین پر اتار دو، تو ابو شعشعاء نے اس کے ساتھ گفتگو کی اور اسے شکست دی۔[6] لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ آپ شروع سے ہی امامؑ کے لشکر میں تھے۔

---

[1] ۔ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۶؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج ۱، ص ۲۱۲۔

[2] ۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۵۔

[3] ۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۵؛ فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتلع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۵؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۵، س ۴۴۵؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۶۹؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۱۰۸؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۹۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۵؛ بلاذری، اللباب فی تہذیب الانساب، ج ۱، ص ۱۹۱؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایہ، ج ۸، ص ۲۰۱۔

[4] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۵، س ۴۴۵؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۶۹۔

[5] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۵، س ۴۴۵؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۵؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۶۹۔

[6] ۔ تستری، قاموس الرجال، ج ۱۱، ص ۱۰۲۔

ابو شعثاء ماہر تیر انداز تھے اور آپ نے امام علیہ السلام کی بہت مدد کی۔ امام حسین علیہ السلام نے ان کے حق میں دعا فرمائی۔[1] آپ کا نام زیارت رجبیہ میں آیا ہے۔

۹۳۔ یزید بن عبد اللہ مِشرقی

آپ قبیلہ ہمدان سے ہیں۔ آپ نے سید الشہدا علیہ السلام کے رکاب میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔[2]

۹۴۔ یزید بن نُبَیط عبدی

آپ امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں اور شہدائے کربلا میں سے ایک ہیں، جو بصرہ میں رہتے تھے۔[3] جب امام حسین علیہ السلام نے مکہ کی طرف ہجرت کی تو قبیلہ "عبد القیس" کی شیعہ خاتون ماریہ بنت سعد (یا منقذ) کا گھر شیعوں کے اکٹھا ہونے اور تبادلہ خیال کرنے کی جگہ تھی جہاں یزید بن نبیط بھی حاضر ہوتے تھے۔ جب ابن زیاد کوفہ کا والی بنا اور اسے پتہ چلا کہ امام حسین علیہ السلام عراق تشریف لا رہے ہیں اور عراقیوں کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے، تو اس نے بصرہ میں اپنے نمائندہ کو حکم دیا کہ بصرہ کے تمام راستوں کو بند کر دیا جائے، تاکہ کوئی شخص بصرہ سے امام حسین علیہ السلام کی مدد کے لیے نہ جا سکے۔[4]

یزید بن نبیط کے دس بیٹے تھے۔ اُس نے ایسے سخت حالات کے باوجود اپنے بیٹوں کو امام علیہ السلام کی مدد کے لیے جانے کو کہا؛ لیکن صرف دو بیٹے عبد اللہ اور عبید اللہ تیار ہوئے۔ جب امام حسین علیہ السلام کوفہ کی جانب روانہ ہو چکے تو یزید بن نبیط اور اس کے دو بیٹے مکہ سے باہر امام علیہ السلام کے ساتھ جا ملے۔ جب امام علیہ السلام کو یزید بن نبیط کے آنے کی خبر ملی، تو آپ ان کے استقبال کے لیے تشریف لائے۔ جونہی یزید بن نبیط کی نگاہ امام علیہ السلام پر پڑی تو یہ آیت تلاوت کی:

---

[1] طبری، تاریخ الامم والملوک، ۵، س ۴۴۵؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۱۹۷؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۶۹۔

[2] فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتلمع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص۱۵۶؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص ۲۱۲۔

[3] فضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۵۳؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۵۴؛ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیہ، ج۱، ص ۲۱۰۔

[4] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۵۳، ۳۵۴۔

قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلۡيَفۡرَحُوۡا هُوَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ[1]

پیغمبر کہہ دیجئے کہ یہ قرآن فضل ورحمتِ خدا کا نتیجہ ہے، لہٰذا انہیں اس پر خوش ہونا چاہیے کہ یہ ان کے جمع کیے ہوئے اموال سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

آپ کربلا تک امام حسینؑ کے کاروان کے ساتھ رہے اور روزِ عاشورہ اپنی اور اپنے دونوں بیٹوں کی جان امامؑ پر قربان کر دی۔[2] ابن شہر آشوب نے یزید بن نبیط کے بیٹوں کے نام پہلے حملے کے شہدا میں ذکر کیے ہیں۔[3]

شہدائے کربلا میں شمار کیے گئے دیگر افراد کے نام

بعض معتبر کتب میں مذکورہ بالا شہدائے کربلا کے علاوہ کچھ اور افراد کو بھی شہدائے کربلا میں شمار کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ یا تو ان افراد کے حالاتِ زندگی ہم تک نہیں پہنچے، یا ان کا نام شہدائے کربلا کے ناموں کے ساتھ اشتباہ ہوا ہے اور حقیقت میں وہی افراد ہیں جن کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے یا قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ افراد کربلا میں موجود ہی نہیں تھے۔ یہ مندرجہ ذیل افراد ہیں:

ابراہیم بن علی، عباس اصغر بن علی، عبد اللہ اکبر بن علی، عبد اللہ اصغر بن علی، عبید اللہ بن علی، ابو بکر عتیق بن علی، نشر بن حسن، عمر بن حسن، ابو بکر بن قاسم حسین، ابراہیم بن حسین، جعفر بن حسین، حمزہ بن حسین، زید بن حسین، قاسم بن حسین، محمد بن حسین، عمر بن حسین، محمد بن عقیل، محمد بن عبد اللہ بن عقیل، حمزہ بن عقیل، علی بن عقیل، عون بن عقیل، جعفر بن محمد بن عقیل، عبد الرحمٰن بن مسلم بن عقیل، عبید اللہ بن مسلم بن عقیل، ابو بکر بن عبد اللہ بن جعفر، حسین بن عبد اللہ بن جعفر، عبید اللہ بن عبد اللہ بن جعفر، محمد بن جعفر، محمد بن عباس، عبد اللہ بن عباس، احمد بن محمد ہاشمی، عبد اللہ بن عبد اللہ (جعفر بن

---

[1] یونس (۱۰) ۵۸۔

[2] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۵۴۔

[3] ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۲۲۔

ابی طالب کے پوتوں میں سے تھے)، حجاج بن زید، رُمیث بن عمرو، زُہیر بن بِشر خثعمی، سعد بن حنظلہ تمیمی، سعید بن کردم، سلیمان بن ربیعہ اسدی، عمر بن اُحدوث حضرمی، ابراہیم بن حصین اسدی، عمران بن کعب انصاری، عُمیر (یا عمرو) بن عبد اللہ مذحجی، یحیی بن سلیم مازنی، عبد اللہ بن عمرو بن عیاش بن عبد قیس کلبی، قاسم بن بِشر ازدی۔

تکمیل ترجمہ و تلخیص جلد دوم:

۵ فروری ۲۰۱۹، مطابق ۲۹ جمادی الاولی ۱۴۴۰ ہجری، بروز منگل، ۹:۳۹ منٹ صبح

بمقام: قم المقدسہ، رہائش گاہ واقعہ خیابان سمیہ، خیابان شہیدین، کوچہ ۴، بلاک ۱۶۔

مصادر

قرآن

۱- ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع، **ترجمۃ الحسین ومقتلہ**، محقق: سید عبد العزیز طباطبائی، مؤسسہ آل البیت لاحیاء التراث، قم، ۱۳۰۸ ہجری قمری۔

۲- ابن ابی الحدید، **شرح نہج البلاغہ**، محقق: محمد ابو الفضل ابراہیم، اشاعت دوم، منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمی مرعشی نجفی، قم، ۱۴۰۴ ہجری۔

۳- ابن ابی الحدید، **شرح نہج البلاغہ**، محقق: محمد ابو الفضل ابراہیم، اشاعت دوم، ناشر: مکتبہ آیۃ اللہ العظمی مرعشی نجفی، قم، ۱۴۰۴ ہجری۔

۴- ابن اثیر، علی بن محمد شیبانی جزری، **اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ**، بیروت، ۱۴۰۹ ہجری۔

۵- ابن اثیر، علی بن محمد شیبانی جزری، **البدایۃ والنہایۃ**، محقق: مکتب محقق التراث، شہر نامعلو، تاریخ نامعلوم۔

۶- ابن اثیر، علی بن محمد شیبانی جزری، **الکامل فی التاریخ**، تحقیق: مکتب التراث، اشاعت چہارم، دار اضیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۸ ہجری۔

۷- ابن اعثم، ابو محمد احمد بن اعثم، **کتاب الفتوح**، محقق: علی شیری، دار الاضواء، بیروت، ۱۴۱۱ ہجری۔

۸- ابن اعثم، ابو محمد احمد بن اعثم، **الفتوح**، ترجمہ محمد بن احمد مستوفی، تصحیح: طباطبائی مجد، انتشارات آموزش و پرورش انقلاب اسلامی، تہران، ۱۳۷۲ شمسی۔

۹- ابن اعثم، ابو محمد احمد بن اعثم، **کتاب الفتوح**، محقق محمد ابوالفضل، تاریخ نامعلوم، ناشر نامعلوم۔

۱۰- ابن العربی، العواصم من القواصم، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۱- ابن العماد، ابو الفلاح عبد الحی بن احمد، **شذرات الذہب فی اخبار من ذہب**، محقق محمود الارناؤوط، دار ابن کثیر، دمشق و بیروت، ۱۴۱۰ ہجری۔

۱۲- ابن تغری بردی، اتابکی، جمال الدین ابو المحاسن یوسف، **النجوم الزاہرة فی اخبار ملوک مصر والقاہرة**، وزارة الثقافة والارشاد القومی، قاہرہ، بی تاریخ۔

۱۳- ابن تیمیہ حرانی، **منہاج السنة النبویہ فی نقض کلام الشیعہ والقدریہ**، مکتبہ الجمہوریہ و مکتبۃ الریاض الحدیثہ، قاہرہ وریاض، بی تاریخ۔

۱۴- ابن جوزی، ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد، **کتاب الرد علی المتعصب العنید**، محقق: محمد کاظم محمودی، ناشر ومقام نشر نامعلوم، ۱۴۰۳ ہجری۔

۱۵- ابن جوزی، ابو الفرج عبد الرحمان بن علی بن محمد، **المنتظم فی تاریخ الملوک والامم**، محقق محمد عبد القادر عطا و مصطفی عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۲ ہجری۔

۱۶- ابن جوزی، ابو الفرج عبد الرحمان بن علی بن محمد، **تذکرة الخواص**، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۷- ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن محمد، **لسان المیزان**، مطبعہ مجلس دائرة المعارف النظامیة، حیدر آباد دکن، ۱۳۳۰ ہجری۔

۱۸- ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن محمد، **الاصابة فی تمییز الصحابہ**، محقق: عادل احمد عبد الموجود، علی محمد معوض، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ ہجری۔

۱۹- ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن محمد، **فتح الباری**، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۸ ہجری۔

۲۰- ابن حزم اندلسی، **جمہرة انساب العرب**، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۳ ہجری۔

۲۱- ابن حزم اندلسی، **کتاب الفصل فی الملل والاهواء والنحل**، دار صادر، بیروت، بی تاریخ۔

۲۲- ابن خلدون، عبد الرحمان، **تاریخ ابن خلدون**، المسمی: کتاب العبر و دیوان البدا و الخبر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ ہجری۔

۲۳- ابن خلکان، شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر، **وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان**، محقق: احسان عباس، دار صادر، بیروت، ۱۳۹۷ ہجری۔

۲۴- ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع، **الطبقات الکبری (الطبقة الخامسة)**، تصحیح محمد بن صامل سلمی، مکتبہ الصدیق، طائف، ۱۴۱۴ہجری۔

۲۵- ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع، **ترجمہ الحسین و مقتلہ**، محقق: سید عبد العزیز طباطبائی، مؤسسہ آل البیت لاحیاء التراث، قم، ۱۴۰۸ہجری۔

۲۶- ابن شُبَّہ، ابو زید عمر بن شبہ نمیری بصری، **تاریخ المدینة المنورة**، محقق: فہیم محمد شلتوت، دار الفکر، قم، ۱۳۶۸شمسی۔

۲۷- ابن شعبہ حرانی، ابو محمد حسن بن علی بن حسین، تُحف العقول عن آل الرسول، محقق: علی اکبر غفاری، اشاعت دوم، مؤسسہ نشر اسلامی، قم، ۱۳۶۳ہجری۔

۲۸- ابن شہر آشوب، ابو جعفر بن علی بن شہر آشوب سروی مازندرانی، **متشابہ القرآن و مختلفہ**، چاپخانہ کمپنی شرکت سہامی طبع کتاب، شہر نامعلوم، ۱۳۲۷ہجری۔

۲۹- ابن شہر آشوب، ابو جعفر محمد بن علی بن شہر آشوب سروی مازندرانی، **مناقب آل ابی طالب**، محقق: یوسف البقاعی، انتشارات ذوی القربی، ہجری۔

۳۰- ابن شہر آشوب، ابو جعفر محمد بن علی بن شہر آشوب سروی مازندرانی، معالم العلماء، ناشر نامعلوم، قم، تاریخ نامعلوم۔

۳۱- ابن صباغ مالکی، علی بن محمد بن احمد، **الفصول المہمة فی معرفة الائمة**، محقق: سامی الغریری، دار الحدیث، قم، ۱۴۲۲ ہجری۔

۳۲- ابن طولون، شمس الدین محمد، **الائمة الاثنی عشر**، محقق: صلاح الدین منجد، منشورات شریف رضی، قم، تاریخ نشر نامعلوم۔

۳۳- ابن عبد البر قرطبی، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر، **الاستیعاب فی معرفة الاصحاب**، محقق علی محمد معوض، عادل احمد عبد الموجود، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ہجری۔

۳۴-ابن عبد ربہ، احمد بن محمد بن عبد ربہ اندلسی، **العقد الفرید**، محقق: علی شیری، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۹ہجری۔

۳۵-ابن عساکر، ابو القاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ شافعی، **تبیین کذب المفتری**، محقق: احمد حجازی السقاء، درا الجبل، بیروت، ہجری۔

۳۶-ابن عساکر، ابو القاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ شافعی، **تاریخ مدینۃ دمشق الکبیر**، محقق: علی عاشور الجنوبی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ہجری۔

۳۷-ابن عساکر، ابو القاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ شافعی، **ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق**، محقق: محمد باقر محمودی، مؤسسہ المحمودی للطباعۃ والنشر، بیروت، ۱۳۹۸ہجری۔

۳۸-ابن عِنَبہ، جمال الدین احمد بن علی حسنی، **عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب**، انصاریان، قم، ۱۴۱۷ ہجری۔

۳۹- ابن قولویہ قمی، ابو القاسم جعفر بن محمد، **کامل الزیارات**، تحقیق: نشر الفقاہۃ، دار السرور، بیروت، ۱۴۱۸ ہجری۔

۴۰- ابن ماکولا، **اِکمال الکمال فی رفع الارتیاب**، مصحح جلد نمبر۳: عبد الرحمن بن یحیی معلمی یمانی، مصحح جلد نمبر ۷: نایف عباس، دار الکتاب الاسلامی، قاہرہ، تاریخ نامعلوم۔

۴۱- ابن مندہ اصفہانی، ابو عبد اللہ، **جزء ترجمۃ الطبرانی**، ناشر، مقام اشاعت، تاریخ معلوم۔

۴۲-ابن منظور، **لسان العرب**، محقق: امین محمد عبد الوہاب و محمد صادق العبیدی، دار احیاء التراث العربی مؤسسہ التاریخ العربی، بیروت، ۱۳۱۶ہجری۔

۴۳-ابن ندیم، احمد بن اسحاق، **کتاب الفہرست**، محقق رضا تجدد، تاریخ نامعلوم، تہران، ناشر نامعلوم۔

۴۴-ابن نما حلی، نجم الدین جعفر بن محمد، **مُثیرُ الاَحزان**، تحقیق: مدرسۃ الامام المہدی، قم، اشاعت سوم، ۱۴۰۶ہجری۔

۴۵- ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک بن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، محقق: مصطفی سقاء و ابراہیم آبیاری و شبلی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۵۵ ہجری۔

۴۶- ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک بن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، محقق: مصطفی سقاء و ابراہیم آبیاری و شبلی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۵۵ہجری۔

۴۷- ابوالاعلی مودودی، **خلافت و ملوکیت**، ناشر، تاریخ، مقام اشاعت نامعلوم۔

۴۸- ابوالعباس عبد اللہ بن جعفر الحمیری، **قرب الاسناد**، منشورات المطبعہ الحیدریہ، نجف، ۱۳۶۹ہجری۔

۴۹- ابوالفرج اصفہانی، **مقاتل الطالبین**، محقق: احمد صقر، دار احیاء الکتب العربیہ، قاہرہ، ۱۳۶۷ہجری۔

۵۰- ابوالفرج اصفہانی، **الاغانی**، محقق: علی محمد بجاوی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، تاریخ نامعلوم۔

۵۱- ابو علی مسکویہ، **تجارب الامم و تعاقب الہمم**، ناشر، تاریخ و مقام اشاعت نامعلوم۔

۵۲- ابو مخنف، **مقتل الحسین و مصرع اہل بیتہ و اصحابہ فی کربلا** (المعروف مقتل ابو مخنف)، انتشارات علمی، تہران، تاریخ نامعلوم۔

۵۳- ابو مخنف، **وقعۃ الطف**، مقدمہ و تحقیق: محمد ہادی یوسفی غروی، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلو۔

۵۴- آبی، منصور بن حسین، **نثر الدر فی المحاضرات**، محقق خالد عبد الغنی محفوظ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ہجری۔

۵۵- احمد بن حنبل، **المسند**، تصحیح محمد جمیل العطار، اشاعت دوم، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ہجری۔

۵۶- احمد زمانی، **حقایق پنہان**، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلو۔

۵۷- اربلی، **کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ**، اشاعت دوم، دار الاضواء، بیروت، ۱۴۰۵ہجری۔

۵۸- اربلی، علی بن عیسی، **کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ**، اشاعت دوم، دار الاضواء، بیروت، ۱۴۰۵ ہجری۔

۵۹- ازرقی، محمد بن عبد اللہ، **اخبار مکہ و ماجاء فیہا من الآثار**، محقق: رشدی صالح ملحس، منشورات شریف رضی، قم، ۱۴۱۱ہجری۔

۶۰- اسفرینی، ابو اسحاق ابراہیم بن محمد شافعی اشعری، **نور العین فی مشہد الحسین**، مکتبۃ التعاون، بیروت، تاریخ اشاعت نامعلوم۔

۶۱- اسفندیاری، محمد، **کتاب شناسی تاریخی امام حسین**، وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی، تہران، ۱۳۸۰ شمسی۔

۶۲- اشراقی، مرزا محمد، **الاربعین الحسینیۃ**، اشاعت دوم، انتشارات اسوہ، تہران، ۱۳۷۹ شمسی۔

۶۳- اشعری قمی، سعد بن عبد اللہ، **کتاب المقالات و الفرق**، تصحیح محمد جواد مشکور، مؤسسہ مطبوعاتی عطائی، تہران، ۱۹۶۳عیسوی۔

۶۴- افندی اصفہانی، مرزا عبد اللہ، **ریاض العلماء وحیاض الفضلاء**، محقق: سید احمد حسینی، مطبعہ الخیام، قم، ۱۴۰۱ ہجری۔

۶۵- آقا محمد جواد ارسطا، "**قیام امام حسین علیہ السلام میں بیعت اور وظیفہ الٰہی کا مقام**"، فصلنامہ حکومت اسلامی، سال ہفتم، تاریخ نامعلوم۔

۶۶- امیر علی، **تاریخ عرب و اسلام**، ترجمۃ فخر داعی گیلانی، اشاعت سوم، انتشارات گنجینہ، تہران، ۱۳۶۶ شمسی۔

۶۷- امین، احمد، **فجر الاسلام**، گیارہویں اشاعت، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۷۵عیسوی،

۶۸- امین، حسن، **مستدرکات اعیان الشیعہ**، دار التعارف للمطبوعات، بیروت، ۱۴۱۵ہجری۔

۶۹- امین، سید محسن، **اعیان الشیعہ**، محقق: حسن امین، دار التعارف للمطبوعات، بیروت، ۱۴۰۳ ہجری۔

۷۰- امینی، عبد الحسین احمد، **الغدیر فی کتاب السنۃ و الادب**، چوتھی اشاعت، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۶۸ شمسی۔

۷۱- امینی، عبد الحسین احمد، **سیرتنا و سنتنا**، اشاعت دوم، دار الغدیر للمطبوعات و دار الکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۱۲ہجری۔

۷۲- آیتی، محمد ابراہیم بیر جندی، **بررسی تاریخ عاشورہ**، مقدمہ علی اکبر غفاری، کتابخانہ صدوق، تہران، ۱۳۷۴شمسی۔

۷۳- آرین پور، یحیی، **از صبا تانیما تاریخ ۱۵۰ سال ادب فارسی**، اشاعت چہارم، شرکت سہامی کتاب جیبی، تہران، ۲۵۳۵شاہنشاہی۔

۷۴- آقابزرگ تہرانی، **الذریعہ الی تصانیف الشیعہ**، اشاعت سوم، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۰۳ہجری۔

۷۵- آل یاسین، راضی، **صلح الحسن** علیہ السلام، اشاعت چہارم، منشورات ناصر خسرو، بیروت، ۱۳۹۹ہجری۔

۷۶- بحرانی، یوسف بن احمد، **الدُرَرُ النجفیۃ**، موسسہ آل البیت لاحیاء التراث، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۷۷- بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم، **صحیح البخاری**، محقق: قاسم الشماعی الرفاعی، دار القلم، بیروت، ۱۴۰۷ہجری۔

۷۸- بُرو کلمان، کارل، **تاریخ الادب العربی**، عربی میں ترجمہ: عبد الحلیم نجار، اشاعت دوم، دار الکتاب الاسلامی، قم، تاریخ نشر نامعلوم۔

۷۹- بروکلمان، کارل، **تاریخ الشعوب الاسلامیۃ**، عربی ترجمہ: نبیہ امین فارس و منیر البعلبکی، بارہویں اشاعت، دار العلم للملایین، بیروت، ۱۹۹۳عیسوی۔

۸۰- بلاذری، احمد بن یحیی بن جابر، **انساب الاشراف**، محقق: سہیل ذکار، ریاض زرکلی، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ہجری۔

۸۱- بلخی، مولانا جلال الدین محمد، **مثنوی معنوی**، تصحیح رینولد الین نیکلسون، اشاعت پنجم، انتشارات بہزاد، ۱۳۷۳شمسی۔

۸۲- بلعمی، ابو علی محمد بن محمد، **تاریخ نامہ طبری**، تصحیح محمد روشن، سروش، تہران، ۱۳۷۷شمسی۔

۸۳- بہبہانی، محمد باقر، **الدمعۃ الساکبۃ**، مصحح: حسین اعلمی، مؤسسہ اعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۰۹ ہجری۔

۸۴- بیہقی، احمد بن حسین، **السنن الکبری**، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۰۶ہجری۔

۸۵- پاشا بغدادی، اسماعیل، **ہدیۃ العارفین**، دار احیاء التراث العربی، بیروت، آفسٹ استنبول، ۱۹۵۱عیسوی۔

۸۶- تستری، قاضی نور اللہ حسینی مرعشی، **احقاق الحق و ازہاق الباطل**، انتشارات اسلامیہ، تہران، ۱۳۹۳ ہجری۔

۸۷- تستری، شیخ جعفر، **الخصائص الحسینیہ**، چوتھی اشاعت، شریف رضی، قم، ۱۳۷۴ شمسی۔

۸۸- تمیمی مغربی، ابو حنفیہ نعمان بن محمد، **شرح الاخبار فی فضائل الائمۃ الاطہار**، محقق: سید محمد حسینی جلالی، مؤسسہ النشر الاسلامی، قم، ۱۴۰۹تا۱۴۱۲ہجری۔

۸۹- تمیمی مغربی، ابو حنیفہ نعمان بن محمد منصور، **دعائم الاسلام و ذکر الحلال و الحرام و القضایا و الاحکام**، محقق: آصف بن علی اصغر فیضی، دار المعارف، قاہرہ، ۱۳۷۹ہجری۔

۹۰- تمیمی، محمد بن حبان، **کتاب الثقات**، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۹۱- تنکابنی، میرزا محمد، **قصص العلماء**، کتابفروشی علمیہ اسلامیہ، تہران، تاریخ نامعلوم۔

۹۲- ثقفی کوفی اصفہانی، ابو اسحاق ابراہیم بن محمد، **الغارات**، محقق: سید عبد الزہراء حسینی، دار الکتاب الاسلامی، قم، ۱۴۱۱ ہجری۔

۹۳- جاحظ، ابو عثمان عمر بن بحر، **البیان و التبیین**، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۶۸عیسوی۔

۹۴- جاحظ، ابو عثمان عمر بن بحر، کتاب العثمانیۃ، محقق: عبد السلام محمد ہارون، دار الجبل، بیروت، تاریخ نامعلوم۔

۹۵- جبران مسعود، الرائد، **فرہنگ الفبائی عربی فارسی**، ترجمہ رضا انزابی نژاد، انتشارات آستان قدس رضوی، مشہد، ۱۳۷۴شمسی۔

۹۶- جرداق، جورج، **الامام علی صوت العدالۃ الانسانیۃ**، منشورات دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت، ۱۹۷۰عیسوی۔

۹۷- جعفری، سید حسین محمد، **تشیع در مسیر تاریخ**، ترجمہ سید محمد تقی آیت اللہی، بارہویں اشاعت، دفتر نشر و فرہنگ اسلامی، تہران، ۱۳۸۴شمسی۔

۹۸- جعفریان، رسول، **تاریخ تشیع در ایران از آغاز تا قرن دہم ہجری**، اشاعت سوم، انصاریا، قم، ۱۳۸۰ شمسی۔

۹۹- جعفریان، رسول، **نہضت عاشورہ پر ایک نظر**، اشاعت دوم، انصاریان، قم، ۱۳۸۱ شمسی۔

۱۰۰- جعفریان، رسول، **مقالات تاریخی**، اشاعت دوم، نشر الہادی، قم، ۱۳۷۶ شمسی۔

۱۰۱- جعفریان، رسول، **تاریخ تحول دولت و خلافت**، اشاعت دوم، مرکز انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی، قم، ۱۳۷۷ شمسی۔

۱۰۲- سیوطی، جلال الدین، **تاریخ الخلفاء**، محقق قاسم شماعی و محمد عثمانی، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۰۳- جلال الدین عبد الرحمن سیوطی، **بُغیة الوُعاة فی طبقات اللُّغویین و النُّحاة، محقق محمد ابو الفضل ابراهیم**، محقق: محمد ابو الفضل ابراہیم، مطبعہ عیسی البابی الحبی و شرکا، قاہرہ، ۱۳۸۴ ہجری۔

۱۰۴- جواد علی، **المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام**، اشاعت دوم، دار العلم للملایین و مکتبۃ النہضۃ، بیروت، ۱۹۷۶ عیسوی۔

۱۰۵- حاجی خلیفہ، المصطفی بن عبد اللہ، **کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون**، تصحیح محمد شریف الدین یالتقایا ورفعت بیگلہ الکلیسی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، تاریخ نامعلوم۔

۱۰۶- حافظ شیرازی، خواجہ شمس الدین محمد، **دیوان حافظ**، انتظام سید ابو القاسم انجوی شیرازی، اشاعت سوم، انتشارات جاویدان، ۱۳۵۸ شمسی۔

۱۰۷- حاکم نیشاپوری، ابو عبد اللہ محمد بن محمد، **المستدرک علی الصحیحین**، محقق: مصطفیٰ عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۱ ہجری۔

۱۰۸- حائری مازندرانی، محمد مہدی، **معالی السبطین فی احوال السبطین الامامین الحسن والحسین**، مطبعہ مصباحی، تبریز، تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۰۹- حُر عاملی، محمد بن حسن، **امل الآمل**، محقق: سید احمد حسینی، دار الکتاب الاسلامی، قم، ۱۳۶۲ شمسی۔

۱۱۰- حسن بن شعبہ حرانی، تُحف العقول عن آل الرسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، محقق: علی اکبر غفاری، ناشر، مقام و تاریخ اشاعت نامعلوم۔

۱۱۱- حسین نورانی نژاد و دیگر مصنفین، **عاشورہ در گزر بہ عصر سکولار**، (مجموعہ مقالات)، کویر، تہران، ۱۳۸۳ شمسی۔

۱۱۲- حسینی فیروز آبادی، سید مرتضی، **فضائل الخمسة من الصحاح الستة**، محقق: مجمع جہانی اہل البیت، قم، ۱۴۲۲ ہجری۔

۱۱۳- حسینی، محمد ابن ابی طالب، **تسلية المجالس وزينة المجالس**، ناشر، تاریخ و مقام نشر نامعلوم۔

۱۱۴- حموی، یاقوت بن عبد اللہ، **معجم الادباء**، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۸ہجری۔

۱۱۵- حمید بن احمد محلی، **الحدائق الوردية فی مناقب الائمة الزيدية**، محقق: مرتضی محطوری حسنی، مرکز بدر العلمی و الثقافی، صنعاء، ۱۴۲۳ہجری۔

۱۱۶- خوارزمی، ابو المؤید الموفق بن احمد مکی، **المناقب**، محقق: مالک محمودی، اشاعت دوم، مؤسسہ نشر اسلامی، قم، ۱۴۱۴ہجری۔

۱۱۷- خوارزمی، ابو المؤید الموفق بن احمد مکی، **مقتل الحسين**، محقق: محمد سماوی، مطبعة الزہراء، نجف، ۱۳۶۷ ہجری۔

۱۱۸- خوانساری موسوی، محمد باقر، **روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات**، محقق: اسد اللہ اسماعیلیان، مکتبہ اسماعیلیان، قم، ۱۳۹۱ہجری۔

۱۱۹- خوانساری، موسی، محمد باقر، **روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات**، محقق: اسد اللہ اسماعیلیان، مکتبہ اسماعیلیان، قم، ۱۳۹۱ہجری۔

۱۲۰- خوئی، سید ابو القاسم، **معجم رجال الحديث وتفصيل طبقات الرواة**، اشاعت پنجم، مریز نشر الثقافة الاسلامیہ، ۱۴۱۳ہجری۔

۱۲۱- دہخدا، علی اکبر، **لغت نامہ دہخدا**، زیر نظر محمد معین، دانشگاہ تہران، تہران، ۱۳۳۸ شمسی۔

۱۲۲- دولابی، ابو بشر محمد بن احمد، **الذرية الطاہرہ**، محقق: سید محمد حسینی جلالی، مؤسسہ النشر الاسلامی، قم، ۱۴۰۷ہجری۔

۱۲۳- دینوری، **الامامة والسياسة** المعروف بتاریخ الخلفاء، محقق: علی شیری، انتشارات شریف رضی، قم، ۱۳۷۱ ہجری۔

۱۲۴- دینوری، ابو حنیفہ احمد بن داؤود، **الاخبار الطوال**، محقق: عصام محمد الحاج علی دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ہجری۔

۱۲۵- ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد، **سیر اعلام النبلاء**، محقق: مصطفی عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ہجری۔

۱۲۶- ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد، **میزان الاعتدال فی نقد الرجال**، محقق: علی محمد البجاوی، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۸۲ ہجری۔

۱۲۷- ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد، **تذکرۃ الحفاظ**، دار احیاء التراث العربی، بیروت، تاریخ نامعلوم۔

۱۲۸- رازی ابن بابویہ، منتجب الدین علی بن بابویہ، **فہرست منتجب الدین**، ناشر، مقام و تاریخ نامعلوم۔

۱۲۹- راوندی، قطب الدین، **الخرائج و الجرائح**، محقق: مؤسسہ الامام المہدی، مؤسسہ الامام المہدی، قم، ۱۴۰۹ہجری۔

۱۳۰- رشید رضا، محمد، **تفسیر المنار**، اشاعت دوم، دار المنار، مصر، ۱۳۷۲ہجری۔

۱۳۱-رفاعی، عبد الجبار، **معجم ما کُتب عن الرسول و اہل البیت**، وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی، تہران، ۱۳۷۱شمسی۔

۱۳۲- روحی البعلبکی، **فرہنگ عربی فارسی المورد**، ترجمہ محمد مقدس، امیر کبیر، تہران، ۱۳۸۷شمسی۔

۱۳۳-ری شہری، محمد، **اہل البیت فی الکتاب والسنہ**، محقق: دار الحدیث، دار الحدیث، قم، ۱۳۷۵شمسی۔

۱۳۴- زاہدی قمی، مرزا ابو الفضل، **مقصد الحسینؑ**، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۳۵- زرگری نژاد، غلام حسین، **نہضت امام حسینؑ و قیام کربلاء**، سمت، تہران، ۱۳۸۳شمسی۔

۱۳۶- زیدان، جرجی، **تاریخ التمدن الاسلامی**، دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت، تاریخ نامعلوم۔

۱۳۷-سامانی، عمانی، **گنجینہ الاسرار**، انتظام: محمد علی مجاہدی، انتشارات اسوہ، قم، تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۳۸- سبحانی، جعفر، **شفاعت در قلمرو عقل، قرآن و حدیث**، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۵۴ شمسی۔

۱۳۹- سبحانی، جعفر، **کلیات فی علم الرجال**، اشاعت سوم، مؤسسہ النشر الاسلامی، قم، ۱۴۱۴ہجری۔

۱۴۰- سبکی، تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب بن علی، **الطبقات الشافعیۃ الکبری**، محقق: عبد الفتاح محمد حلو و محمود محمد طناحی، دار احیاء الکتب العربیہ، قاہرہ، تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۴۱- سپہر کاشانی، میرزا محمد تقی، **ناسخ التواریخ امام حسین**، نظر ثانی: محمد مہدی اشتہاردی، ناصر، قم، ۱۳۸۶ شمسی۔

۱۴۲- سروش اصفہانی، میرزا محمد علی خان، **دیوان سروش اصفہانی**، انتظام محمد جعفر مجوب، امیر کبیر، ۱۳۴۰ شمسی۔

۱۴۳- سزگین، فُؤاد، **تاریخ التراث العربی**، اعراب گذاری: محمود فہمی حجازی، اشاعت دوم، مکتبہ آیہ اللہ مرعشی نجفی، قم، ۱۴۱۲ ہجری۔

۱۴۴- سُلیم بن قیس ہلالی، **کتاب سلیم بن قیس ہلالی**، محقق: محمد باقر انصاری زنجانی، نشر الہادی، قم، ۱۳۷۱ شمسی۔

۱۴۵- سمعانی، ابو سعد عبد الکریم بن محمد، **الانساب**، محقق: عبد اللہ عمر البارودی، دار الجنان، بیروت، ۱۴۰۸ ہجری۔

۱۴۶- سید بن طاوس، علی بن موسی بن جعفر، **اقبال الاعمال**، محقق: جواد قیومی اصفہانی، دفتر تبلیغات اسلامی، قم، ۱۴۱۵ ہجری۔

۱۴۷- سید بن طاووس، علی بن موسی بن جعفر، **الملاحم و الفتن**، اشاعت دوم، مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۲۳ ہجری۔

۱۴۸- سید بن طاووس، علی بن موسی بن جعفر، **الملہوف علی قتلی الطفوف**، محقق: فارس تبریزیان، دار الاسوہ للطباعۃ و النشر، ۱۴۱۴ ہجری۔

۱۴۹- سید کاظم موسوی بجنوردی اور بعض دیگر افراد، **دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی**، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۵۰- سیوطی، جلال الدین، **تاریخ الخلفاء**، محقق: قاسم شاعی و محمد عثمانی، دار القلم، بیروت، ۱۴۰۶ ہجری۔

۱۵۱- شُبّر، سید عبد اللہ، **جلاء العیون**، محقق: سید علی شبر، مطبعہ الحیدریہ، جنف، ۱۳۷۴ہجری۔

۱۵۲- شُبّر، جواد، **ادب الطف او شعراء الحسین**، دار المرتضی، بیروت، ۱۴۰۹ہجری۔

۱۵۳- شرف الدین، سید عبد الحسین موسوی، **المراجعات**، محقق: شیخ حسین راضی، مرکز نشر مجمع جهانی اہل بیت، قم، ۱۴۲۲ہجری۔

۱۵۴- شریف طباطبائی، مرزا محمد باقر، **اسرار شہادۃ آل اللہ**، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۵۵- شریف کاشانی، ملا حبیب اللہ، **تذکرۃ الشہداء**، ناشر، مقام، و تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۵۶- شریف مرتضی، ابو القاسم علی بن حسین موسوی، **تنزیہ الانبیاء و الائمہ**، محقق: فارس حسون کریم، بوستان کتاب، قم، ۱۳۸۰شمسی۔

۱۵۷- شریف مرتضی، ابو القاسم علی بن حسین موسوی، **رسائل المرتضی**، محقق: سید احمد حسینی، دار القرآن الکریم، قم، ۱۴۰۵ہجری۔

۱۵۸- شمس الدین، محمد مهدی، **ارزیابی انقلاب امام حسین**، ترجمہ مهدی پیشوایی، مؤسسہ فرهنگی هنری الست فردا، تهران، ۱۳۸۰شمسی۔

۱۵۹- شہید ثانی، زید الدین بن علی عاملی، **مسالک الافهام الی تنقیح شرایع الاسلام**، محقق: مؤسسہ معارف اسلامی، مؤسسہ معارف الاسلامیہ، قم، ۱۴۱۴ہجری۔

۱۶۰- شہیدی، سید جعفر، **قیام حسینؑ**، ناشر، مقام و تاریخ نامعلوم۔

۱۶۱- شہیدی، سید جعفر، **تاریخ تحلیلی اسلام**، انتشارات علمی و فرهنگی، تهران، ۱۳۸۳شمسی۔

۱۶۲- صافی، لطف اللہ، **حسینؑ شہید آگاہ و رہبر نجات بخش اسلام**، ناشر، مقام، تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۶۳- صالحی راد، حسن، **مجالس تعزیہ**، سروش، تهران، ۱۳۸۰شمسی۔

۱۶۴- صالحی شامی، محمد بن یوسف، **سُبل الهدیٰ و الرشاد**، محقق: عادل احمد عبد الموجود اور علی محمد معوض، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ہجری۔

۱۶۵- صحتی سردرودی، محمد، **شہید فاتح در آئینہ اندیشہ**، دفتر نشر معارف، قم، ۱۳۸۱ شمسی۔

۱۶۶- صدوق، محمد بن علی بن حسین، **ثواب الاعمال وعقاب الاعمال**، تصحیح: علی اکبر غفاری، مکتبہ الصدوق، تہران، ۱۳۹۱ ہجری۔

۱۶۷- صدوق، محمد بن علی بن حسین، **علل الشرائع**، مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۰۸ ہجری۔

۱۶۸- صدوق، محمد بن علی بن حسین، **الخصال**، تصحیح: علی اکبر غفاری، منشورات جامعہ مدرسین، قم، ۱۳۶۲ شمسی۔

۱۶۹- صدوق، محمد بن علی بن حسین، **من لایحضرہ الفقیہ**، مصحح: علی اکبر غفاری، جامعہ مدرسین، قم، تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۷۰- صدوق، محمد بن علی بن حسین، **الامالی**، محقق قسم الدراسات الاسلامیہ مؤسسہ البعثۃ، مجلس۔

۱۷۱- صدوق، محمد بن علی بن حسین، **عیون اخبار الرضا**، تصحیح: حسین اعلمی، باب، مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۰۴ ہجری۔

۱۷۲- صدوق، محمد بن علی بن حسین، **کمال الدین و تمام النعمہ**، تصحیح: علی اکبر غفاری، مؤسسہ نشر اسلامی، قم، ۱۳۶۳ شمسی۔

۱۷۳- صفار قمی، ابو جعفر محمد بن حسن بن فروخ، **بصائر الدرجات**، مصحح: محسن کوچہ باغی تبریزی، منشورات مکتبہ آیہ اللہ العظمی مرعشی نجفی، قم، ۱۴۰۴ ہجری۔

۱۷۴- صفائی حائری، عباس، **تاریخ سید الشہدا**، محقق و نظر ثانی: مسجد جمکران، انتشارات مسجد مقدس جمکران، قم، ۱۳۷۹ شمسی۔

۱۷۵- ضیائی، سید عبد الحمید، **نگرشی انتقادی تاریخ بہ ادبیات عاشورہ**، نقد فرہنگ، تہران، ۱۳۸۱ شمسی۔

۱۷۶- طباطبائی، سید عبد العزیز، **اہل البیت فی المکتبۃ العربیۃ**، مؤسسہ آل البیت لاحیاء التراث، قم، ۱۴۱۷ ہجری۔

۱۷۷- طباطبائی، سید عبد العزیز طباطبائی، **اہل البیت فی المکتبۃ العربیۃ**، مؤسسہ آآل البیت لاحیاء التراث، قم، ۱۴۱۷ ہجری۔

۱۷۸-طبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد، **المعجم الکبیر**، محقق: حمدی عبدالمجید سلفی، اشاعت دوم، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۴ہجری۔

۱۷۹- طبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد، **المعجم الکبیر**، محقق: حمدی عبد المجید سلفی، اشاعت دوم، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۴ہجری۔

۱۸۰- طبرسی، ابو منصور احمد بن علی، **الاحتجاج**، محقق: ابراہیم بہادری و محمد ہادی بہ، اشاعت دوم، انتشارات اسوہ، ۱۴۱۶ہجری۔

۱۸۱-طبرسی، ابو علی فضل بن حسن، **اعلام الوری باعلام الہدی**، مصحح: علی اکبر غفاری، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۹۹ہجری۔

۱۸۲- طبرسی، ابو منصور، **الاحتجاج**، محقق: ابراہیم بہادری و محمد ہادی بہ، اشاعت دوم، انتشارات اسوہ، ۱۴۱۶ ہجری۔

۱۸۳- طبری (امامی)، ابو جعفر محمد بن جریر **دلائل الامامۃ**، اشاعت سوم، منشورات الرضی، قم، ۱۳۶۳شمسی۔

۱۸۴- طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، **تاریخ الامم والملوک**، محقق: محمد ابوالفضل ابراہیم، روائع التراث العربی، بیروت، تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۸۵- طبری، احمد بن عبد اللہ، **ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ**، مکتبہ القدوسی، قاہرہ، ۱۳۵۶ہجری۔

۱۸۶- طبری، عماد الدین بن حسن بن علی بن محمد، **کامل بہائی**، مؤسسہ طبع ونشر، قم، ۱۳۳۴شمسی۔

۱۸۷-طریحی، فخر الدین، **مجمع البحرین**، محقق: سید احمد حسینی، اشاعت دوم، مرتضوی، تہران، ۱۳۶۲شمسی۔

۱۸۸- طریحی، فخر الدین، **المنتخب**، مصحح: فضال علی، مؤسسہ اعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۲۴ہجری۔

۱۸۹- طریحی، فخر الدین، **مجمع البحرین**، محقق: سید احمد حسینی، اشاعت دوم، مرتضوی، تہران، ۱۳۶۲شمسی۔

۱۹۰- طٰہٰ حسین، **انقلاب بزرگ علی و دو فرزند بزرگوارش**، ترجمہ احمد آرام، اشاعت دوم، انتشارات علمی، ۱۳۶۳شمسی۔

۱۹۱- طوسی، ابو حمزہ، **الثاقب فی المناقب**، ناشر، مقام و تاریخ اشاعت نامعلوم۔

۱۹۲- طوسی، ابو جعفر محمد بن حسن بن علی، **تہذیب الاحکام**، مصحح: علی اکبر غفاری، نشر صدوق، تہران، ۱۳۷۶شمسی۔

۱۹۳- طوسی، ابو جعفر محمد بن حسن بن علی، **اختیار معرفۃ الرجال**، مصحح: حسن مصطفوی، دانشگاہ مفید، مشہد، ۱۳۴۸شمسی۔

۱۹۴- طوسی، ابو جعفر محمد بن حسن بن علی، **الامالی**، محقق: قسم الدراسات الاسلامیہ مؤسسہ البعثۃ، دار الثقافہ، قم، ۱۴۱۴ہجری۔

۱۹۵- طوسی، ابو جعفر محمد بن حسن بن علی، **تلخیص الشافی**، محقق: سید حسین بحر العلوم، اشاعت دوم، مطبعہ الآداب، نجف، ۱۳۸۳ہجری۔

۱۹۶- طوسی، ابو جعفر محمد بن حسن بن علی، **کتاب الغیبۃ**، محقق: عباد اللہ تہرانی و علی احمد ناصح، مؤسسہ المعارف الاسلامیہ، قم، ۱۴۱۱ہجری۔

۱۹۷- طوسی، ابو جعفر محمد بن حسن بن علی، **مصباح المتہجد و سلاح المتعبد**، مؤسسہ فقہ الشیعہ، بیروت، ۱۴۱۱ ہجری۔

۱۹۸- طوسی، ابو جعفر محمد بن حسن بن علی، **الفہرست**، محقق: جواد قیومی، نشر الفقاہہ، ۱۴۱۷ہجری۔

۱۹۹- طوسی، ابو جعفر محمد بن حسن بن علی، **رجال الطوسی**، محقق: جواد قیومی اصفہانی، مؤسسہ النشر الاسلامی، قم، ۱۴۱۵ہجری۔

۲۰۰- عسکری، سید مرتضی، **معالم المدرستین**، اشاعت دوم، مؤسسہ البعثۃ، تہران، ۱۴۰۸ہجری۔

۲۰۱- عسکری، سید مرتضی، **عبد اللہ بن سبا و اساطیر اخری**، اشاعت پنجم، دار الزہراء، بیروت، ۱۴۰۳ہجری۔

۲۰۲- عطوان، حسین، **الفرق الاسلامیہ فی بلاد الشام فی العصر الاموی**، دار الجبل، ۱۹۸۶عیسوی۔

۲۰۳- علامہ حلی، ابو منصور حسن بن یوسف بن علی بن مطہر، **منتہی المطلب**، مقابلہ حسن پیشنماز، حاج احمد، تبریز، ۱۳۳۳ہجری۔

۲۰۴- علامہ حلی، ابو منصور حسن بن یوسف بن علی بن مطہر، **ایضاح الاشتباہ**، محقق: شیخ محمد حسون، جامعہ مدرسین، قم، ۱۴۱۱ ہجری۔

۲۰۵- علامہ حلی، ابو منصور حسن بن یوسف بن علی بن مطہر، **تذکرۃ الفقہاء**، مکتبہ رضویہ الاحیاء الآثار الجعفریہ، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۰۶- علایلی، عبد اللہ، **الامام الحسین**، منشورات شریف رضی، قم، ۱۳۷۴ شمسی۔

۲۰۷- علوی حضرمی، محمد بن عقیل، **النصائح الکافیۃ لمن یتولی معاویہ** "معاویہ کے پرستاروں کو نصیحت" ترجمہ: عزیز اللہ عطاردی، انتشارات عطارد، تہران، ۱۳۷۳ شمسی۔

۲۰۸- فاروق عمر و ملیحہ رحمۃ اللہ و مفید محمد نوری، **النظم الاسلامیۃ**، دار الحکمت، بغداد، ۱۹۸۷ عیسوی۔

۲۰۹- فاضل دربندی، ملا آقا شیروانی حائری، **اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات**، محقق: محمد جمعہ بادی و عباس ملا عطیہ جمری، شرکۃ المصطفیٰ للخدمات الثقافیۃ، منامہ، ۱۴۱۵ ہجری۔

۲۱۰- فرحی، سید علی، **بررسی و محقق پیرامون نہضت حسینی**، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، تہران، ۱۳۷۵ شمسی۔

۲۱۱- فُضَیل بن زبیر، **تسمیۃ مَنْ قُتِلَ مع الحسین علیہ السلام من وُلدہ و اخوتہ و اہل بیتہ و شیعتہ**، محقق سید محمد رضا حسینی جلالی، تراثنا، تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۱۲- قاآنی شیرازی، میرزا حبیب اللہ، **دیوان حکیم قاآنی شیرازی**، تصحیح محمد جعفر محجوب، امیر کبیر، تہران، ۱۳۶۶ شمسی۔

۲۱۳- قاضی عبد الجبار، ابو الحسن، **المغنی فی ابواب التوحید و العدل**، محقق: توفیق الطویل و سعید زاید، وزارۃ الثقافہ و الارشاد القومی، مصر، تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۱۴- قاضی طباطبائی، سید محمد علی، **تحقیق دربارہ اولین اربعین حضرت سید الشہداء**، اشاعت سوم، بنیاد علمی و فرہنگی شہید آیہ اللہ قاضی طباطبائی، قم، ۱۳۶۸ شمسی۔

۲۱۵- قبانچی، سید حسن، **مسند الامام علی**ؑ، محقق: طاہر اسلامی، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۱۶- قرشی، باقر شریف، **حیاۃ الامام الحسن بن علی**، دار البلاغہ، بیروت، ۱۴۱۳ہجری۔

۲۱۷- قزوینی، سید رضی بن نبی، **تظلم الزہراء من اہراق دماء آل العباء**، منشورات مکتبہ الحیدریہ، نجف، ۱۳۸۵ہجری۔

۲۱۸- قفطی، جمال الدین ابو الحسن علی بن یوسف، **اِنباءُ الرُّواۃ علی نباء النُّحاۃ**، محقق: محمد ابو الفضل ابراہیم، دار الکتب المصریہ، قاہرہ، ۱۳۷۴ہجری۔

۲۱۹- قمی، شیخ عباس، **الفوائد الرضویۃ فی احوال علماء المذہب الجعفریہ**، کتابخانہ مرکزی، تہران، تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۲۰- قمی، شیخ عباس، **الکنی والالقاب**، مقدمہ: محمد ہادی امینی، مکتبہ الصدر، تہران، تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۲۱- قمی، شیخ عباس، **مفاتیح الجنان**، ترجمہ مہدی الہی قمشہ ای، انتشارات علمی، تہران، تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۲۲- قمی، شیخ عباس، **منتہی الآمال**، محقق: ناصر باقری بیدہندی انتشارات دلیل، قم، ۱۳۷۹شمسی۔

۲۲۳- قمی، شیخ عباس، **ترجمہ نفس المہموم**، مترجم: میرزا ابو الحسن شعرانی، ہجرت، قم، ۱۳۷۱شمسی۔

۲۲۴- قمی، شیخ عباس، **سفینۃ البحار**، چاپ دوم، دار الاسوہ للطباعہ والنشر، تہران، ۱۴۱۶ ہجری۔

۲۲۵- قنبری، بخش علی، **فلسفہ عاشورا از دیدگاہ اندیشمندان مسلمان جہان**، ناشر کمپنی و نشر جہانی سازمان تبلیغات اسلامی، تہران، ۱۳۷۹شمسی۔

۲۲۶- قندوزی حنفی، سلیمان بن ابراہیم، **ینابیع المودۃ لذوی القربی**، محقق: سید علی جمال اشرف حسینی، دار الاسوہ للطباعہ والنشر، ۱۴۱۶ہجری۔

۲۲۷- کاشفی، ملا حسین واعظ، **روضۃ الشہدا**، تصحیح محمد رمضانی، کتاب فروشی اسلامیہ، تہران، ۱۳۴۱شمسی۔

۲۲۸- کتبی، محمد بن شاکر بن محمد، **وفات الوفیات**، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۲۹- کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، **الفروع من الکافی**، مصحح: علی اکبر غفاری، اشاعت دوم، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۶۲شمسی۔

۲۳۰- کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، **الاصول من الکافی**، محقق: علی اکبر غفاری، مصحح: نجم الدین عاملی، مکتبہ الاسلامیہ، تہران، ۱۳۸۸ ہجری۔

۲۳۱- کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، **الروضۃ من الکافی**، مصحح: علی اکبر غفاری، اشاعت چہارم، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۶۲ شمسی۔

۲۳۲- کمیت بن زید اسدی، **الروضۃ المختار**، جمع آوری: صالح علی صالح، منشورات مکتبہ الحیدریہ، نجف، ۱۴۰۸ ہجری۔

۲۳۳- کوفی، محمد بن سلیمان، **مناقب الامام امیر المومنین علی ابن ابی طالب**، محقق: محمد باقر محمودی، مجمع احیاء الثقافہ الاسلامیہ، قم، ۱۴۱۲ ہجری۔

۲۳۴- گل محمدی، حسن، **عاشورہ و شعر فارسی**، انتشارات اطلس، تہران، ۱۳۶۶ شمسی۔

۲۳۵- لکھنوی ہندی، ابو الحسنات محمد بن عبد الحی، **الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ**، تصحیح: محمد بدر الدین ابو فراس، دار المعرفہ، بیروت، تاریخ نامعلوم۔

۲۳۶- مامقانی، عبد اللہ، **تنقیح المقال فی علم الرجال**، انتشارات جہان، تہران، تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۳۷- مبرد، ابو العباس محمد بن یزید، **الکامل فی اللغۃ والادب**، محقق: عبد الحمید ہنداوی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ ہجری۔

۲۳۸- متقی ہندی، علاء الدین متقی بن حسان الدین، **کنز العمال**، مصحح: صفوۃ السقاء، مؤسسہ الرسالہ، بیروت، ۱۴۰۹ ہجری۔

۲۳۹- مجلسی، محمد باقر، **جلاء العیون**، انتشارات رشیدی، تہران، ۱۳۶۲ شمسی۔

۲۴۰- مجلسی، محمد باقر، **بحار الانوار**، اشاعت دوم، مؤسسہ الوفاء، بیروت، ۱۴۰۳ ہجری۔

۲۴۱- مجلسی، محمد باقر، **مرآۃ العقول فی شرح اخبار الرسول**، مصحح: سید ہاشم رسولی، اشاعت سوم، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۷۰ شمسی۔

۲۴۲- محتشم، علی، **دیوان مولانا محتشم کاشانی**، بنگاہ مطبوعاتی برادران محتشم، تاریخ نامعلوم۔

۲۴۳- محمد بن ابی طالب حسینی، **تسلیۃ المجالس وزینۃ المجالس**، محقق: فارس تبریزیان وحسون کریم، مقام، ناشر و تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۴۴- محمود بن سلیمان کفوی، **اعلام الاخبار من فقہاء مذہب النّعمان**، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۴۵- محمودی، محمد باقر، **عبرات المصطفین فی مقتل الحسین**، مجمع احیاء الثقافہ الاسلامیہ، قم، ۱۴۱۵ہجری۔

۲۴۶- مدرس، میرزا محمد علی، **ریحانۃ الادب**، چاپخانہ شرکت سہامی طبع کتاب، تہران، ۱۳۲۸شمسی۔

۲۴۷- مدنی شیرازی حسینی، علی خان، **الدرجات الرفیعہ فی طبقات الشیعہ**، مقدمہ: سید محمد صادق بحر العلوم، منشورات مکتبہ بصیرتی، قم، ۱۳۹۷ہجری۔

۲۴۸- مرزا حسن صفی علی شاہ،، زبدۃ الاسرار، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۴۹- مروزی، ابو عمران موسی بن ابراہیم، **مسند الامام موسی بن جعفر**، مقدمہ وتعلیق: محمد حسین حسینی جلالی، اشاعت چہارم، دار الاضواء، بیروت، ۱۴۰۶ہجری۔

۲۵۰- مِزّی، جمال الدین ابو الحجاج یوسف، **تہذیب الکمال فی اسماء الرجال**، محقق: بشار عواد معروف، اشاعت پنجم، مؤسسہ الرسالت، بیروت، ۱۴۱۵ہجری۔

۲۵۱- مسعودی، ابو الحسن بن علی، **مروج الذہب و معادن الجوہر**، محقق: محمد محی الدین عبد الحمید، چوتھی اشاعت، السعادۃ، قاہرہ، ۱۳۸۴ہجری۔

۲۵۲- مسعودی، ابو الحسن بن علی، **اثبات الوصیہ للامام علی ابن ابی طالب**، مؤسسہ انصاریان، قم، ۱۴۱۷ہجری۔

۲۵۳- مسلم نیشابوری، ابو الحسن مسلم بن حجاج قشیری نیشابوری، **صحیح مسلم**، محقق: احمد عمر ہاشم و موسی شاہین لاشین، موسسہ عز الدین للطباعۃ والنشر، بیروت ۱۴۰۷ہجری۔

۲۵۴- مشاور، خانبابا، **فہرست کتابہای چاپی فارسی**، اشاعت دوم، چاپخانہ ارژنگ، تہران، ۱۳۵۳ شمسی۔

۲۵۵- مصطفی آزادیان، **آموزہ نجات از دیدگاہ علامہ طباطبائی**، مؤسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی ، قم، تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۵۶- مطہری، مرتضی، **انسان و سرنوشت**، انتشارات صدرا، قم، ۱۳۸۰ شمسی۔

۲۵۷- مطہری، مرتضی، **حماسہ حسینی**، ایڈیشن ۲۱، انتشارات صدرا، قم، ۱۳۷۳ شمسی۔

۲۵۸- معتمد الدولہ، فرہاد میرزا، **قمقام زخّار و صمصام بتّار**، مقدمہ عماد زادہ، مصحح: محرمی زندی ، کتابفروشی اسلامیہ، تہران، ۱۳۷۷ شمسی۔

۲۵۹- معلوف، لُویَس، **المنجد فی اللغۃ**، اسماعیلیان، قم، ۱۳۶۲ شمسی۔

۲۶۰- مفید، ابوعبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان العکبری، **الاختصاص**، مصحح و محقق: علی اکبر غفاری، المؤتمر العالمی لالفیہ الشیخ المفید، ۱۴۱۳ ہجری۔

۲۶۱- مفید، ابوعبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان العکبری، **الارشاد**، محقق: موسسہ اہل البیت، قم، المؤتمر العالمی لالفیہ الشیخ المفید، ۱۴۱۳ ہجری۔

۲۶۲- مفید، ابوعبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان العکبری، **الامالی**، محقق: حسین استاد ولی و علی اکبر غفاری، جامعہ مدرسین، قم، ۱۴۰۳ ہجری۔

۲۶۳- مفید، ابوعبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان العکبری، **الجمل**، محقق: سید علی میر شریفی، مکتب الاعلام الاسلامی، قم، ۱۴۱۳ شمسی۔

۲۶۴- مفید، ابوعبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان العکبری، **مسار الشیعہ**، محقق: شیخ مہدی نجف، المؤتمر العالمی لالفیہ الشیخ المفید، ۱۴۱۳ ہجری۔

۲۶۵- مفید، ابوعبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان العکبری، **المسائل العکبریہ**، محقق: علی اکبر الٰہی خراسانی، المؤتمر العالمی لالفیہ الشیخ المفید، ۱۴۱۳ ہجری۔

۲۶۶-مقالہ: امیر جوان آراستہ، **قاضی نُعمان ومذہب او**، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۶۷- مقالہ: زنجبر، محسن، **خلفاء کی فتوحات سے متعلق حضرت علی** علیہ السلام **کا موقف**، سہ ماہی: تاریخ در آینہ پژوہش، شمارہ دوم، ۱۳۸۲ شمسی۔

۲۶۸-مقریزی، ابو العباس احمد بن علی بن قادر العبیدی، **النزاع والتخاصم فیما بین بنی امیہ و بنی ہاشم**، مقدمہ سید محمد بحر العلوم، منشورات مکتبہ الحیدریہ، نجف، ۱۳۸۶ ہجری۔

۲۶۹- مقریزی، ابو العباس احمد بن علی بن قادر العبیدی، **المواعظ و الاعتبار، المعروف بالخطط المقریزیۃ**، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ ہجری۔

۲۷۰- منزوی، احمد، **فہرست وارہ کتابہای فارسی**، اشاعت دوم، دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، تہران، ۱۳۸۲ شمسی۔

۲۷۱-منقری، نصر بن مزاحم، **وقعۃ الصفین**، محقق: عبد السلام محمد ہارون، اشاعت دوم، موسسہ العربیہ الحدیثۃ للطبع والنشر والتوزیع، قاہرہ، ۱۳۸۲ ہجری۔

۲۷۲- موحدی، عبد اللہ، **ملا حبیب اللہ شریف کاشانی فقیہ فرزانہ**، دفتر تبلیغات اسلامی، قم، ۱۳۷۶ شمسی۔

۲۷۳- میرزا حسین نوری طبرسی، **مستدرک الوسائل و مستنبط المسائل**، محقق: موسسہ آل البیت لاحیاء التراث، تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۷۴- میثل، توماس، **کلام مسیحی**، ترجمہ حسین توفیقی، مرکز مطالعات و تحقیقات ادیان و مذاہب، قم، ۱۳۷۳ شمسی۔

۲۷۵- نجاشی، احمد بن علی، **رجال النجاشی**، محقق: سید موسی شبیری زنجانی، اشاعت پنجم، موسسہ النشر الاسلامی، قم، ۱۴۱۶ ہجری۔

۲۷۶- نجفی، محمد حسن، جواہر الکلام فی شرح شرائع الاسلام، ساتویں اشاعت، دار احیاء التراث العربی، بیروت، تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۷۷- نراقی، مہدی، **مُحرِق القلوب**، اشاعت سنگی، ناشر، مقام و تاریخ نامعلوم۔

۲۷۸- نوری طبرسی، میرزا حسین، **لولو و مرجان**، اشاعت دوم، انتشارات فراہانی، ۱۳۶۴ شمسی۔

۲۷۹- نویری، شہاب الدین احمد، **نہایۃ الارب فی فنون الادب**، مترجم: محمود مہدی دامغانی، امیر کبیر، تہران، ۱۳۶۴ شمسی۔

۲۸۰- واعظ خیابانی تبریزی، **وقایع الایام فی تتمۃ محرم الحرام**، محقق: محمد الوانسار خوئی، انتشارات غرفہ الاسلام، قم، ۱۳۸۶ شمسی۔

۲۸۱- واقدی، محمد بن عمر بن واقد، **کتاب المغازی**، محقق: مارسدن جونس، اشاعت سوم، مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۰۹ ہجری۔

۲۸۲- یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، **تاریخ الیعقوبی**، دار صادر، بیروت، تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۸۳- یوسفی غروی، محمد ہادی، **موسوعۃ التاریخ الاسلامی**، مجمع الفکر الاسلامی، قم، ۱۴۲۹ ہجری۔